مضامین	صفحہ نمبر
۱- حکایاتِ صحابہ ﷺ	۱۸
تمہید	۱۹
پہلا باب	۲۱
دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف ومشقت کا جھیلنا	۲۱
حضور اکرم ﷺ کے طائف کے سفر کا قصہ	۲۱
قصہ حضرت انس بن نضر ﷺ کی شہادت کا	۲۳
صلح حدیبیہ اور ابو جندل ﷺ اور ابو بصیر ﷺ کا قصہ	۲۴
حضرت بلال حبشی ﷺ کا اسلام اور مصائب	۲۶
حضرت ابوذر غفاری ﷺ کا اسلام	۲۷
حضرت خباب بن الارت ﷺ کی تکلیفیں	۲۹
حضرت عمار ﷺ اور ان کے والدین کا ذکر	۳۰
حضرت صہیب ﷺ کا اسلام	۳۰
حضرت عمر ﷺ کا قصہ	۳۱
مسلمانوں کی حبشہ کی ہجرت اور شعب ابی طالب میں قید ہونا	۳۳
دوسرا باب	۳۷
اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کا خوف اور ڈر	۳۷
آندھی کے وقت حضور اکرم ﷺ کا طریقہ	۳۷
اندھیرے میں حضرت انس ﷺ کا فعل	۳۸
سورج گرہن میں حضور اکرم ﷺ کا عمل	۳۸
حضور اکرم ﷺ کا رات بھر روتے رہنا	۳۹
حضرت ابوبکر ﷺ پر اللہ کا ڈر	۳۹
حضرت عمر ﷺ کا خوفِ الٰہی	۴۰
حضرت ابن عباس ﷺ کی نصیحت	۴۲

مضامین	صفحہ نمبر
تبوک کے سفر میں قوم ثمود کی بستی پر گذر	۴۲
تبوک میں حضرت کعب ﷺ کی غیر حاضری اور توبہ	۴۴
صحابہ ﷺ کے ہنسنے پر حضور ﷺ کی تنبیہ اور قبر کی یاد دہانی	۴۹
حضرت حنظلہ ﷺ کو اپنے متعلق نفاق کا ڈر	۵۰
تکمیل اللہ کے خوف کے متفرق احوال	۵۱
تیسرا باب	۵۴
صحابۂ کرام ﷺ کے زُہد اور فقر کے بیان میں	۵۴
حضور اکرم ﷺ کا پہاڑوں کو سونا بنا دینے سے انکار	۵۴
حضرت عمر ﷺ کے وسعت طلب کرنے پر تنبیہ اور حضور ﷺ کے گذر کی حالت	۵۴
حضرت ابوہریرہ ﷺ کی بھوک کا حال	۵۶
حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا بیت المال سے وظیفہ	۵۷
حضرت عمر فاروق ﷺ کا بیت المال سے وظیفہ	۵۸
حضرت بلال ﷺ کا حضور ﷺ کے لیے ایک مُشرِک سے قرض	۶۰
حضرت ابوہریرہ ﷺ کا بھوک میں مسئلہ دریافت کرنا	۶۱
صرف دنیاوی شرافت کی اللہ کے یہاں کوئی وقعت نہیں	۶۳
حضور ﷺ سے محبت کرنے والے پر فقر کی دوڑ	۶۳
سریۃ العنبر میں فقر کی حالت	۶۴
چوتھا باب	۶۵
صحابۂ کرام ﷺ کے تقویٰ کے بیان میں	۶۵
حضور ﷺ کی ایک جنازہ سے واپسی اور ایک عورت کی دعوت	۶۶

مضامین	صفحہ نمبر
حضور ﷺ کا صدقہ کی کھجور کے خوف سے تمام رات جاگنا	۶۵
حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ایک کاہن کے کھانے سے قے کرنا	۶۶
حضرت عمر ؓ کی صدقہ کے دودھ سے قے	۶۷
حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا احتیاطاً باغ وقف کرنا	۶۷
حضرت علی بن معبدؒ کا کرایہ کے مکان سے تحریر کو خشک کرنا	۶۷
حضرت علی ؓ کا ایک قبر پر گذر	۶۸
حلال مال کھانے کی ترغیب اور حرام مال سے بچنے کی تاکید	۶۹
حضرت عمر ؓ کی انتہائی احتیاط	۷۰
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا حجاج کے حاکم کو حاکم نہ رکھنا	۷۰
پانچواں باب	۷۱
نماز کا شغف اور شوق اور اس میں خشوع وخضوع	۷۱
اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں	۷۱
حضور ﷺ کا تمام رات نماز پڑھنا	۷۱
حضور ﷺ کا چار رکعت میں چھ پارے پڑھنا	۷۲
حضرت ابوبکر صدیق ؓ وحضرت ابن زبیر ؓ وحضرت علی ؓ وغیرہ کی نماز کے حالات	۷۳
ایک مہاجر اور ایک انصاری کی چوکیداری اور انصاری کا نماز میں تیر کھانا	۷۴
حضرت ابوطلحہ ؓ کا نماز میں خیال آجانے سے باغ وقف کرنا	۷۵

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت ابن عباس ؓ کا نماز کی وجہ سے آنکھ نہ نوانا	۷۶
صحابہ ؓ کا نماز کے وقت فوراً دکانیں بند کر دینا	۷۶
حضرت خُبَیب ؓ کا قتل کے وقت نماز پڑھنا اور زید ؓ وعاصم ؓ کا قتل	۷۷
حضور ﷺ کی جنت میں معیت کے لیے نماز کی مدد	۸۰
چھٹا باب	۸۱
ایثار وہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا	۸۱
صحابی ؓ کا مہمان کی خاطر چراغ بجھا دینا	۸۱
روزہ دار کے لیے چراغ بجھا دینا	۸۱
ایک صحابی ؓ کا زکوٰۃ میں اونٹ دینا	۸۲
حضراتِ شیخین ؓ کا صدقہ میں مقابلہ	۸۳
صحابہ ؓ کا دوسروں کی وجہ سے پیاسے مرنا	۸۳
حضرت حمزہ ؓ کا کفن	۸۴
بکرے کی سری کا چکر کاٹ کر واپس آنا	۸۵
حضرت عمر ؓ کا اپنی بیوی کو زچگی میں لے جانا	۸۵
حضرت ابوطلحہ ؓ کا باغ وقف کرنا	۸۷
حضرت ابوذر ؓ کا اپنے خادم کو تنبیہ فرمانا	۸۷
حضرت جعفر ؓ اور ان کے صاحب زادے عبداللہ ؓ کی فیاضی	۸۹
ساتواں باب	۹۱
بہادری دلیری اور موت کا شوق	۹۱
ابن جحش ؓ اور ابن سعد ؓ کی دُعا	۹۱
اُحد کی لڑائی میں حضرت علی ؓ کی بہادری	۹۲
حضرت حنظلہ ؓ کی شہادت	۹۳
حضرت عمرو بن جموح ؓ کی تمنائے شہادت	۹۳

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت مصعب بن عمیر ؓ کی شہادت	۹۴
یرموک کی لڑائی میں حضرت سعد ؓ کا خط	۹۵
حضرت وہب بن قابوس ؓ کی اُحد میں شہادت	۹۶
بیر معونہ کی لڑائی	۹۷
حضرت عمیر ؓ کا قول کہ کھجوریں کھانا طویل زندگی ہے	۹۸
حضرت عمر ؓ کی ہجرت	۹۹
غزوۂ موتہ کا قصہ	۹۹
سعید بن جبیرؒ اور حجاج کی گفتگو	۱۰۱
آٹھواں باب	۱۰۴
علمی ولولہ اور اس کا انتہاک	۱۰۴
فتویٰ کا کام کرنے والی جماعت کی فہرست	۱۰۵
حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا مجموعۂ احادیث کو جلا دینا	۱۰۶
تبلیغ حضرت مصعب بن عمیر ؓ	۱۰۶
حضرت ابی بن کعب ؓ کی تعلیم	۱۰۷
حضرت حذیفہ ؓ کا فتنوں کے معلوم کرنے کا اہتمام	۱۰۸
حضرت ابوہریرہ ؓ کا احادیث کو حفظ کرنا	۱۰۹
قتل مُسَیلمہ و قرآن کا جمع کرنا	۱۱۱
حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی احتیاط روایت حدیث میں	۱۱۲
حضرت ابودرداء ؓ کے پاس حدیث کے لیے جانا	۱۱۳
حضرت ابن عباس ؓ کا انصاری کے پاس جانا	۱۱۵
علم کی عظمت اور اس کے آداب	۱۱۵
متفرق علمی کارنامے	۱۱۶

مضامین	صفحہ نمبر
نواں باب	۱۲۱
حضور ﷺ کی فرمانبرداری اور امتثالِ حکم	۱۲۱
حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کا چادر کو جلا دینا	۱۲۲
انصاری ؓ کا مکان کو ڈھا دینا	۱۲۲
صحابۂ کرام ؓ کا سُرخ چادروں کو اتارنا	۱۲۳
حضرت وائل ؓ کا ذباب کے لفظ سے بال کٹوا دینا	۱۲۴
حضرت سہیل بن حنظلیہ ؓ کی عادت اور خریم ؓ کا بال کٹوا دینا	۱۲۴
حضرت ابن عمر ؓ کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا	۱۲۵
حضرت ابن عمر ؓ سے سوال کہ نمازِ قصر قرآن میں نہیں	۱۲۶
حضرت ابن مغفل ؓ کا خَذف کی وجہ سے کلام چھوڑ دینا	۱۲۶
حضرت حکیم بن حزام ؓ کا سوال سے عہد	۱۲۷
حضرت حذیفہ ؓ کا جاسوسی کے لیے جانا	۱۲۷
دسواں باب	۱۲۹
عورتوں کا دینی جذبہ	۱۲۹
تسبیحات حضرت فاطمہ ؓ	۱۲۹
حضرت عائشہ ؓ کا صدقہ	۱۳۰
حضرت ابن زبیر ؓ کا حضرت عائشہ ؓ کو صدقہ سے روکنا	۱۳۱
حضرت عائشہ ؓ کی حالت اللہ کے خوف سے	۱۳۲
حضرت اُمِ سلمہ ؓ کے خاوند کی دُعا اور ہجرت	۱۳۲
حضرت اُمِ زیاد ؓ کی چند عورتوں کے ساتھ خیبر میں شرکت	۱۳۴

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت اُمِّ حرام ؓ کی غزوۃ البحر میں شرکت کی تمنا	۱۳۵
حضرت اُمِّ سلیم ؓ کی لڑکے کے مرنے پر خاوند سے ہم بستری	۱۳۶
حضرت اُمِّ حبیبہ ؓ کا اپنے باپ کو بستر پر نہ بٹھانا	۱۳۶
حضرت زینب ؓ کا اِفک کے معاملہ میں صفائی پیش کرنا	۱۳۷
حضرت خنسا ؓ کی اپنے چار بیٹوں سمیت جنگ میں شرکت	۱۳۹
حضرت صفیہ ؓ کا یہودی کو تنہا مارنا	۱۴۰
حضرت اسماء ؓ کا عورتوں کے اجر کے بارے میں سوال	۱۴۱
حضرت اُمِّ عمارہ ؓ کا اسلام اور جنگ میں شرکت	۱۴۲
حضرت اُمِّ حکیم ؓ کا اسلام اور جنگ میں شرکت	۱۴۴
حضرت سمیہ اُمِّ عمار ؓ کی شہادت	۱۴۵
حضرت اسماء بنت ابوبکر ؓ کی زندگی اور تنگی	۱۴۵
حضرت ابوبکر ؓ کا ہجرت کے وقت مال لے جانا اور حضرت اسماء ؓ کا اپنے دادا کو اطمینان دلانا	۱۴۷
حضرت اسماء ؓ کی سخاوت	۱۴۷
حضور ﷺ کی بیٹی حضرت زینب ؓ کی ہجرت اور انتقال	۱۴۸
حضرت ربیع بنت معوذ ؓ کی غیرتِ دینی	۱۴۹
معلومات	۱۵۰
حضور ﷺ کی بیبیاں اور اولاد	۱۵۰
حضرت خدیجہ ؓ کے حالات	۱۵۰
حضرت سَوْدَہ ؓ کے حالات	۱۵۱
حضرت عائشہ ؓ کے حالات	۱۵۱

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت حَفْصَہ ؓ کے حالات	۱۵۳
حضرت زینب بنت خُزَیْمَہ ؓ کے حالات	۱۵۴
حضرت اُمِّ سلمہ ؓ کے حالات	۱۵۴
حضرت زینب بنت جَحْش ؓ کے حالات	۱۵۵
حضرت جُوَیْرِیَہ ؓ کے حالات	۱۵۶
حضرت اُمِّ حبیبہ ؓ کے حالات	۱۵۷
حضرت صَفِیَّہ ؓ کے حالات	۱۵۸
حضرت میمونہ ؓ کے حالات	۱۵۸
معلومات	۱۵۹
حضور ﷺ کی اولاد	۱۵۹
حضرت قاسم ؓ	۱۶۰
حضرت عبداللہ ؓ	۱۶۰
حضرت ابراہیم ؓ	۱۶۰
حضرت زینب ؓ	۱۶۰
حضرت رُقَیَّہ ؓ	۱۶۱
حضرت ام کلثوم ؓ	۱۶۲
حضرت فاطمہ ؓ	۱۶۳
گیارھواں باب	۱۶۴
بچوں کا دینی جذبہ	۱۶۴
بچوں کو روزہ رکھوانا	۱۶۵
حضرت عائشہ ؓ کی احادیث اور ان کا علمی ذوق	۱۶۵
حضرت عُمیر ؓ کا شوقِ جہاد	۱۶۶
حضرت عُمَیْر ؓ کا جنگِ بدر میں چھپ کر شریک ہونے کی کوشش	۱۶۶
دو انصاری بچوں کا ابوجہل کو قتل کرنا	۱۶۷

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت رافع ﷺ اور حضرت سَمُرہ بن جُندُب ﷺ کا مقابلہ	۱۶۸
حضرت زید ﷺ کا حافظِ قرآن ہونے کی وجہ سے اعزاز	۱۶۹
حضرت ابوسعید خدری ﷺ کے بچپن میں ان کے والد کی شہادت	۱۷۰
حضرت سَلَمَۃ بن اَکوع ﷺ کا تنِ تنہا ایک جماعت سے مقابلہ	۱۷۰
بدر کا مقابلہ اور براء ﷺ کا شوق	۱۷۲
حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی ﷺ کا اپنے باپ سے معاملہ	۱۷۲
حضرت جابر ﷺ کی حَمراء الاَسَد میں شرکت	۱۷۴
روم کی لڑائی میں حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ کی بہادری	۱۷۴
حضرت عمرو بن سلمہ ﷺ کا کفر کی حالت میں قرآن پاک یاد کرنا	۱۷۵
حضرت ابن عباس ﷺ کا اپنے غلام کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا	۱۷۶
حضرت ابن عباس ﷺ کا بچپن میں حفظِ قرآن	۱۷۶
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ کا حفظِ حدیث	۱۷۷
حضرت زید بن ثابت ﷺ کا حفظِ قرآن	۱۷۸
حضرت حسن ﷺ کا بچپن میں علمی مشغلہ	۱۷۹
حضرت حسین ﷺ کا علمی مشغلہ	۱۸۰
بارھواں باب	۱۸۱
حضور اکرم ﷺ کے ساتھ محبت کے واقعات میں	۱۸۱
حضرت ابوبکر ﷺ کا اعلانِ اسلام اور تکلیف	۱۸۲
حضرت عمر ﷺ کا حضور ﷺ کے وِصال پر رنج	۱۸۴

مضامین	صفحہ نمبر
ایک عورت کا حضور ﷺ کی خبر کے لیے بے قرار ہونا	۱۸۵
حدیبیہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور مغیرہ ﷺ کا فعل اور عام صحابہ ﷺ کا طرزِ عمل	۱۸۵
حضرت ابن زبیر ﷺ کا خون پینا	۱۸۸
حضرت مالک بن سِنان ﷺ کا خون پینا	۱۸۹
حضرت زید بن حارثہ ﷺ کا اپنے باپ کو انکار	۱۸۹
حضرت انس بن نضر ﷺ کا عمل اُحد کی لڑائی میں	۱۹۱
سَعد بن رَبیع ﷺ کا پیام اُحد میں	۱۹۱
حضور ﷺ کی قبر دیکھ کر ایک عورت کی موت	۱۹۲
صحابہ ﷺ کی محبت کے متفرق قصے	۱۹۲
تنبیہ	۱۹۶
خاتمہ	۱۹۶
صحابۂ کرام ﷺ کے حقوق اور ان کے مختصر فضائل	۱۹۶
۲-فضائل نماز	۲۰۱
خطبہ وتمہید	۲۰۲
بابِ اول	۲۰۳
نماز کی اہمیت کے بیان میں	۲۰۳
فصلِ اول	۲۰۳
نماز کی فضیلت کے بیان میں	۲۰۳
گناہوں کے لیے نماز ایسی ہے جیسے درختوں کے پتوں کے لیے موسمِ خزاں	۲۰۴
کبیرہ گناہوں کے لیے توبہ کی ضرورت	۲۰۴
مسواک کی فضیلت	۲۰۶
گناہوں کے دھونے میں نماز ایک چلتی ہوئی نہر کی طرح ہے	۲۰۷

مضامین	صفحہ نمبر
ہر مصیبت میں نماز کا سہارا	۲۰۸
صلوٰۃ الحاجۃ	۲۱۰
مصیبت و پریشانی کے وقت نماز	۲۱۰
نمازی کے ہر ہر حصہ جسم کے گناہوں کی معافی	۲۱۱
نمازی کا شہید سے پہلے جنت میں داخلہ	۲۱۳
خدا کے منادی کا اعلان کہ نماز کے ذریعہ اپنی آگ بجھالو	۲۱۵
نمازی کے جنت میں داخلے کی ضمانت	۲۱۶
نمازی کی دو رکعتیں ہزار ہا روپے سے زیادہ قیمتی ہیں	۲۱۷
حضور ﷺ کی آخری وصیت	۲۱۸
نمازِ اشراق کی فضیلت	۲۱۸
نماز کی تاکید وفضیلت پر مختصر چہل حدیث	۲۱۸
دوسری فصل	۲۲۳
نماز کے چھوڑنے پر جو وعید اور عتاب حدیثوں میں آیا ہے اس کا بیان	۲۲۳
آدمی کے اور کفر کے درمیان صرف نماز حائل ہے	۲۲۳
محبوب ﷺ کی سات نصیحتیں	۲۲۴
اولاد کی تربیت اور نماز کی تاکید	۲۲۶
ایک نماز کا چھوڑنا گویا اپنا سب مال و دولت لٹ جانا ہے	۲۲۶
بغیر کسی شرعی مجبوری کے دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنا کبیرہ گناہ ہے	۲۲۷
بغیر حساب کتاب کے جنت میں جانے والے	۲۲۸
اشراق کی نماز	۲۳۵
تحیۃ الوضو	۲۳۶
بابِ دوم	۲۴۰
جماعت کے بیان میں	۲۴۰

مضامین	صفحہ نمبر
فصلِ اول	۲۴۰
جماعت کے فضائل میں	۲۴۰
اجر میں ستائیس گنا اضافہ	۲۴۰
اجر میں پچیس گنا اضافہ	۲۴۲
دوسری فصل	۲۵۰
جماعت کے چھوڑنے پر عتاب کے بیان میں	۲۵۰
اذان سن کر نماز کو نہ جانے پر وعید	۲۵۱
نوافل کے مقابلہ میں فرائض کی اہمیت	۲۵۳
تیسرا باب	۲۵۵
خشوع وخضوع کے بیان میں	۲۵۵
حکایات	۲۶۰
بعض لوگوں کو نماز کا کچھ ہی حصہ حاصل ہوتا ہے	۲۶۶
کامل نماز گناہوں سے پاک صاف کر دیتی ہے	۲۶۷
فرائض کی کمی نوافل سے پوری کر دی جائے گی	۲۶۹
قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا	۲۷۰
نماز کی چوری	۲۷۱
نماز میں ہلنے جلنے کی ممانعت	۲۷۲
جو نماز آدمی کو غلط حرکتوں سے نہ روک دے وہ نماز ہی کیا	۲۷۴
لمبی رکعتوں کی فضیلت	۲۷۵
نماز میں بارہ ہزار چیزیں ہیں	۲۷۸
ثنا کا ترجمہ ومطلب	۲۸۰
بزرگوں کے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے واقعات	۲۸۱
آخری گذارش	۲۸۵
ایک ضروری بات	۲۸۶

مضامین	صفحہ نمبر
۳- فضائلِ تبلیغ	**۲۸۷**
تمہید	۲۸۸
فصلِ اول	۲۹۰
آیاتِ قرآنی، در تاکیدِ امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۲۹۰
فصلِ ثانی	۲۹۱
احادیثِ نبوی در تاکیدِ امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۲۹۱
فصلِ سوم	۳۰۵
تنبیہ برائے اصلاحِ نفس	۳۰۵
فصلِ چہارم	۳۰۷
فضائلِ اکرامِ مسلم ووعیدِ تحقیرِ مسلم	۳۰۷
فصلِ پنجم	۳۰۸
اخلاص اور ایمان واحتساب	۳۰۸
فصلِ ششم	۳۱۱
تعظیمِ علمائے کرام وبزرگانِ دین	۳۱۱
فصلِ ہفتم	۳۱۴
اہلِ حق کی پہچان اوران کی مجالست کی اہمیت	۳۱۴
۴- فضائلِ ذکر	**۳۱۹**
خطبہ وتمہید	۳۲۰
بابِ اول	۳۲۲
فضائلِ ذکر	۳۲۲
فصلِ اول	۳۲۲
آیاتِ ذکر میں	۳۲۲
فصلِ ثانی	۳۳۱
احادیثِ ذکر میں	۳۳۱
نرم بستروں والے ذاکر جنت میں	۳۳۸

مضامین	صفحہ نمبر
ذکر نہ کرنے والا مردے کی طرح ہے	۳۳۹
اللہ کے بہترین بندے	۳۴۰
ذکر صدقہ خیرات سے افضل ہے	۳۴۰
ذاکرین پر فرشتوں کا سایہ	۳۴۱
مجلس کا کفّارہ	۳۴۵
ذکر اللہ اور عذابِ قبر	۳۴۹
یادِ الٰہی کی خاطر جمع ہونے والے	۳۵۱
ذکر کی مجلسیں	۳۵۳
ذکر کی کثرت	۳۵۵
فجر اور عصر کے بعد اللہ کا ذکر	۳۶۳
ذکر کے ۳۷ رفائدے	۳۶۷
بابِ دوم	۳۷۵
کلمۂ طیبہ	۳۷۵
فصلِ اول	۳۷۵
ان آیات میں جن میں لفظ کلمۂ طیبہ کا نہیں ہے اور مراد کلمہ طیبہ ہے	۳۷۵
تکمیل	۳۸۳
فصلِ دوم	۳۸۳
وہ آیات جن میں کلمہ طیبہ کا ذکر ہے	۳۸۳
فصلِ سوم	۳۸۷
فضائلِ ذکر کی احادیث	۳۸۷
وضو کے بعد کی دعا	۴۲۵
وفات کے وقت کلمۂ طیبہ	۴۲۶
افیون کے نقصانات اور مسواک کے فائدے	۴۲۷
ایمان کی ستّر شاخیں	۴۲۸

مضامین	صفحہ نمبر
بابِ سوم	۴۳۳
تسبیحاتِ فاطمہ ؓ	۴۳۳
فصلِ اول	۴۳۳
وہ آیات جن میں کلمۂ سوم کا مضمون ہے	۴۳۳
فصلِ دوم	۴۵۲
کلمۂ سوم کی فضیلت کی احادیث	۴۵۲
تسبیحِ مروجہ کا ثبوت	۴۸۱
خاتمہ	۴۸۶
صلوٰۃ التسبیح	۴۸۶
حدیثِ صلوٰۃ التسبیح کی سند پر محدثانہ بحث (عربی زبان میں)	۴۸۷
۵- فضائلِ قرآن مجید	۴۹۳
آدابِ تلاوت	۴۹۹
ظاہری آداب	۴۹۹
باطنی آداب	۴۹۹
قابلِ رشک چیز	۵۰۴
قوموں کے عروج وزوال میں قرآن مجید کا اثر	۵۰۶
قرآن مجید کی سفارش	۵۰۷
پڑھتے جاؤ چڑھتے جاؤ	۵۱۰
ترتیل سے تلاوت کرنا	۵۱۱
ہر حرف پر دس دس نیکیاں	۵۱۳
اولاد کو قرآن مجید پڑھانے کی فضیلت	۵۱۴
حافظِ قرآن کی ایک خاص فضیلت	۵۱۶
حافظِ قرآن کو اپنے خاندان کے دس پکے جہنمیوں کی سفارش کا حق ہونا	۵۱۷

مضامین	صفحہ نمبر
جو دل قرآن سے خالی ہے گویا ویران گھر ہے	۵۱۸
ذکر وتسبیح وغیرہ کے مقابلہ میں تلاوتِ کلام اللہ کی فضیلت	۵۱۹
بہترین دولت	۵۱۹
دیکھ کر تلاوت کرنے کی فضیلت	۵۲۰
دلوں کے زنگ کی صفائی تلاوتِ کلام اللہ سے	۵۲۱
خدا کے قریب ہونے کا بہترین ذریعہ قرآن مجید ہے	۵۲۷
تلاوتِ قرآن کرنیوالے اللہ کے خاص لوگ ہیں	۵۲۹
اچھی آواز میں تلاوت	۵۳۰
اللہ تعالیٰ کا کان لگا کر تلاوت سننا	۵۳۰
گذشتہ تمام کتابوں کا بدل قرآن مجید ہے کچھ زیادتیوں کے ساتھ	۵۳۴
قرآن مجید سننے اور پڑھنے کی الگ الگ فضیلت	۵۳۶
تلاوت بلند آواز سے اور آہستہ	۵۳۶
قیامت کے دن روزے اور قرآن کی سفارش	۵۳۸
ہر سفارشی سے بڑا سفارشی قرآن مجید ہے	۵۴۰
وہ تین خوش نصیب جو حساب کتاب سے آزاد ہوں گے	۵۴۱
آیتیں اور رکعتیں	۵۴۲
کم سے کم دس آیت پڑھنے کا اجر	۵۴۲
کم از کم ایک ہی آیت پڑھ لینے کا اجر وثواب	۵۴۳
تمام فتنوں سے نجات قرآن میں ہے	۵۴۳
خاتمہ	۵۴۴
تکملہ	۵۶۵
۶- فضائلِ رمضان	۵۶۸
فصلِ اول	۵۷۱
رمضان المبارک کے فضائل میں	۵۷۱

مضامین	صفحہ نمبر
عباداتِ نافلہ	۵۷۳
رمضان میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا معمول	۵۷۴
حضرت شیخ الہندؒ کا معمول	۵۷۴
آسمانی کتابیں رمضان المبارک میں نازل ہوئیں	۵۷۵
اس مہینہ کی چند خصوصیات	۵۷۶
اس مہینے کے تین حصے اور ان کی تفصیل	۵۷۸
ملازموں کے ساتھ نرمی	۵۷۸
امت کے لیے پانچ تحفے	۵۸۰
منہ کی بو کا مطلب	۵۸۰
روزے میں مسواک	۵۸۱
مچھلیوں کا استغفار	۵۸۲
جنت کا سجایا جانا	۵۸۲
شیاطین کا قید ہونا	۵۸۲
روزہ داروں کی مغفرت	۵۸۴
حضور ﷺ کی بددُعا	۵۸۴
فصلِ دوم	۶۰۱
شبِ قدر کے بیان میں	۶۰۱
فصلِ سوم	۶۱۶
اعتکاف کے بیان میں	۶۱۶
تنبیہ	۶۲۹
مناجات	۶۳۰
۷۔ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج	۶۳۱
کام کرنے کا طریقہ	۶۵۱
تبلیغ کے آداب	۶۵۱
۸۔ فضائلِ درود شریف	۶۵۶

مضامین	صفحہ نمبر
خطبہ وتمہید	۶۵۷
فصلِ اول	۶۵۸
درود شریف کے فضائل میں	۶۵۸
بابِ ثانی	۶۸۱
درود شریف کے ثواب میں	۶۸۱
دوسری فصل	۶۸۳
خاص خاص درود کے خاص خاص فضائل کے بیان میں	۶۸۳
خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کرنے کے اعمال	۷۰۰
صیغہ قرآنی	۷۰۵
چہل حدیث مشتمل بر صلوٰۃ وسلام (باضافہ ترجمہ) صیغ صلوٰۃ	۷۰۶
صیغ السلام	۷۱۲
تکملہ	۷۱۵
کن کن موقعوں پر درود شریف پڑھنا چاہیے	۷۱۵
تیسری فصل	۷۱۷
ان احادیث کے بیان میں جن میں نبی ﷺ پر درود نہ پڑھنے کی وعیدیں وارد ہوئی ہیں	۷۱۷
چوتھی فصل	۷۲۵
فوائدِ متفرقہ کے بیان میں	۷۲۵
پانچویں فصل	۷۳۵
درود شریف کے متعلق حکایات میں	۷۳۵
مردے کو خواب میں دیکھنے کا عمل	۷۴۶
من القصیدۃ	۷۶۰
ملا جامیؒ کا ایک عجیب وغریب قصہ	۷۶۲
مثنوی مولانا جامیؒ	۷۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ [سورۂ یوسف:۱۱۱]

بے شک ان کے قصے میں (بڑی) عبرت ہے سمجھ داروں کے لیے۔

۱

حکایاتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

یعنی

سچّی کہانیاں

جس میں

حضرت مولانا الحافظ الحاج الشاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ارشاد سے

فخر الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا الحاج الحافظ المحدث محمد زکریا صاحبؒ

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور نے

صحابی مردوں، صحابی عورتوں، صحابی بچوں کے زُہد وتقویٰ، فقر وعبادت علمی مشاغل، ایثار وہمدردی، بے مثل جرأت وبہادری، حیرت انگیز جاں بازی وغیرہ کے ایمان افروز حالات بیان کیے ہیں۔

تمہید

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَتْبَاعِہِ الْحُمَاۃِ لِلدِّیْنِ الْقَوِیْمِ اَمَّا بَعْدُ

اللہ کے ایک برگزیدہ بندے اور میرے مُربّی ومُحسن کا ارشاد ۱۳۵۳ھ میں ہوا کہ صحابۂ کرام ؓ کے چند قصے بالخصوص کم سن صحابہ ؓ اور عورتوں کی دین داری کی کچھ حالت اُردو میں لکھی جائے، تاکہ جو لوگ قصوں کے شوقین ہیں، وہ واہی تباہی جھوٹی حکایات کے بجائے اگر ان کو دیکھیں، تو ان کے لیے دینی ترقی کا سبب ہو اور گھر کی عورتیں اگر راتوں میں بچوں کو جھوٹی کہانیوں کے بجائے، ان کو سنائیں تو بچوں کے دل میں صحابہ ؓ کی محبت اور عظمت کے ساتھ دینی امور کی طرف رغبت پیدا ہو، میرے لیے اس ارشاد کی تعمیل بہت ہی ضروری تھی کہ احسانات میں ڈوبے ہوئے ہونے کے علاوہ اللہ والوں کی خوشنودی دو جہاں میں فلاح کا سبب ہوتی ہے، مگر اس کے باجود اپنی کم مائیگی سے یہ امید نہ ہوئی کہ میں اس خدمت کو مرضی کے موافق ادا کرسکتا ہوں، اس لیے چار برس تک بار بار اس ارشاد کو سنتا رہا اور اپنی نااہلیت سے شرمندہ ہوتا رہا کہ صفر ۱۳۵۷ھ میں ایک مرض کی وجہ سے چند روز کے لیے دماغی کام سے روک دیا گیا، تو مجھے خیال ہوا کہ ان خالی ایام کو اس بابرکت مشغلہ میں گذار دوں کہ اگر یہ اوراق پسندِ خاطر نہ ہوئے تب بھی میرے یہ خالی اوقات تو بہترین اور بابرکت مشغلہ میں گذر ہی جائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کے قصے اُن کے حالات یقیناً اس قابل ہیں کہ ان کی تحقیق اور تفتیش کی جائے اور ان سے سبق حاصل کیا جائے، بالخصوص صحابۂ کرام ؓ اجمعین کی جماعت جس کو اللہ جل شانہٗ نے اپنے لاڈلے نبی اور پیارے رسول ﷺ کی مُصاحبت کے لیے چُنا، اس کی مستحق ہے کہ اس کا اِتباع کیا جائے، اس کے علاوہ اللہ والوں کے ذکر سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، صُوفیا کے سردار حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ حکایتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، جس سے مریدین کے دِلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے، کسی نے دریافت کیا کہ اس کی کوئی دلیل بھی ہے فرمایا: ہاں! اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے ﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [سورۂ ھود: ۱۲۰] ترجمہ ''اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں، جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں

(ایک فائدہ تو یہ ہوا) اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہونچتا ہے، جو خود بھی راست اور واقعی ہے اور مسلمانوں کے لیے نصیحت ہے (اور اچھے کام کرنے کی) یاددہانی ہے"۔ [بیان القرآن] ایک ضروری بات یہ بھی دل میں جما لینے کی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیثیں ہوں یا بزرگوں کے حالات، اسی طرح مسائل کی کتابیں ہوں یا معتبر لوگوں کے وعظ وارشادات، یہ ایسی چیزیں نہیں ہوتیں کہ ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد ہمیشہ کو ختم کر دیا جائے، بلکہ اپنی حالت اور استعداد کے موافق بار بار دیکھتے رہنا چاہیے۔

اَبوسُلیمان دارانیؒ ایک بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک واعظ کی مجلس میں حاضر ہوا، ان کے وعظ نے میرے دل پر اثر کیا، مگر جب وعظ ختم ہوا، تو وہ اثر بھی ختم ہوگیا، میں دوبارہ ان کی مجلس میں حاضر ہوا، تو اس وعظ کا اثر فارغ ہونے کے بعد گھر کے راستہ میں بھی رہا۔ تیسری مرتبہ پھر حاضر ہوا، تو اس کا اثر گھر میں پہونچنے پر بھی رہا، میں نے گھر جا کر اللہ کی نافرمانی کے جو اسباب تھے، سب توڑ دیے اور اللہ کا راستہ اختیار کر لیا، اسی طرح دینی کتابوں کا بھی حال ہے کہ محض سرسری طور پر ایک مرتبہ اُن کے پڑھ لینے سے اثر کم ہوتا ہے اس لیے کبھی کبھی پڑھتے رہنا چاہیے، پڑھنے والوں کی سہولت اور مضامین کے دل نشیں ہونے کے خیال سے میں نے اس رسالہ کو بارہ بابوں اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے:

پہلا باب	:	دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف ومشقت کا جھیلنا۔
دوسرا باب	:	اللہ جَلَّ جلالہٗ وعَمَّ نوالہٗ کا خوف اور ڈر۔
تیسرا باب	:	صحابۂ کرام ؓ کے زُہد اور فقر کے بیان میں۔
چوتھا باب	:	صحابۂ کرام ؓ کے تقویٰ کے بیان میں۔
پانچواں باب	:	نماز کا شَغف اور شوق اور اس میں خُشوع وخُضوع۔
چھٹا باب	:	ایثار وہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔
ساتواں باب	:	بہادری، دلیری اور موت کا شوق۔
آٹھواں باب	:	علمی وَلَوْلہ اور اس کا اِنہماک۔
نواں باب	:	حضور ﷺ کی فرماں برداری اور اِمتثالِ حکم اور یہ دیکھنا کہ حضور ﷺ کا مَنشا کیا ہے۔
دسواں باب	:	عورتوں کا دینی جذبہ۔
گیارہواں باب	:	بچوں کا دینی جذبہ۔
بارہواں باب	:	حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کا نمونہ۔
خاتمہ	:	صحابہ ؓ کے حقوق اور اُن کے مختصر فضائل۔

پہلا باب

دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف و مشقّت کا جھیلنا

حضور اقدس ﷺ اور صحابۂ کرام ﷺ نے دین کے پھیلانے میں جس قدر تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں؛ ان کا برداشت کرنا تو دَرکِنار[1]، اُس کا ارادہ کرنا بھی ہم جیسے نالائقوں سے دشوار ہے۔ تاریخ کی کتابیں اِن واقعات سے بھری ہوئی ہیں، مگر اُن پر عمل کرنا تو علیحدہ رہا، ہم اُن کو معلوم کرنے کی بھی تکلیف نہیں کرتے۔ اِس باب میں چند قصوں کو نمونہ[2] کے طور پر ذکر کرنا ہے، اُن میں سب سے پہلے خود حضور اکرم ﷺ کے ایک قِصّہ سے ابتدا کرتا ہوں کہ حضور ﷺ کا ذکر برکت کا ذریعہ ہے۔

① حضور اکرم ﷺ کے طائف کے سفر کا قصہ

نُبوّت مل جانے کے بعد ۹ برس تک نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں تبلیغ فرماتے رہے اور قوم کی ہدایت اور اصلاح کی کوشش فرماتے رہے؛ لیکن تھوڑی سی جماعت کے سوا، جو مسلمان ہوگئی تھی اور تھوڑے سے ایسے لوگوں کے علاوہ جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے آپ کی مدد کرتے تھے؛ اکثر کفارِ مکہ آپ کو اور آپ کے صحابہ ﷺ کو ہر طرح کی تکلیفیں پہونچاتے تھے، مذاق اڑاتے تھے اور جو ہوسکتا تھا اس سے درگذر[3] نہ کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے چچا ابوطالب بھی اُن ہی نیک دل لوگوں میں تھے، جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے حضور ﷺ کی ہر قسم کی مدد فرماتے تھے۔ دسویں سال میں جب ابوطالب کا بھی انتقال ہوگیا، تو کافروں کو اور بھی ہر طرح کھلے مُہار[4] اسلام سے روکنے اور مسلمانوں کو تکلیف پہونچانے کا موقع ملا۔ حضور اقدس ﷺ اس خیال سے طائف تشریف لے گئے کہ وہاں قبیلۂ ثَقیف[5] کی بڑی جماعت ہے، اگر وہ قبیلہ مسلمان ہو جائے، تو مسلمانوں کو ان تکلیفوں سے نجات ملے اور دین کے پھیلنے کی بنیاد پڑ جائے۔ وہاں پہونچ کر قبیلہ کے تین[6] سرداروں سے جو بڑے درجے کے سمجھے جاتے تھے، گفتگو[7] فرمائی اور اللہ کے دین کی طرف بلایا اور اللہ کے رسول کی یعنی اپنی مدد کی طرف متوجہ کیا؛ مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ دین کی بات کو قبول کرتے یا کم سے کم عرب کی مشہور مہمان نوازی[8] کے لحاظ سے ایک نَوْوارِد مہمان کی خاطر مُدارات[9] کرتے، صاف جواب دے دیا اور نہایت بے رُخی[10] اور بداخلاقی سے پیش آئے، اُن لوگوں نے یہ بھی گوارہ[11] نہ کیا کہ آپ یہاں قیام[12] فرمالیں۔ جن لوگوں کو سردار سمجھ کر بات کی تھی کہ وہ شریف ہوں گے اور مُہذّب[13] گفتگو کریں گے، ان میں سے ایک شخص بولا کہ اوہو! آپ ہی کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ دوسرا بولا: اللہ کو

حل لغات: ① الگ رہا۔ ② مثال۔ ③ رکتے نہ تھے۔ ④ آزادی سے۔ ⑤ خاندان۔ ⑥ بات چیت۔ ⑦ اجنبی۔ ⑧ مہمان نوازی۔ ⑨ بے توجہی۔ ⑩ برداشت۔ ⑪ ٹھہر جائیں۔ ⑫ اچھی۔

تمہارے سوا کوئی اور ملتا ہی نہیں تھا، جس کو رسول بنا کر بھیجتے۔ تیسرے نے کہا: میں تجھ سے بات کرنا نہیں چاہتا اِس لیے کہ اگر تُو واقعی نبی ہے جیسا کہ دعویٰ ہے، تو تیری بات سے انکار کر دینا مصیبت سے خالی نہیں اور اگر جھوٹ ہے، تو مَیں ایسے شخص سے بات کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد ان لوگوں سے نا اُمید ہو کر حضور اکرم ﷺ نے اور لوگوں سے بات کرنے کا ارادہ فرمایا کہ آپ تو ہمت و اِستقلال[1] کے پہاڑ تھے؛ مگر کسی نے بھی قبول نہیں کیا، بلکہ بجائے قبول کرنے کے حضور ﷺ سے کہا کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ اور جہاں تمہاری چاہت کی جگہ ہو وہاں چلے جاؤ۔ حضور اکرم ﷺ جب اُن سے بالکل مایوس[2] ہو کر واپس ہونے لگے، تو ان لوگوں نے شہر کے لڑکوں کو پیچھے لگا دیا کہ آپ کا مذاق اڑائیں، تالیاں پیٹیں، پتھر ماریں حتّٰی کہ آپ ﷺ کے دونوں جوتے خون کے جاری ہونے سے رنگین ہو گئے، حضور اقدس ﷺ اسی حالت میں واپس ہوئے، جب راستہ میں ایک جگہ ان شریروں سے اطمینان ہوا، تو حضور ﷺ نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ، وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ، وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ، وَأَنْتَ رَبِّيْ إِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ إِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ أَمْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ أَمْرِيْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِيْ وَلٰكِنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ أَنْ يَّنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ. [كذا في سيرة ابن هشام قلت: واختلفت الروايات في ألفاظ الدعاء كما في قرة العيون].	اے اللہ! تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بے کسی کی اور لوگوں میں ذلت و رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی ضُعَفاء[3] کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے، تو مجھے کس کے حوالہ[4] کرتا ہے، کسی اجنبی بے گانہ[5] کے، جو مجھے دیکھ کر تُرش رُو[6] ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے، تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے، تیری حفاظت مجھے کافی ہے، میں تیرے چہرہ کے اُس نور کے طُفیل[7] جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو، یا تو مجھ سے ناراض ہو، تیری ناراضگی کا اُس وقت تک دور کرنا ضروری ہے، جب تک تو راضی نہ ہو، نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔

مالکُ المُلک کی شانِ قہّاری کو اس پر جوش آنا ہی تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر سلام کیا اور عرض

حل لغات: (۱) مضبوطی۔ (۲) ناامید۔ (۳) کمزوروں۔ (۴) سپرد۔ (۵) غیر۔ (۶) ناخوش۔ (۷) ذریعہ۔ (۸) اللہ کے غضب اور غصہ کی شان۔

کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی وہ گفتگو جو آپ سے ہوئی سنی اور اُن کے جوابات سنے، اور ایک فرشتہ کو، جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے، آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں اُس کو حکم دیں۔ اُس کے بعد اُس فرشتہ نے سلام کیا اور عرض کیا کہ جو ارشاد ہو، میں اس کی تعمیل[1] کروں، اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملادوں، جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں یا اور جو سزا آپ تجویز[2] فرمائیں۔ حضور ﷺ کی رحیم و کریم ذات نے جواب دیا کہ میں اللہ سے اس کی امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے، تو اُن کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں، جو اللہ کی پرستش[3] کریں اور اُس کی عبادت کریں۔

فائدہ: یہ ہیں اخلاق اُس کریم ذات کے جس کے ہم لوگ نام[4] لیوا ہیں کہ ہم ذرا سی تکلیف سے، کسی کی معمولی سی گالی دے دینے سے ایسے بھڑک جاتے ہیں کہ پھر عمر بھر اُس کا بدلہ نہیں اترتا، ظلم پر ظلم اُس پر کرتے رہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں اپنے محمدی[5] ہونے کا، نبی کے پیرو[6] بننے کا، نبی کریم ﷺ اتنی سخت تکلیف اور مشقت اُٹھانے کے باوجود نہ بددُعا فرماتے ہیں، نہ کوئی بدلہ لیتے ہیں۔

② قصّہ حضرت اَنَس بن نَضر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا

حضرت اَنَس بن نَضر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، جو بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اُن کو اِس چیز کا صدمہ[7] تھا، اِس پر اپنے نفس کو ملامت[8] کرتے تھے کہ اسلام کی پہلی عظیم الشان[9] لڑائی اور تُو اُس میں شریک نہ ہو سکا اِس کی تمنا تھی کہ کوئی دوسری لڑائی ہو تو حوصلے پورے کروں، اتفاق سے اُحد کی لڑائی پیش آگئی، جس میں یہ بڑی بہادری اور دلیری سے شریک ہوئے، اُحد کی لڑائی میں اوّل[9] اوّل تو مسلمانوں کو فتح ہوئی؛ مگر آخر میں ایک غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست[10] ہوئی، وہ غلطی یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ نے کچھ آدمیوں کو ایک خاص جگہ مقرر فرمایا تھا کہ تم لوگ اتنے مَیں نہ کہوں اُس جگہ سے نہ ہٹنا کہ وہاں سے دشمن کے حملہ کرنے کا اندیشہ[11] تھا۔ جب مسلمانوں کو شروع میں فتح ہوئی، تو کافروں کو بھاگتا ہوا دیکھ کر یہ لوگ بھی اپنی جگہ سے یہ سمجھ کر ہٹ گئے کہ اب جنگ ختم ہو چکی، اِس لیے بھاگتے ہوئے کافروں کا پیچھا کیا جائے؛ اور غنیمت[12] کا مال حاصل کیا جائے، اُس جماعت کے سردار نے منع بھی کیا کہ حضور ﷺ کی ممانعت تھی تم یہاں سے نہ ہٹو، مگر اُن لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ حضور ﷺ کا ارشاد صرف لڑائی کے وقت کے واسطے تھا، وہاں سے ہٹ کر میدان میں پہونچ گئے، بھاگتے ہوئے کافروں نے اُس جگہ کو خالی دیکھ کر اُس طرف سے آکر حملہ کر دیا، مسلمان بے فکر تھے، اِس اچانک بے خبری کے حملہ سے مغلوب[13] ہو گئے اور دونوں طرف سے کافروں کے بیچ میں آگئے، جس کی وجہ سے اِدھر اُدھر پریشان بھاگ رہے تھے، حضرت اَنَس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ

حل لغات: ① حکم پورا کروں۔ ② پسند۔ ③ بندگی۔ ④ نام لینے والا۔ ⑤ فرمانبردار۔ ⑥ رنج۔ ⑦ بُرا بھلا کہنا۔ ⑧ بہت بڑی۔ ⑨ شروع شروع میں۔ ⑩ ہار۔ ⑪ ڈر۔ ⑫ جہاد میں حاصل ہونے والا۔ ⑬ دباؤ میں آنا۔

سامنے سے ایک دوسرے صحابی سَعْد بن مُعاذ ؓ آرہے ہیں۔ اُن سے کہا کہ: اے سعد! کہاں جارہے ہو؟ خدا کی قسم! جنت کی خوشبو اُحد کے پہاڑ سے آرہی ہے۔ یہ کہہ کر تلوار تو ہاتھ میں تھی ہی کافروں کے نجوم[1] میں گھس گئے اور اتنے شہید نہیں ہوگئے؛ واپس نہیں ہوئے، شہادت کے بعد ان کے بدن کو دیکھا تو چھلنی ہو گیا تھا، اَسّی[80] سے زیادہ زخم تیر اور تلوار کے بدن پر تھے، ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے ان کو پہچانا۔

فائدہ: جو لوگ اخلاص اور سچی طلب کے ساتھ اللہ کے کام میں لگ جاتے ہیں، ان کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ یہ حضرت اَنَس ؓ زندگی ہی میں جنت کی خوشبو سونگھ رہے تھے، اگر اخلاص آدمی میں ہو جاوے، تو دنیا میں بھی جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ میں نے ایک مُعتبر[2] شخص سے جو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے مُخلص خادم ہیں؛ حضرت کا مقولہ سنا ہے کہ ”جنت کا مزہ آرہا ہے“۔ فضائل رمضان میں اِس قِصّہ کو لکھ چکا ہوں۔

۴ صُلحِ حُدَیبیہ اور ابوجَنْدَل ؓ اور ابوبَصِیر ؓ کا قصہ

۶ھ میں حضور اقدس ﷺ عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جارہے تھے، کفّارِ مکہ کو اِس کی خبر ہوئی اور وہ اس خبر کو اپنی ذلّت[3] سمجھے، اِس لیے مُزاحمت[4] کی اور حدیبیہ میں آپ ﷺ کو رُکنا پڑا، جاں نثار[5] صحابہ ؓ ساتھ تھے، جو حضور ﷺ پر جان قربان کرنا فخر سمجھتے تھے، لڑنے کو تیار ہوگئے؛ مگر حضور ﷺ نے مکہ والوں کی خاطر[6] سے لڑنے کا ارادہ نہیں فرمایا، اور صلح کی کوشش کی اور باوجود صحابہ ؓ کی لڑائی پر مُستعدی[7] اور بہادری کے، حضور اکرم ﷺ نے کفار کی اِس قدر رعایت فرمائی کہ اُن کی ہر شرط کو قبول فرمالیا۔ صحابہ ؓ کو اِس طرح دَب کر صلح کرنا بہت ہی ناگوار[8] تھا؛ مگر حضور ﷺ کے ارشاد کے سامنے کیا ہوسکتا تھا کہ جاں نثار تھے اور فرماں بردار، اس لیے حضرت عمر ؓ جیسے بہادروں کو بھی دبنا پڑا۔

صلح میں جو شرطیں طے ہوئیں، ان شرطوں میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ کافروں میں سے جو شخص اسلام لائے اور ہجرت کرے، مسلمان اُس کو مکہ واپس کردیں اور مسلمانوں میں سے خدانخواستہ[9] اگر کوئی شخص مرتد[10] ہوکر چلا آئے، تو وہ واپس نہ کیا جائے۔ یہ صُلح نامہ[11] ابھی تک پورا لکھا بھی نہیں گیا تھا کہ حضرت ابوجَنْدَل ؓ ایک صحابی تھے، جو اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کررہے تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے، اِسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اِس اُمید پر پہونچے کہ اُن لوگوں کی حمایت[12] میں جاکر اِس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا، اُن کے باپ سہیل نے جو اِس صلح نامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، فتح مکہ میں مسلمان ہوئے؛ انہوں نے

حل لغات: (۱) بھیڑ۔ (۲) بھروسے کے قابل۔ (۳) بے عزتی۔ (۴) روکا۔ (۵) جان قربان کرنے والے۔ (۶) خیال۔ (۷) تیاری۔ (۸) ناپسند۔ (۹) خدانہ کرے۔ (۱۰) اسلام چھوڑ کر۔ (۱۱) آپسی فیصلہ کا مضمون۔ (۱۲) پناہ۔

صاحبزادے[1] کے طمانچے مارے اور واپس لے جانے پر اصرار[2] کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلح نامہ مُرتّب[3] بھی نہیں ہوا، اِس لیے ابھی پابندی کس بات کی؟ مگر انہوں نے اصرار کیا، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دے دو؛ مگر وہ لوگ ضد پر تھے، نہ مانا۔ ابو جَنْدَل ؓ نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد[4] بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اٹھا چکا، اب واپس کیا جا رہا ہوں۔ اس وقت مسلمانوں کے دلوں پر جو گذر رہی ہوگی، اللہ ہی کو معلوم ہے؛ مگر حضور ﷺ کے ارشاد سے واپس ہوئے۔ حضور ﷺ نے تسلّی فرمائی اور صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عنقریب[5] حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے لیے راستہ نکالیں گے۔ صلح نامہ کے مکمل ہو جانے کے بعد ایک دوسرے صحابی اَبُوبَصِیر ؓ بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہونچے، کفار نے ان کو واپس بلانے کے لیے دو آدمی بھیجے، حضور اقدس ﷺ نے حسبِ[6] وعدہ واپس فرما دیا۔ اَبُوبَصِیر ؓ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو کر آیا، آپ مجھے کفار کے پنجہ[7] میں پھر بھیجتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ان سے بھی صبر کرنے کو ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ اِن شاء اللہ عنقریب تمہارے واسطے راستہ کھلے گا۔ یہ صحابی اُن دونوں کافروں کے ساتھ واپس ہوئے۔ راستہ میں اُن میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار! تیری یہ تلوار تو بڑی نفیس[8] معلوم ہوتی ہے، شیخی باز[9] آدمی ذرا سی بات میں پھول ہی جاتا ہے، وہ نیام سے نکال کر کہنے لگا کہ ہاں! میں نے بہت سے لوگوں پر اِس کا تجربہ کیا، یہ کہہ کر تلوار اُن کے حوالہ کر دی، اُنہوں نے اُسی پر اُس کا تجربہ کیا۔ دوسرا ساتھی یہ دیکھ کر کہ ایک کو تو نمٹا[10] دیا، اب میرا نمبر ہے، بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی مر چکا ہے، اب میرا نمبر ہے۔ اُس کے بعد ابو بصیر ؓ پہونچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنا وعدہ پورا فرما چکے کہ مجھے واپس کر دیا اور مجھ سے کوئی عہد[11] ان لوگوں کا نہیں ہے، جس کی ذمہ داری ہو، وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں، اِس لیے میں نے یہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لڑائی بھڑکانے والا ہے، کاش کوئی اس کا مُعین، مددگار ہوتا۔ وہ اِس کلام سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری طلب[12] میں آئے گا تو میں واپس کر دیا جاؤں گا، اس لیے وہ وہاں سے چل کر سمندر کے کنارے ایک جگہ آپڑے۔ مکہ والوں کو اِس قِصّہ کا حال معلوم ہوا تو ابو جَنْدَل ؓ بھی (جن کا قصہ پہلے گذرا) چھپ کر وہیں پہونچ گئے، اِسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا، وہ ان کے ساتھ جا ملتا۔ چند روز میں یہ ایک مختصر سی جماعت ہوگئی۔ جنگل میں جہاں نہ کھانے کا کوئی انتظام، نہ وہاں باغات اور آبادیاں، اِس لیے اُن لوگوں پر جو گذری ہوگی وہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے؛ مگر جن ظالموں کے ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگتے تھے، اُن کا ناطِقہ[13] بند کر دیا۔ جو قافلہ ادھر کو جاتا اس سے مقابلہ کرتے اور لڑتے،

حل لغات: (۱) بیٹے۔ (۲) ضد۔ (۳) تیار۔ (۴) ظلم وزیادتی کی شکایت۔ (۵) جلد ہی۔ (۶) وعدہ کے مطابق۔ (۷) قبضہ۔ (۸) بہترین۔ (۹) اِترانے والا۔ (۱۰) ختم کر دیا۔ (۱۱) وعدہ۔ (۱۲) تلاش۔ (۱۳) تنگ کر دیا۔

حتیٰ کہ کفارِ مکہ نے پریشان ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں عاجزی اور منّت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آدمی بھیجا کہ اس بے سری[1] جماعت کو آپ اپنے پاس بلا لیں کہ یہ معاہدہ[2] میں تو داخل ہو جائیں اور ہمارے لیے آنے جانے کا راستہ کھلے۔ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا اجازت[3] نامہ جب ان حضرات کے پاس پہونچا، تو ابوبصیر رضی اللہ عنہ مرض الموت[4] میں گرفتار تھے۔ حضور ﷺ کا والا[5] نامہ ہاتھ میں تھا کہ اسی حالت میں انتقال فرمایا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) [بخاری وفتح]

فائدہ: آدمی اگر اپنے دین پر پکّا ہو، بشرطیکہ دین بھی سچا ہو، تو بڑی سے بڑی طاقت اُس کو نہیں ہٹا سکتی اور مسلمان کی مدد کا تو اللہ کا وعدہ ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

④ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا اسلام اور مصائب[6]

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، جو مسجد نبوی کے ہمیشہ مؤذن رہے، شروع میں ایک کافر کے غلام تھے، اسلام لے آئے، جس کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں دیے جاتے تھے، اُمیّہ بن خَلَف جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا، ان کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا، تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں؛ اور کہتا تھا کہ یا اس حال میں مر جائیں، اور زندگی چاہیں تو اسلام سے ہٹ جائیں، مگر وہ اس حالت میں بھی اَحَدٌ اَحَدٌ کہتے تھے، یعنی معبود[7] ایک ہی ہے۔ رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا؛ تاکہ بے قرار[8] ہو کر اسلام سے پھر جاویں یا تڑپ تڑپ کر مر جائیں، عذاب دینے والے اُکتا[9] جاتے، کبھی ابوجہل کا نمبر آتا، کبھی اُمیّہ بن خَلَف کا، کبھی اوروں کا اور ہر شخص اس کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کر دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں دیکھا تو ان کو خرید کر آزاد فرمایا۔

فائدہ: چوں کہ عرب کے بُت پرست[10] اپنے بتوں کو بھی معبود کہتے تھے، اس لیے ان کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم توحید[11] کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر ایک ہی ایک کا وِرد[12] تھا۔ یہ تعلق اور عشق کی بات ہے، ہم جھوٹی محبتوں میں دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہو جاتی ہے، اس کا نام لینے میں لطف آتا ہے، بے فائدہ اس کو رَٹا جاتا ہے تو اللہ کی محبت کا کیا کہنا، جو دین اور دنیا میں دونوں جگہ کام آنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہر طرح سے ستایا جاتا تھا، سخت سے سخت تکلیفیں پہونچائی جاتی تھیں، مکہ کے لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا کہ وہ ان کو گلی کوچوں میں چکر دیتے پھریں؛ اور یہ تھے کہ "ایک ہی ایک ہے"

حل لغات: (۱) سرکش، نافرمان۔ (۲) آپسی وعدہ۔ (۳) اجازت کا خط۔ (۴) وہ مرض جس میں مبتلا ہو کر آدمی مر جائے۔ (۵) خط۔ (۶) تکلیفیں۔ (۷) جس کی عبادت کی جائے۔ (۸) بے چین۔ (۹) تنگ آ جاتے۔ (۱۰) بتوں کو پوجنے والے۔ (۱۱) اللہ کو ایک ماننا۔ (۱۲) وظیفہ۔

کی رَٹ لگاتے تھے، اسی کا یہ صِلہ[1] ملا کہ پھر حضور ﷺ کے دربار میں مؤذن بنے؛ اور سفر حضر[2] میں ہمیشہ اذان کی خدمت ان کے سپرد ہوتی۔ حضور ﷺ کے وصال[3] کے بعد مدینہ طیبہ میں رہنا اور حضور ﷺ کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہوگیا، اس لیے ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے جتنے دن ہیں، جہاد میں گذار دوں، اس لیے جہاد میں شرکت کی نیت سے چل دیے، ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''بلال! یہ کیا ظلم ہے، ہمارے پاس کبھی نہیں آتے'' تو آنکھ کھلنے پر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ حضرت حسن، حسین ؓ نے اذان کی فرمائش[4] کی، لاڈلوں کی درخواست ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی، اذان کہنا شروع کی؛ اور مدینہ میں حضور ﷺ کے زمانہ کی اذان کانوں میں پڑ کر کُہرام[5] مچ گیا۔ عورتیں تک روتی ہوئی گھر سے نکل پڑیں۔ چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے؛ اور ۲۰ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا۔ [اُسد الغابہ]

⑤ حضرت ابوذر غفاری ؓ کا اسلام

حضرت اَبو ذر غفاری ؓ مشہور صحابی ہیں، جو بعد میں بڑے زاہدوں[6] اور بڑے علماء میں سے ہوئے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ ابوذر ایسے علم کو حاصل کیے ہوئے ہیں، جس سے لوگ عاجز ہیں، مگر انھوں نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔ جب ان کو حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی پہلے پہل خبر پہونچی، تو انھوں نے اپنے بھائی کو حالات کی تحقیق کے واسطے مکہ بھیجا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور آسمان کی خبریں آتی ہیں، اس کے حالات معلوم کریں اور اس کے کلام کو غور سے سنیں۔ وہ مکہ مکرمہ آئے اور حالات معلوم کرنے کے بعد اپنے بھائی سے جا کر کہا کہ میں نے ان کو اچھی عادتوں اور عمدہ اخلاق کا حکم[7] کرتے دیکھا اور ایک ایسا کلام سنا جو نہ شعر ہے، نہ کاہنوں[8] کا کلام ہے۔ ابوذر ؓ کو اس مُجمَل[9] بات سے تشفی نہ ہوئی، تو خود سامانِ سفر کیا اور مکہ پہونچے اور سیدھے مسجد حرام میں گئے، حضور ﷺ کو پہچانتے نہیں تھے اور کسی سے پوچھنا مَصلحت[10] کے خلاف سمجھا، شام تک اسی حال میں رہے۔ شام کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے دیکھا کہ ایک پردیسی مُسافر ہے، مُسافروں کی، غریبوں کی، پردیسیوں کی خبر گیری[11]، ان کی ضرورتوں کا پورا کرنا، اِن حضرات کی گھٹی[12] میں پڑا ہوا تھا۔ اس لیے ان کو اپنے گھر لے آئے، میزبانی فرمائی، لیکن اس کے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہ سمجھی کہ کون ہو، کیوں آئے۔ مسافر نے بھی کچھ ظاہر نہ کیا۔ صبح کو پھر مسجد میں آگئے اور دن بھر اسی حال میں گذرا کہ خود پتہ نہ چلا اور دریافت[13] کسی سے کیا نہیں، غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ حضور ﷺ کے ساتھ دشمنی کے قصّے بہت مشہور تھے، آپ ﷺ کو اور آپ کے ملنے والوں کو ہر طرح کی

حل لغات: ① بدلہ۔ ② قیام، ٹھہرنا۔ ③ انتقال۔ ④ خواہش ظاہر کرنا۔ ⑤ چیخ وپکار۔ ⑥ دنیا سے بے رغبت لوگوں۔ ⑦ غیب کی خبریں بتانے والے۔ ⑧ مختصر۔ ⑨ تسلی۔ ⑩ عقلمندی۔ ⑪ دیکھ بھال۔ ⑫ عادت۔ ⑬ پوچھنا۔

تکلیفیں دی جاتی تھیں، ان کو خیال ہوا کہ صحیح حال معلوم نہیں ہوگا اور بدگمانی[1] کی وجہ سے مفت کی تکلیف علیحدہ رہی۔ دوسرے دن شام کو بھی حضرت علی ﷺ کو خیال ہوا کہ پردیسی مسافر ہے، بظاہر جس غرض کے لیے آیا ہے، وہ پوری نہیں ہوئی، اس لیے پھر اپنے گھر لے آئے اور رات کو کھلایا سلایا، مگر پوچھنے کی اس رات کو بھی نوبت[2] نہ آئی۔ تیسری رات کو پھر یہی صورت ہوئی، تو حضرت علی ﷺ نے دریافت کیا: تم کس کام سے آئے ہو، کیا غرض ہے؟ تو حضرت ابوذر ﷺ نے اوّل ان کو قسم اور عہد و پیمان[3] دیے اس بات کے کہ وہ صحیح بتائیں، اس کے بعد اپنی غرض بتلائی۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے فرمایا: کہ وہ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور صبح کو جب میں جاؤں، تو تم میرے ساتھ چلنا، میں وہاں تک پہونچا دوں گا، لیکن مخالفت[4] کا زور ہے اس لیے راستہ میں اگر مجھے کوئی شخص ایسا ملا، جس سے میرے ساتھ چلنے کی وجہ سے تم پر کوئی اندیشہ[5] ہو، تو میں پیشاب کرنے لگوں گا یا اپنا جوتا درست کرنے لگوں گا، تم سیدھے چلے چلنا، میرے ساتھ ٹھہرنا نہیں، جس کی وجہ سے تمہارا میرا ساتھ ہونا معلوم نہ ہو۔ چنانچہ صبح کو حضرت علی ﷺ کے پیچھے پیچھے حضور ﷺ کی خدمت میں پہونچے، وہاں جا کر بات چیت ہوئی، اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کی تکلیف کے خیال سے فرمایا کہ اپنے اسلام کو ابھی ظاہر نہ کرنا، چپکے سے اپنی قوم میں چلے جاؤ، جب ہمارا غلبہ[6] ہو جائے، اس وقت چلے آنا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کلمۂ توحید کو ان بے ایمانوں کے بیچ میں چلا کر پڑھوں گا؛ چنانچہ اسی وقت مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے "أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھا۔ پھر کیا تھا؛ چاروں طرف سے لوگ اُٹھے اور اس قدر مارا کہ زخمی کر دیا، مرنے کے قریب ہو گئے۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس ﷺ جو اس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے، ان کے اُوپر بچانے کے لیے لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا کہ کیا ظلم کرتے ہو، یہ شخص قبیلۂ غفار کا ہے اور یہ قبیلہ ملک شام کے راستہ میں پڑتا ہے، تمہاری تجارت وغیرہ سب ملکِ شام کے ساتھ ہے، اگر یہ مر گیا تو شام کا آنا جانا بند ہو جائے گا۔ اس پر اُن لوگوں کو بھی خیال ہوا کہ ملکِ شام سے ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، وہاں کا راستہ بند ہو جانا مصیبت ہے، اس لیے ان کو چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر اسی طرح انہوں نے جا کر بآوازِ بلند کلمہ پڑھا اور لوگ اس کلمہ کو سننے کی تاب[7] نہ لا سکتے تھے، اس لیے ان پر ٹوٹ پڑے۔ دوسرے دن بھی حضرت عباس ﷺ نے اسی طرح ان کو سمجھا کر ہٹایا کہ تمہاری تجارت کا راستہ بند ہو جائے گا۔

فائدہ: حضور ﷺ کے اس ارشاد کے باوجود کہ "اپنے اسلام کو چھپاؤ"، ان کا یہ فعل حق کے اظہار[8] کا ولولہ[9]

حل لغات: (۱) غلط خیال۔ (۲) وقت نہ ملا۔ (۳) وعدہ اور اقرار۔ (۴) دشمنی۔ (۵) ڈر۔ (۶) کثرت۔ (۷) برداشت نہ کر سکے۔ (۸) ظاہر کرنا۔ (۹) جوش۔

اور غلبہ تھا کہ جب یہ دینِ حق ہے، تو کسی کے باپ کا کیا اجارہ[1] ہے، جس سے ڈر کر چھپایا جائے اور حضور ﷺ کا منع فرمانا شَفَقَت کی وجہ سے تھا کہ ممکن ہے تکالیف کا تحمل[2] نہ ہو۔ ورنہ حضور ﷺ کے حکم کے خلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ مجال[3] ہی نہ تھی، چناں چہ اس کا کچھ نمونہ مستقل باب میں آرہا ہے۔ چوں کہ حضور اقدس ﷺ خود ہی دین کے پھیلانے میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت فرما رہے تھے، اس لیے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سہولت پر عمل کے بجائے حضور ﷺ کے اتباع کو ترجیح[4] دی۔ یہی ایک چیز تھی کہ جس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی دینی اور دنیوی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم چوم رہی تھی اور ہر میدان اُن کے قبضہ میں تھا کہ جو شخص بھی ایک مرتبہ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آجاتا تھا، بڑی سے بڑی قوت بھی اس کو روک نہ سکتی تھی اور نہ بڑے سے بڑا ظلم اس کو دین کی اِشاعت[5] سے ہٹا سکتا تھا۔

⑥ حضرت خبّاب بن الارَتّ رضی اللہ عنہ کی تکلیفیں

حضرت خبّاب بن الارَتّ رضی اللہ عنہ بھی انہی مبارک ہستیوں[6] میں ہیں، جنہوں نے امتحان[7] کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور اللہ کے راستہ میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ شروع ہی میں پانچ، چھ آدمیوں کے بعد مسلمان ہوگئے تھے، اس لیے بہت زمانہ تک تکلیفیں اٹھائیں، لوہے کی زِرہ[8] پہنا کر ان کو دھوپ میں ڈال دیا جاتا، جس سے گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بہتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات بالکل سیدھا گرم ریت پر لٹا دیا جاتا، جس کی وجہ سے کمر کا گوشت تک گل کر گر گیا تھا۔ یہ ایک عورت کے غلام تھے، اُس کو خبر پہونچی کہ یہ حضور اقدس ﷺ سے ملتے ہیں، تو اُس کی سزا میں لوہے کو گرم کر کے ان کے سر کو اس سے داغ دیتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عُرصہ[9] کے بعد اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت خبّاب رضی اللہ عنہ سے اُن تکالیف کی تفصیل پوچھی، جو ان کو پہونچائی گئیں۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ میری کمر دیکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمر دیکھ کر فرمایا کہ ایسی کمر تو کسی کی دیکھی ہی نہیں، انہوں نے عرض کیا کہ مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا گیا، میری کمر کی چربی اور خون سے وہ آگ بجھی۔ ان حالات کے باوجود جب اسلام کو ترقی ہوئی اور فتوحات[10] کا دروازہ کھلا، تو اس پر رویا کرتے تھے کہ خدانخواستہ[11] ہماری تکلیف کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں مل گیا۔ حضرت خبّاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے خلافِ عادت بہت ہی لمبی نماز پڑھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق عرض کیا: تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رغبت وڈر کی نماز تھی، میں نے اس میں اللہ تعالیٰ سے تین[12] دعائیں کی تھیں، دو[13] اُن میں سے قبول ہوئیں اور ایک[14] کو انکار فرما دیا۔ میں نے یہ دعا کی کہ میری ساری اُمت قحط سے ہلاک نہ ہو جائے، یہ قبول ہوگئی۔

حل لغات: ① اختیار۔ ② صبر، برداشت۔ ③ ہمت۔ ④ بہتر سمجھنا۔ ⑤ پھیلانا۔ ⑥ شخصیتوں۔ ⑦ آزمائش۔ ⑧ لوہے کا لباس جو لڑائی میں پہنا جاتا ہے۔ ⑨ بہت دنوں۔ ⑩ کامیابیوں۔ ⑪ خدانہ کرے۔

دوسری یہ دعا کی کہ ان پر کوئی ایسا دشمن مُسَلَّط[1] نہ ہو، جو ان کو بالکل مٹا دے، یہ بھی قبول ہوگئی۔ تیسری یہ دعا کی کہ ان میں آپس میں لڑائی جھگڑے نہ ہوں، یہ بات منظور نہیں ہوئی۔ حضرت خباب ﷺ کا انتقال ۳۷ھ میں ہوا اور کوفہ میں سب سے پہلے صحابی یہی دفن ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا گذر ان کی قبر پر ہوا، تو ارشاد فرمایا: اللہ خبّاب پر رحم فرمائیں، اپنی رغبت سے مسلمان ہوا اور خوشی سے ہجرت کی اور جہاد میں زندگی گُذار دی اور مصیبتیں برداشت کیں۔ مبارک ہے وہ شخص جو قیامت کو یاد رکھے اور حساب کتاب کی تیاری کرے اور گذارہ[2] کے قابل مال پر قناعت[3] کرے اور اپنے مولیٰ کو راضی کرلے۔ [اُسدالغابہ]

فائدہ: حقیقت میں مولیٰ کو راضی کر لینا اُن ہی لوگوں کا حصہ تھا کہ اُن کی زندگی کا ہر کام مولیٰ ہی کی رضا کے واسطے تھا۔

⑦ حضرت عمّار ﷺ اور ان کے والدین کا ذکر

حضرت عمّار ﷺ اور ان کے ماں باپ کو بھی سخت سے سخت تکلیفیں پہونچائی گئیں، مکہ کی سخت گرم اور ریتلی زمین میں ان کو عذاب دیا جاتا اور حضور اقدس ﷺ کا اس طرف گذر ہوتا، تو صبر کی تلقین[4] فرماتے اور جنت کی بشارت[5] فرماتے، آخر ان کے والد حضرت یاسر ﷺ اسی حالتِ تکلیف میں وفات پا گئے، کہ ظالموں نے مرنے تک چین نہ لینے دیا اور ان کی والدہ حضرت سُمَیہ ﷺ کی شرمگاہ میں ابوجہل ملعون[6] نے ایک برچھا[7] مارا، جس سے وہ شہید ہوگئیں، مگر اسلام سے نہ ہٹیں، حالاں کہ بوڑھی تھیں، ضعیف تھیں؛ مگر اس بدنصیب نے کسی چیز کا بھی خیال نہیں کیا۔ اسلام میں سب سے پہلی شہادت ان کی ہے؛ اور اسلام میں سب سے پہلی مسجد حضرت عمار ﷺ کی بنائی ہوئی ہے۔ جب حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے، تو حضرت عمار ﷺ نے کہا کہ حضور ﷺ کے لیے ایک مکان سایہ کا بنانا چاہیے، جس میں تشریف رکھا کریں، دوپہر کو آرام فرمالیا کریں اور نماز بھی سایہ میں پڑھ سکیں، تو قُبا میں حضرت عمار ﷺ نے اول پتھر جمع کیے اور پھر مسجد بنائی۔ لڑائی میں نہایت جوش سے شریک ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مزے میں آکر کہنے لگے کہ اب جا کر دوستوں سے ملیں گے، محمد ﷺ اور ان کی جماعت سے ملیں گے۔ اتنے میں پیاس لگی اور پانی کسی سے مانگا، اس نے دودھ سامنے کیا، اس کو پیا اور پی کر کہنے لگے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ تُو دنیا میں سب سے آخری چیز دودھ پیے گا، اس کے بعد شہید ہوگئے۔ اس وقت چورانوے[94] برس کی عمر تھی۔ بعض نے ایک آدھ سال کم بتلائی ہے۔ [اُسدالغابہ]

⑧ حضرت صُہَیب ﷺ کا اسلام

حضرت صُہَیب ﷺ بھی حضرت عمّار ﷺ ہی کے ساتھ مسلمان ہوئے، نبی اکرم ﷺ حضرت اَرقم صحابی ﷺ کے مکان پر

حل لغات: ① سوار۔ ② کام چلانا۔ ③ تھوڑے پر خوش رہنا۔ ④ تعلیم۔ ⑤ خوش خبری۔ ⑥ مردود۔ ⑦ نیزہ، بھالا۔

تشریف فرما تھے کہ یہ دونوں حضرات علیحدہ[1] علیحدہ حاضرِ خدمت ہوئے اور مکان کے دروازہ پر دونوں اتفاقیہ[2] اکٹھے ہوگئے۔ ہر ایک نے دوسرے کی غرض[3] معلوم کی، تو ایک ہی غرض یعنی اسلام لانا اور حضور ﷺ کے فیض سے مستفید[4] ہونا دونوں کا مقصود[5] تھا۔ اسلام لائے اور اسلام لانے کے بعد جو اُس زمانہ میں اس قلیل[6] اور کمزور جماعت کو پیش آنا تھا، وہ پیش آیا۔ ہر طرح سے ستائے گئے، تکلیفیں پہونچائی گئیں۔ آخر تنگ آکر ہجرت کا ارادہ فرمایا، تو کافروں کو یہ چیز بھی گوارا[7] نہ تھی کہ یہ لوگ کسی دوسری ہی جگہ جاکر آرام سے زندگی بسر کرلیں، اس لیے جس کسی کی ہجرت کا حال معلوم ہوجاتا تھا، اس کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے کہ تکالیف سے نجات نہ پاسکے۔ چنانچہ ان کا بھی پیچھا کیا گیا اور ایک جماعت ان کو پکڑنے کے لیے گئی، انہوں نے اپنا ترکش[8] سنبھالا، جس میں تیر تھے؛ اور ان لوگوں سے کہا: دیکھو تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ تیر انداز ہوں، اتنے ایک بھی تیر میرے پاس باقی رہے گا، تم لوگ مجھ تک نہیں آسکو گے اور جب ایک بھی تیر نہ رہے گا، تو میں اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا، یہاں تک کہ تلوار بھی میرے ہاتھ میں نہ رہے؛ اس کے بعد جو تم سے ہوسکے کرنا، اس لیے اگر تم چاہو، تو اپنی جان کے بدلہ میں اپنے مال کا پتہ بتلا سکتا ہوں، جو مکہ میں ہے اور دو باندیاں بھی ہیں، وہ سب تم لے لو۔ اس پر وہ لوگ راضی ہوگئے اور اپنا مال دے کر جان چھڑائی، اسی بارہ میں آیت پاک ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝﴾ [سورۂ بقرہ] نازل ہوئی [درمنثور]۔ ترجمہ: بعض لوگ ایسے ہیں، جو اللہ کی رضا کے واسطے اپنی جان کو خرید لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہیں۔ حضور ﷺ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے، صورت دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ نفع کی تجارت کی۔ صُہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس وقت کھجور نوش[9] فرما رہے تھے اور میری آنکھ دُکھ رہی تھی، میں بھی ساتھ کھانے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آنکھ تو دُکھ رہی ہے اور کھجوریں کھاتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! اُس آنکھ کی طرف سے کھاتا ہوں، جو تندرست[10] ہے۔ حضور ﷺ یہ جواب سن کر ہنس پڑے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بڑے ہی خرچ کرنے والے تھے، حتّٰی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم فضول خرچی کرتے ہو، انہوں نے عرض کیا کہ ناحق کہیں خرچ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جب وصال[11] ہونے لگا، تو ان ہی کو جنازہ کی نماز پڑھانے کی وصیت فرمائی تھی۔ [اُسد الغابہ]

۹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے پاک نام پر آج مسلمانوں کو فخر[12] ہے اور جن کے جوشِ ایمانی سے آج تیرہ سو (۱۳۰۰) برس بعد تک کافروں کے دل میں خوف ہے۔

حل لغات: ① الگ الگ۔ ② اچانک۔ ③ مقصد۔ ④ فائدہ حاصل کرنا۔ ⑤ مقصد۔ ⑥ چھوٹی۔ ⑦ پسند۔ ⑧ تیر رکھنے کا تھیلا۔ ⑨ کھا رہے تھے۔ ⑩ صحیح۔ ⑪ انتقال۔ ⑫ ناز۔

اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے مقابلہ اور تکلیف پہونچانے میں بھی ممتاز[1] تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے قتل کے درپے[2] رہتے تھے۔ ایک روز کفار نے مشورہ کی کمیٹی قائم کی کہ کوئی ہے، جو (نعوذ باللہ) محمد کو قتل کر دے؟ عمر ﷺ نے کہا کہ میں کروں گا، لوگوں نے کہا کہ بے شک تمہیں کر سکتے ہو، عمر ﷺ تلوار لٹکائے ہوئے اُٹھے اور چل دیے، اسی فکر میں جا رہے تھے کہ ایک صاحب قبیلۂ زہرہ کے؛ جن کا نام حضرت سعد ابن اَبی وقاص ﷺ ہے اور بعضوں نے اور صاحب لکھے ہیں، ملے۔ انہوں نے پوچھا کہ عمر کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کے قتل کے فکر میں ہوں (نعوذ باللہ)۔ سعد نے کہا کہ بنو ہاشم اور بنو زہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطمئن ہو گئے، وہ تم کو بدلہ میں قتل کر دیں گے، اس جواب پر بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے، تُو بھی بے دین (یعنی مسلمان) ہو گیا، لا پہلے تجھی کو نمٹا دوں، یہ کہہ کر تلوار سونت[3] لی اور حضرت سعد ﷺ نے بھی یہ کہہ کر کہ ہاں! میں مسلمان ہو گیا ہوں، تلوار سنبھالی، دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت سعد ﷺ نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے، تیری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ غصہ سے بھر گئے اور سیدھے بہن کے گھر گئے۔ وہاں حضرت خبّاب ﷺ جن کا ذکر نمبر چھ[4] پر گذرا، کواڑ بند کیے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے، حضرت عمر ﷺ نے کواڑ کھلوائے، ان کی آواز سے حضرت خباب ﷺ تو جلدی سے اندر چھپ گئے اور وہ صحیفہ[5] بھی جلدی میں باہر ہی رہ گیا؛ جس پر آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی تھیں، ہمشیرہ[6] نے کواڑ کھولے، حضرت عمر ﷺ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی، جس کو بہن کے سر پر مارا، جس سے سر سے خون بہنے لگا اور کہا کہ اپنی جان کی دشمن! تُو بھی بد دین ہو گئی، اس کے بعد گھر میں آئے اور پوچھا کہ کیا کر رہے تھے اور یہ آواز کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا کہ بات چیت کر رہے تھے، کہنے لگے: ''کیا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا''؟ بہنوئی نے کہا کہ اگر دوسرا دین حق ہو، تب؟ یہ سننا تھا کہ ان کی داڑھی پکڑ کر کھینچی اور بے تحاشا[7] ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا، بہن نے چھڑانے کی کوشش کی، تو اُن کے منہ پر ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ خون نکل آیا۔ وہ بھی آخر عمر ہی کی بہن تھیں، کہنے لگیں کہ عمر ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہو گئے؟ بے شک ہم مسلمان ہو گئے ہیں، جو تجھ سے ہو سکے، تُو کر لے، اس کے بعد حضرت عمر ﷺ کی نگاہ اس صحیفہ پر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا؛ اور غصہ کا جوش بھی اس مار پیٹ سے کم ہو گیا تھا اور بہن کے اس طرح خون میں بھر جانے سے شرم سی بھی آ رہی تھی، کہنے لگے کہ اچھا مجھے دکھلاؤ، یہ کیا ہے؟ بہن نے کہا کہ تُو ناپاک ہے اور اس کو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتے، ہر چند اصرار[8] کیا، مگر وہ بے وضو اور غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں، حضرت عمر ﷺ نے غسل کیا

حل لغات: (۱) مشہور۔ (۲) پیچھے لگے رہنا۔ (۳) قتل کا ارادہ کرنا۔ (۴) قرآن کا کچھ حصہ۔ (۵) بہن۔ (۶) دروازہ۔ (۷) بے سوچے سمجھے، اندھا دھند۔ (۸) بہت ضد کرنا۔

اور اس کو لے کر پڑھا، اس میں ''سورۂ طٰہٰ'' لکھی ہوئی تھی، اس کو پڑھنا شروع کیا اور ﴿اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ﴿۱۴﴾﴾ [سورۂ طٰہٰ] تک پڑھنا تھا کہ حالت ہی بدل گئی، کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی محمد ﷺ کی خدمت میں لے چلو، یہ الفاظ سن کر حضرت خباب ؓ اندر سے نکلے اور کہا کہ اے عمر! تمہیں خوش خبری دیتا ہوں کہ کل شب پنج شنبہ[1] میں حضور اقدس ﷺ نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! عمر اور ابوجہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو، اس سے اسلام کو قوت عطا فرما (یہ دونوں قوت میں مشہور تھے)۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی دُعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جمعہ کی صبح کو مسلمان ہوئے۔ [خصائص] ان کا مسلمان ہونا تھا کہ کفار کے حوصلے پست[2] ہونا شروع ہوگئے، مگر پھر بھی یہ نہایت مختصر جماعت تھی اور وہ سارا مکہ بلکہ سارا عرب، اس لیے اور بھی جوش پیدا ہوا اور جلسے کر کے مشورہ کر کے ان حضرات کو ناپید[3] کرنے کی کوشش ہوتی تھی؛ اور طرح طرح کی تدبیریں[4] کی جاتی تھیں، تاہم[5] اتنا ضرور ہوا کہ مسلمان مکہ کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ عمر کا اسلام لانا، مسلمانوں کی فتح تھی اور ان کی ہجرت مسلمانوں کی مدد تھی اور ان کی خلافت رحمت تھی۔ [اُسد الغابہ]

⑩ مسلمانوں کی حبشہ کی ہجرت اور شِعبِ اَبی طالب میں قید ہونا

مسلمانوں کو اور ان کے سردار فخر دوعالم ﷺ کو جب کفار سے تکالیف پہونچتی ہی رہیں اور آئے دن اُن میں بجائے کمی کے اضافہ[6] ہی ہوتا رہا، تو حضور اکرم ﷺ نے صحابہ ؓ کو اس کی اجازت فرمادی کہ وہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں؛ تو بہت سے حضرات نے حبشہ کی ہجرت فرمائی۔ حبشہ کے بادشاہ اگرچہ نصرانی[7] تھے اور اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، مگر ان کے رحم دل اور مُنصِف[8] مزاج ہونے کی شُہرت[9] تھی، چنانچہ نبوت کے پانچویں برس رجب کے مہینہ میں پہلی جماعت کے گیارہ[11] یا بارہ[12] مرد اور چار[4] یا پانچ[5] عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مکّہ والوں نے ان کا پیچھا بھی کیا کہ یہ نہ جاسکیں، مگر یہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔ وہاں پہونچ کر ان کو یہ خبر ملی کہ مکّہ والے سب مسلمان ہوگئے اور اسلام کو غلبہ ہوگیا، اس خبر سے یہ حضرات بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن واپس آگئے، لیکن مکہ مکرمہ کے قریب پہونچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی اور مکہ والے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دشمنی اور تکلیفیں پہونچانے میں مصروف[10] ہیں، تو بڑی دِقت[11] ہوئی۔ ان میں سے بعض حضرات وہیں سے واپس ہوگئے اور بعض کسی کی پناہ لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت کہلاتی ہے۔ اس کے بعد ایک بڑی جماعت نے جو تراسی[83] مرد اور اٹھارہ[18] عورتیں بتلائی جاتی ہیں، متفرق[12] طور پر ہجرت کی اور یہ حبشہ کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔

حل لغات: (۱) جمعرات کی رات۔ (۲) گھٹنا، کم ہونا۔ (۳) ختم۔ (۴) اسکیمیں، کوششیں۔ (۵) پھر بھی۔ (۶) بڑھنا، زیادہ ہونا۔ (۷) عیسائی۔ (۸) انصاف پسند۔ (۹) چرچا۔ (۱۰) مشغول۔ (۱۱) پریشانی۔ (۱۲) الگ الگ۔

بعض صحابہ ؓ نے دونوں ہجرتیں کیں اور بعض نے ایک۔ کفار نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ حبشہ میں چین کی زندگی بسر کرنے لگے، تو ان کو اور بھی غصہ آیا اور بہت سے تحفے تحائف لے کر نجاشی شاہِ[1] حبشہ کے پاس ایک وفد[2] بھیجا، جو بادشاہ کے لیے بھی بہت سے تحفے لے کر گیا اور اس کے خواص[3] اور پادریوں[4] کے لیے بھی بہت سے ہدیے لے کر گیا، جا کر اوّل پادریوں اور حکّام سے ملا اور ہدیے دے کر اُن سے بادشاہ کے یہاں اپنی سِفارش کا وعدہ لیا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں یہ وفد حاضر ہوا۔ اوّل بادشاہ کو سجدہ کیا اور پھر تحفے پیش کر کے اپنی درخواست پیش کی اور رشوت خور[5] حکّام نے تائید[6] کی۔ انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ! ہماری قوم کے چند بے وقوف لڑکے اپنے قدیمی[7] دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین میں داخل ہو گئے، جس کو نہ ہم جانتے ہیں، نہ آپ جانتے ہیں؛ اور آپ کے ملک میں آ کر رہنے لگے، ہم کو شُرفائے[8] مکہ نے اور اُن لوگوں کے باپ، چچا اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ ان کو واپس لائیں، آپ ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جن لوگوں نے میری پناہ پکڑی ہے بغیر[9] تحقیق ان کو حوالہ نہیں کر سکتا، اول ان سے بُلا کر تحقیق کر لوں، اگر یہ صحیح ہوا تو حوالہ کر دوں گا؛ چنانچہ مسلمانوں کو بلایا گیا۔ مسلمان اول بہت پریشان ہوئے، کیا کریں؟ مگر اللہ کے فضل نے بہت مدد کی اور ہمت سے یہ طے کیا کہ چلنا چاہیے اور صاف بات کہنا چاہیے، بادشاہ کے یہاں پہونچ کر سلام کیا۔ کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے بادشاہ کو آدابِ[10] شاہی کے موافق سجدہ نہیں کیا، ان لوگوں نے کہا کہ ہم کو ہمارے نبی ﷺ نے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی، اس کے بعد بادشاہ نے ان سے حالات دریافت[11] کیے، حضرت جعفر ؓ آگے بڑھے اور فرمایا کہ ہم لوگ جہالت میں پڑے ہوئے تھے، نہ اللہ کو جانتے تھے، نہ اس کے رسولوں سے واقف تھے، پتھروں کو پُوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بُرے کام کرتے تھے، رشتہ ناتوں[12] کو توڑتے تھے، ہم میں کا قوی کمزور[13] کو ہلاک کر دیتا تھا، ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے اپنا ایک رسول بھیجا، جس کے نسب کو، اس کی سچائی کو، اس کی امانت داری کو، پرہیز گاری کو ہم خوب جانتے ہیں، اس نے ہم کو ایک اللہ وحدہٗ لاشریک[14] لہٗ کی عبادت کی طرف بلایا اور پتھروں اور بتوں کے پوجنے سے منع فرمایا، اس نے ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم دیا، بُرے کاموں سے منع کیا، اس نے ہم کو سچ بولنے کا حکم دیا، امانت داری کا حکم کیا، صلہ رحمی[15] کا حکم کیا، پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا؛ نماز، روزہ، صدقہ، خیرات کا حکم دیا اور اچھے اخلاق تعلیم[16] کیے۔ زنا، بدکاری، جھوٹ بولنا، یتیم کا مال کھانا، کسی پر تہمت لگانا، اور اس قسم کے بُرے اعمال سے منع فرمایا؛ ہم

حل لغات: (۱) حبشہ کے بادشاہ۔ (۲) مخصوص لوگوں کی جماعت۔ (۳) قریبی لوگ۔ (۴) عیسائی علماء۔ (۵) رشوت کھانے والے افسر۔ (۶) طرف داری۔ (۷) پرانے۔ (۸) مکہ کے باعزت لوگ۔ (۹) بغیر چھان بین۔ (۱۰) بادشاہوں کے دربار میں حاضری کے طور طریقے۔ (۱۱) معلوم۔ (۱۲) تعلقات۔ (۱۳) طاقتور۔ (۱۴) کمزور۔ (۱۵) جو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۱۶) رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک۔ (۱۷) سکھائے۔

کو قرآن پاک کی تعلیم دی، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کے فرمان کی تعمیل[۱] کی، جس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور ہم کو ہر طرح ستایا۔ ہم لوگ مجبور ہوکر تمہاری پناہ میں اپنے نبی ﷺ کے ارشاد سے آئے ہیں، بادشاہ نے کہا؟ جو قرآن تمہارے نبی ﷺ لے کر آئے ہیں، وہ کچھ مجھے سناؤ۔ حضرت جعفر ؓ نے سورۂ مریم کی اول کی آیتیں پڑھیں، جس کو سن کر بادشاہ بھی رو دیا اور اس کے پادری بھی جو کثرت سے موجود تھے، سب کے سب اس قدر روئے کہ داڑھیاں تر[۲] ہوگئیں، اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ کلام اور جو کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے؛ ایک ہی نُور سے نکلے ہیں اور ان لوگوں سے صاف انکار کر دیا کہ میں ان کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا، وہ لوگ بڑے پریشان ہوئے کہ بڑی ذلّت اُٹھانا پڑی، آپس میں صلاح[۳] کر کے ایک شخص نے کہا کہ کل میں ایسی تدبیر[۴] کروں گا کہ بادشاہ ان کی جڑ ہی کاٹ دے، ساتھیوں نے کہا بھی کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے، یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہوگئے، مگر پھر بھی رشتہ دار ہیں، مگر اس نے نہ مانا، دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، اُن کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے، بادشاہ نے پھر مسلمانوں کو بُلایا، صحابہ ؓ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن کے بُلانے سے ہمیں اور بھی زیادہ پریشانی ہوئی، بہر حال گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: وہی کہتے ہیں، جو ہمارے نبی ﷺ پر اُن کی شان میں نازل ہوا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، اس کے رسول ہیں، اس کی روح ہیں اور اس کے کلمہ ہیں، جس کو خدا نے کنواری اور پاک مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا۔ نجاشی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے سوا کچھ نہیں فرماتے۔ پادری لوگ آپس میں کچھ چیخ[۵] چیخ کرنے لگے۔ نجاشی نے کہا: تم جو چاہے کہو۔ اس کے بعد نجاشی نے اُن کے تحفے واپس کر دیے اور مسلمانوں سے کہا: تم امن سے ہو، جو تمہیں ستائے، اس کو تاوان[۶] دینا پڑے گا اور اس کا اعلان بھی کرا دیا کہ جو شخص ان کو ستائے گا اس کو تاوان دینا ہوگا۔ [خمیس]

اس کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کا اکرام اور بھی زیادہ ہونے لگا اور اس وفد کو ذِلّت سے واپس آنا پڑا، تو پھر کفارِ مکہ کا جتنا بھی غصہ جوش کرتا، ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمر ؓ کے اسلام لانے نے ان کو اور بھی جلا رکھا تھا اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ لوگوں کا ان سے مِلنا جلنا بند ہو جائے اور اسلام کا چراغ کسی طرح بجھے، اس لیے سردارانِ مکہ کی ایک بڑی جماعت نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کھلم کھلا محمد کو قتل کر دیا جائے، لیکن قتل کر دینا بھی آسان کام نہ تھا، اس لیے کہ بنو ہاشم بھی بڑے جتھے[۷] اور اونچے طبقہ کے لوگ شمار ہوتے تھے۔ وہ اگرچہ اکثر مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن جو مسلمان نہیں تھے، وہ بھی حضور ﷺ کے قتل ہو جانے پر آمادہ[۸] نہیں تھے، اس لیے ان سب کفار نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ سارے بنو ہاشم اور بنو المطلب

حل لغات: (۱) حکم کو پورا کرنا۔ (۲) بھیگ گئیں۔ (۳) مشورہ۔ (۴) چالاکی، کوشش۔ (۵) شور شرابا۔ (۶) جرمانہ۔ (۷) جماعت۔ (۸) تیار۔

کا بائیکاٹ کیا جاوے، نہ ان کو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے، نہ ان سے کوئی خرید وفروخت کرے، نہ بات چیت کرے، نہ ان کے گھر جائے، نہ ان کو اپنے گھر میں آنے دے اور اس وقت تک صلح نہ کی جائے، جب تک کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو قتل کے لیے حوالہ نہ کردیں۔ یہ معاہدہ زبانی ہی گفتگو پر ختم نہیں ہوا، بلکہ یکم محرم ۷ھ نبوی کو ایک معاہدہ تحریری لکھ کر بیت اللہ میں لٹکایا گیا، تاکہ ہر شخص اس کا احترام کرے اور اس کو پورا کرنے کی کوشش کرے اور اس معاہدہ کی وجہ سے تین برس تک یہ سب حضرات دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی میں نظر بند رہے کہ نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا، نہ یہ کسی سے مل سکتے تھے، نہ مکہ کے کسی آدمی سے کوئی چیز خرید سکتے تھے، نہ باہر کے آنے والے کسی تاجر سے مل سکتے تھے، اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو پیٹا جاتا اور کسی سے ضرورت کا اظہار کرتا تو صاف جواب پاتا۔ معمولی سا سامان، غلّہ وغیرہ جو ان لوگوں کے پاس تھا وہ کہاں تک کام دیتا۔ آخر فاقوں پر فاقے گذرنے لگے اور عورتیں اور بچے بھوک سے بے تاب ہوکر روتے اور چلاتے اور ان کے اعزّہ کو اپنی بھوک اور تکالیف سے زیادہ ان بچوں کی تکالیف ستاتیں۔ آخر تین برس کے بعد اللہ کے فضل سے وہ صحیفہ دیمک کی نذر ہوا؛ اور ان حضرات کی یہ مصیبت دور ہوئی۔ تین برس کا زمانہ ایسے سخت بائیکاٹ اور نظر بندی میں گذرا اور ایسی حالت میں ان حضرات پر کیا کیا مشقتیں گذری ہوں گی، وہ ظاہر ہے، لیکن اس کے باوجود صحابۂ کرام ؓ نہایت ثابت قدمی کے ساتھ اپنے دین پر جمے رہے، بلکہ اس کی اشاعت فرماتے رہے۔

فائدہ: یہ تکالیف اور مشقتیں ان لوگوں نے اُٹھائی ہیں، جن کے آج ہم نام لیوا کہلاتے ہیں اور اپنے کو ان کا متبع بتلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں، ہم لوگ ترقی کے باب میں صحابۂ کرام ؓ جیسی ترقیوں کے خواب دیکھتے ہیں، لیکن کسی وقت ذرا غور کرکے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ان حضرات نے قربانیاں کتنی فرمائیں اور ہم نے دین کی خاطر، اسلام کی خاطر، مذہب کی خاطر کیا کیا؟ کامیابی ہمیشہ کوشش اور سعی کے مناسب ہوتی ہے۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ عیش وآرام، بددینی اور دنیا طلبی میں کافروں کے دوش بدوش چلیں اور اسلامی ترقی ہمارے ساتھ ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے!

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی ایں رہ کہ تو می روی بترکستان است

ترجمہ: مجھے خوف ہے او بدوی کہ تو کعبہ کو نہیں پہونچ سکتا، اس لیے کہ یہ راستہ کعبہ کی دوسری جانب ترکستان کی طرف جاتا ہے۔

حل لغات: (۱) بات چیت۔ (۲) عزت۔ (۳) قید۔ (۴) بیان کرنا۔ (۵) بے چین۔ (۶) رشتہ داروں۔ (۷) اس ورق کو دیمک نے کھا لیا۔ (۸) مضبوطی۔ (۹) پھیلانا۔ (۱۰) اتباع کرنے والا۔ (۱۱) دنیا حاصل کرنا۔ (۱۲) ساتھ ساتھ۔ (۱۳) عرب کا دیہاتی۔

دوسرا باب: اللہ جَلَّ جَلالہٗ وعَمَّ نوالہٗ کا خوف اور ڈر

دین کے ساتھ اس جاں فِشانی[1] کے باوجود، جس کے قصّے ابھی گذرے اور دین کے لیے اپنی جان، مال، آبرو سب کچھ فنا کر دینے کے بعد، جس کا نمونہ ابھی آپ دیکھ چکے ہیں، اللہ جلّ شانہٗ کا خوف اور ڈر جس قدر ان حضرات میں پایا جاتا تھا، اللہ کرے کہ اس کا کچھ شمّہ[2] ہم سے سیہ کاروں[3] کو بھی نصیب ہو جائے۔ مثال کے طور پر اس کے بھی چند قصے لکھے جاتے ہیں۔

① آندھی کے وقت حضور ﷺ کا طریقہ

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ جب اَبر[4]، آندھی وغیرہ ہوتی تھی، تو حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور پر اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا اور چہرہ کا رنگ فَق[5] ہو جاتا تھا اور خوف کی وجہ سے کبھی اندر تشریف لے جاتے، کبھی باہر تشریف لاتے اور یہ دعا پڑھتے رہتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ. ترجمہ: یا اللہ! اس ہوا کی بھلائی چاہتا ہوں اور جو اس ہوا میں ہو، بارش وغیرہ اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور جس غرض سے یہ بھیجی گئی، اس کی بھلائی چاہتا ہوں، یا اللہ! میں اس ہوا کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں اور جو چیز اس میں ہے اور جس غرض سے یہ بھیجی گئی ہے، اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں اور جب بارش شروع ہو جاتی، تو چہرہ پر انبساط[6] شروع ہوتا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سب لوگ جب اَبر دیکھتے ہیں، تو خوش ہوتے ہیں کہ بارش کے آثار معلوم ہوئے؛ مگر آپ پر ایک گرانی[7] محسوس ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! مجھے اس کا کیا اطمینان ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو، قوم عاد کو ہوا کے ساتھ ہی عذاب دیا گیا اور وہ اَبر کو دیکھ کر خوش ہوئے تھے کہ اس اَبر میں ہمارے لیے پانی برسایا جائے گا، حالانکہ اس میں عذاب تھا۔ [درمنثور] اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے ﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ﴾ الآیۃ [سورۂ احقاف: ۲۴] ترجمہ: اُن لوگوں نے (یعنی قوم عاد نے) جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا، تو کہنے لگے: یہ بادل تو ہم پر بارش برسانے والا ہے۔ (ارشادِ خداوندی ہوا کہ) نہیں، برسنے والا نہیں، بلکہ یہ وہی (عذاب ہے) جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ (اور نبی علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اگر تو سچا ہے، تو ہم پر عذاب لا) ایک آندھی ہے، جس میں دردناک عذاب ہے، جو ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی؛ چنانچہ وہ لوگ اُس آندھی کی وجہ سے ایسے تباہ ہو گئے کہ بجز[8] اُن کے مکانات کے کچھ نہ دکھلائی دیتا تھا اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ [بیان القرآن وغیرہ]

حل لغات: (۱) بڑی محنت۔ (۲) تھوڑی مقدار۔ (۳) گناہگاروں۔ (۴) بادل۔ (۵) بدل جاتا۔ (۶) خوشی کا اثر کھلنا۔ (۷) بوجھ، بھاری پن۔ (۸) علاوہ۔

فائدہ: یہ اللہ کے خوف کا حال اسی پاک ذات کا ہے، جس کا سید الاوّلین والآخرین ہونا خود اسی کے ارشاد سے سب کو معلوم ہے، خود کلام پاک میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ اُن میں آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں، اس وعدۂ خداوندی کے باوجود، پھر حضور اقدس ﷺ کے خوف الٰہی کا یہ حال تھا کہ ابر اور آندھی کو دیکھ کر پہلی قوموں کے عذاب یاد آجاتے تھے، اسی کے ساتھ ایک نگاہ اپنے حال پر بھی کرنا ہے کہ ہم لوگ ہر وقت گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور زلزلوں اور دوسری قسم کے عذابوں کو دیکھ کر بجائے اس سے متأثر ہونے کے توبہ استغفار، نماز وغیرہ میں مشغول ہونے کے دوسری قسم قسم کی لغو[1] تحقیقات میں پڑ جاتے ہیں۔

② اندھیرے میں حضرت اَنَس ﷺ کا فعل

نَضر بن عبداللہ ﷺ کہتے ہیں کہ حضرت انس ﷺ کی زندگی میں ایک مرتبہ دن میں اندھیرا چھا گیا۔ میں حضرت انس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی اس قسم کی چیزیں پیش آتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: خدا کی پناہ! حضور ﷺ کے زمانہ میں تو ذرا بھی ہوا تیز ہو جاتی تھی، تو ہم لوگ قیامت کے آجانے کے خوف سے مسجدوں میں دوڑ جاتے تھے۔ ایک دوسرے صحابی اَبُوالدَّرْدَاء ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب آندھی چلتی، تو حضور ﷺ گھبرائے ہوئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ [جمع الفوائد]

فائدہ: آج کسی بڑے سے بڑے حادثہ، مصیبت، بلا میں بھی مسجد کسی کو یاد آتی ہے؟ عوام کو چھوڑ کر خواص میں بھی اس کا اہتمام کچھ پایا جاتا ہے؟ آپ خود ہی اس کا جواب اپنے دل میں سوچیں۔

③ سورج گرہن میں حضور اکرم ﷺ کا عمل

حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہو گیا۔ صحابہ ﷺ کو فکر ہوئی کہ اس موقع پر حضور ﷺ کیا عمل فرمائیں گے، کیا کریں گے، اس کی تحقیق کی جائے۔ جو حضرات اپنے اپنے کام میں مشغول تھے، چھوڑ کر دوڑے ہوئے آئے، نوعمر لڑکے جو تیر اندازی[2] کی مشق کر رہے تھے، ان کو چھوڑ کر لپکے ہوئے آئے؛ تاکہ یہ دیکھیں کہ حضور ﷺ اس وقت کیا کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعت کسوف[3] کی نماز پڑھی، جو اتنی لانبی تھی کہ لوگ غش[4] کھا کر گرنے لگے، نماز میں نبی اکرم ﷺ روتے تھے اور فرماتے تھے، اے رب! کیا آپ نے مجھ سے اس کا وعدہ نہیں فرما رکھا کہ آپ ان لوگوں کو میرے موجود ہوتے ہوئے عذاب نہ فرمائیں گے اور ایسی حالت میں بھی عذاب نہ فرمائیں گے کہ وہ لوگ استغفار کرتے رہیں۔ (سورۂ انفال میں اللہ جلّ شانہٗ نے اس کا وعدہ فرما رکھا ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ [سورۂ انفال] پھر حضور ﷺ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ جب کبھی ایسا موقع ہو

حل لغات: (۱) بے کار۔ (۲) تیر چلانے۔ (۳) سورج گرہن۔ (۴) بے ہوش ہونا۔

اور آفتاب یا چاند گرہن ہو جائے، تو گھبرا کر نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرو، میں جو آخرت کے حالات دیکھتا ہوں، اگر تم کو معلوم ہو جائیں، تو ہنسنا کم کر دو اور رونے کی کثرت کر دو، جب کبھی ایسی حالت پیش آئے، نماز پڑھو، دعا مانگو، صدقہ کرو۔

④ حضور اکرم ﷺ کا رات بھر روتے رہنا

نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ تمام رات روتے رہے اور صبح تک نماز میں یہ آیت تلاوت فرماتے رہے:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ [سورۂ مائدہ]

اے اللہ! اگر آپ ان کو سزا دیں، جب بھی آپ مختار[1] ہیں کہ یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک، اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو جرائم[2] پر سزا دے اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں، تو بھی آپ مختار ہیں کہ آپ زبردست قدرت والے ہیں تو معافی پر بھی قدرت ہے اور حکمت والے ہیں تو معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی۔ [بیان القرآن] امام اعظمؒ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک شب تمام رات ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ [سورۂ یٰس] پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو حکم ہوگا کہ دنیا میں تو سب ملے جلے رہے، مگر آج مجرم لوگ سب الگ ہو جائیں اور غیر مجرم علیحدہ۔ اس حکم کو سن کر جتنا بھی رویا جائے، تھوڑا ہے کہ نہ معلوم اپنا شمار مجرموں میں ہوگا یا فرماں برداروں میں۔

⑤ حضرت ابوبکر ؓ پر اللہ کا ڈر

حضرت ابوبکر صدیق ؓ جو بالاجماع[3] اہلِ سنت، انبیاء کے علاوہ تمام دُنیا کے آدمیوں سے افضل ہیں اور ان کا جنتی ہونا یقینی ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ نے ان کو جنتی ہونے کی بشارت دی، بلکہ جنتیوں کی ایک جماعت کا سردار بتایا اور جنت کے سب دروازوں سے اُن کی پکار اور بلاوے کی خوشخبری دی اور یہ بھی فرمایا کہ میری اُمت میں سب سے پہلے ابوبکر جنت میں داخل ہوں گے۔ اس سب کے باوجود فرمایا کرتے کہ کاش! میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، کبھی فرماتے: کاش! میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھا لیتے، کبھی فرماتے: کاش! میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا۔ ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک جانور کو بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ تُو کس قدر لطف میں ہے کہ کھاتا ہے، پیتا ہے، درختوں کے سائے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں، کاش ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا۔ [تاریخ الخلفاء] رَبیعہ اَسلمی ؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات پر مجھ میں اور حضرت ابوبکر ؓ میں کچھ بات بڑھ گئی اور انہوں نے مجھے کوئی سخت لفظ کہہ دیا، جو مجھے ناگوار[4] گذرا۔ فوراً ان کو خیال ہوا، مجھ سے فرمایا کہ تُو بھی مجھے کہہ

حل لغات: ① قدرت والے۔ ② گناہوں۔ ③ جس بات پر سب متفق ہوں۔ ④ ناپسند۔

دے تاکہ بدلہ ہو جائے، میں نے کہنے سے انکار کیا، تو انہوں نے فرمایا: یا تو کہہ لو، ورنہ میں حضور ﷺ سے جا کر عرض کروں گا، میں نے اُس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا۔ وہ تو اُٹھ کر چلے گئے۔ بنو اَسلم کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی اچھی بات ہے کہ خود ہی تو زیادتی کی اور خود ہی اُلٹی حضور سے شکایت کریں۔ میں نے کہا: تم جانتے بھی ہو، یہ کون ہیں؟ یہ ابوبکر صدیق ہیں، اگر یہ خفا[1] ہو گئے، تو اللہ کا لاڈلا رسول مجھ سے خفا ہو جائے گا اور اس کی خفگی[2] سے اللہ تعالیٰ شانہٗ ناراض ہو جائیں گے، تو ربیعہ کی ہلاکت میں کیا تردُّد[3] ہے۔ اس کے بعد میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ تجھے جواب میں اور بدلہ میں کہنا نہیں چاہیے، البتہ اس کے بدلے میں یوں کہہ کہ اے ابوبکر! اللہ تمہیں معاف فرماویں۔

فائدہ: یہ ہے اللہ کا خوف کہ ایک معمولی سے کلمہ میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کو بدلہ کا اس قدر فکر اور اہتمام ہوا کہ اوّل خود درخواست کی اور پھر حضور ﷺ کے واسطہ سے اس کا ارادہ فرمایا کہ ربیعہ ﷺ بدلہ لے لیں۔ آج ہم سینکڑوں باتیں ایک دوسرے کو کہہ دیتے ہیں، اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کا آخرت میں بدلہ بھی لیا جائے گا، یا حساب کتاب بھی ہوگا۔

⑥ حضرت عمر ﷺ کا خوفِ الٰہی

حضرت عمر ﷺ بسا[4] اوقات ایک تِنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے: کاش! میں یہ تِنکا ہوتا، کبھی فرماتے: کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ کسی کام میں مشغول تھے، ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے، آپ چل کر مجھے بدلہ دلوا دیجیے۔ آپ نے اس کے ایک دُرّہ[5] مار دیا کہ جب میں اس کام کے لیے بیٹھتا ہوں، اس وقت تو آتے نہیں، جب میں دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہوں، تو آ کر کہتے ہیں کہ بدلہ دلوا، وہ شخص چلا گیا، آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر اس کو بُلوایا اور دُرّہ اس کو دے کر فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے اللہ کے واسطے معاف کیا۔ گھر تشریف لائے، دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد اپنے آپ کو خطاب کر کے فرمایا: اے عمر! تُو کمینہ تھا، اللہ نے تجھ کو اونچا کیا، تُو گمراہ تھا، اللہ نے تجھ کو ہدایت کی، تُو ذلیل تھا، اللہ نے تجھے عزت دی، پھر لوگوں کا بادشاہ بنایا، اب ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ مجھے ظلم کا بدلہ دِلوا دے، تو تُو اس کو مارتا ہے، کل کو قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دے گا۔ بڑی دیر تک اسی طرح اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے۔ [اُسد الغابہ] آپ کے غلام حضرت اَسلمؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر ﷺ کے ساتھ "حَرّہ[6]" کی طرف جا رہا تھا، ایک جگہ آگ جلتی ہوئی جنگل میں نظر آئی۔ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ شاید یہ کوئی قافلہ ہے، جو رات ہو جانے کی وجہ سے شہر میں نہیں گیا، باہر ہی ٹھہر گیا، چلو اس کی خیر خبر

حل لغات: ① ناراض۔ ② ناراضگی۔ ③ شک۔ ④ اکثر۔ ⑤ کوڑا۔ ⑥ مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

لیں، رات کو حفاظت کا انتظام کریں۔ وہاں پہونچے تو دیکھا: ایک عورت ہے، جس کے ساتھ چند بچے ہیں، جو رو رہے ہیں اور چلا رہے ہیں اور ایک دیگچی چولھے پر رکھی ہے، جس میں پانی بھرا ہوا ہے اور اس کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ انہوں نے سلام کیا اور قریب آنے کی اجازت لے کر اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت نے کہا کہ بھوک سے لاچار[1] ہو کر رو رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ اس دیگچی میں کیا ہے؟ عورت نے کہا کہ پانی بھر کر بہلانے کے واسطے آگ پر رکھ دی ہے کہ ذرا ان کو تسلّی ہو جائے اور سو جائیں۔ امیر المومنین عمر کا اور میرا اللہ ہی کے یہاں فیصلہ ہوگا کہ میری اس تنگی کی خبر نہیں لیتے۔ حضرت عمر ﷺ رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے، بھلا عمر کو تیرے حال کی کیا خبر ہے۔ کہنے لگی کہ وہ ہمارے امیر بنے ہیں اور ہمارے حال کی خبر بھی نہیں رکھتے، اسلمؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ مجھے ساتھ لے کر واپس ہوئے اور ایک بوری میں بیت المال میں سے کچھ آٹا اور کھجوریں اور چربی اور کچھ کپڑے اور کچھ درہم لیے، غرض اس بوری کو خوب بھر لیا اور فرمایا کہ یہ میری کمر پر رکھ دے۔ میں نے عرض کیا کہ میں لے چلوں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں میری کمر پر رکھ دے۔ دو تین مرتبہ جب میں نے اِصرار[2] کیا، تو فرمایا: کیا قیامت میں بھی میرے بوجھ کو تُو ہی اُٹھائے گا؟ اس کو میں ہی اُٹھاؤں گا، اس لیے کہ قیامت میں مجھ ہی سے اس کا سوال ہوگا۔ میں نے مجبور ہو کر بوری کو آپ کی کمر پر رکھ دیا۔ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اس کے پاس تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں پہونچ کر اس دیگچی میں آٹا اور کچھ چربی اور کھجوریں ڈالیں اور اس کو چلانا شروع کیا اور چولھے میں خود ہی پھونک مارنا شروع کیا۔ اسلمؓ کہتے ہیں کہ آپ کی گنجان[3] داڑھی سے دھواں نکلتا ہوا میں دیکھتا رہا؛ حتیٰ کہ حریرہ[4] سا تیار ہو گیا، اس کے بعد آپ نے اپنے دست مبارک سے نکال کر اُن کو کھلایا۔ وہ سیر[5] ہو کر خوب ہنسی کھیل میں مشغول ہو گئے اور جو بچا تھا وہ دوسرے وقت کے واسطے ان کے حوالے کر دیا۔ وہ عورت بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی: اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، تم تھے اس کے مستحق کہ بجائے عمر کے تم ہی خلیفہ بنائے جاتے۔ حضرت عمر ﷺ نے اس کو تسلّی دی اور فرمایا کہ جب تم خلیفہ کے پاس جاؤ گی، تو مجھ کو بھی وہیں پاؤ گی۔ حضرت عمر ﷺ اس کے قریب ہی ذرا ہٹ کر زمین پر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلے آئے اور فرمایا کہ میں اس لیے بیٹھا تھا کہ میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھا تھا، میرا دل چاہا کہ تھوڑی دیر ان کو ہنستے ہوئے بھی دیکھوں۔ [اشہر مشاہیر منتخب کنز العمال] صبح کی نماز میں اکثر سورۂ کہف، طٰہٰ وغیرہ بڑی سورتیں پڑھتے اور روتے کہ کئی کئی صفوں تک آواز جاتی۔ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ [سورۂ یوسف: ۸۶] پر پہونچے تو روتے روتے آواز نہ نکلی۔ تہجد کی نماز میں بعض مرتبہ روتے روتے گر جاتے اور بیمار ہو جاتے۔

حل لغات: ① مجبور۔ ② ضد۔ ③ گھنی۔ ④ ایک قسم کا میٹھا کھانا۔ ⑤ پیٹ بھر کر۔

فائدہ: یہ ہے اللہ کا خوف اس شخص کا جس کے نام سے بڑے بڑے نامور[1] بادشاہ ڈرتے تھے اور کانپتے تھے۔ آج بھی ساڑھے تیرہ سو برس کے زمانہ تک اس کا دبدبہ مانا ہوا ہے۔ آج کوئی بادشاہ نہیں، حاکم نہیں، کوئی معمولی سا امیر بھی اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے؟

⑦ حضرت ابن عباس ؓ کی نصیحت

وَہب بن مُنبِّہ ؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی ظاہری بینائی[2] جانے کے بعد میں ان کو لیے جا رہا تھا، وہ مسجد حرام میں تشریف لے گئے، وہاں پہونچ کر ایک مجمع سے کچھ جھگڑے کی آواز آ رہی تھی۔ فرمایا: مجھے اس مجمع کی طرف لے چلو۔ میں اس طرف لے گیا۔ وہاں پہونچ کر آپ نے سلام کیا۔ اُن لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی، تو آپ نے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے خاص بندوں کی جماعت وہ لوگ ہیں، جن کو اس کے خوف نے چپ کر رکھا ہے، حالانکہ وہ نہ عاجز ہیں، نہ گونگے؛ بلکہ فصیح[3] لوگ ہیں، بولنے والے ہیں، سمجھدار ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے ذکر نے ان کی عقلوں کو اُڑا[4] رکھا ہے، اُن کے دل اس کی وجہ سے ٹوٹے رہتے ہیں اور زبانیں چپ رہتی ہیں اور جب اس حالت پر ان کو پختگی[5] میسر[6] ہو جاتی ہے، تو اس کی وجہ سے نیک کاموں میں وہ جلدی کرتے ہیں، تم لوگ ان سے کہاں ہٹ گئے؟ وہب ؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دو آدمیوں کو بھی ایک جگہ جمع نہیں دیکھا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس ؓ اللہ کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ چہرہ پر آنسوؤں کے ہر وقت بہنے سے دو نالیاں سی بن گئی تھیں۔ اوپر کے قصہ میں حضرت ابن عباس ؓ نے نیک کاموں پر اہتمام کا یہ ایک سہل[7] نسخہ بتلایا ہے کہ اللہ کی عظمت اور اس کی بڑائی کا سوچ کیا جائے کہ اس کے بعد ہر قسم کا نیک عمل سہل ہے اور پھر وہ یقیناً اخلاص سے بھرا ہوا ہوگا۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں اگر تھوڑا سا وقت بھی ہم لوگ اس سوچنے کی خاطر نکال لیں، تو کیا مشکل ہے؟

⑧ تبوک کے سفر میں قومِ ثمود کی بستی پر گذر

غزوۂ[8] تبوک مشہور غزوہ ہے اور نبیٔ اکرم ﷺ کا آخری غزوہ ہے، حضور اقدس ﷺ کو اطلاع ملی کہ روم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اور بہت بڑا لشکر لے کر شام کے راستے سے مدینہ کو آ رہا ہے، اس خبر پر پانچ رجب ۹ھ پنج شنبہ[9] کو نبیٔ اکرم ﷺ اس کے مقابلہ کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گئے، چوں کہ زمانہ سخت گرمی کا تھا اور مقابلہ بھی سخت تھا، اس لیے حضور ﷺ نے صاف اعلان فرما دیا تھا کہ روم کے بادشاہ سے مقابلہ کے لیے چلنا ہے، تیاری کر لی جائے اور حضور ﷺ نے خود اس کے لیے چندہ

حل لغات: ① مشہور۔ ② آنکھ کی روشنی۔ ③ اچھی طرح بات کرنے والے۔ ④ حیران کرنا۔ ⑤ مضبوطی۔ ⑥ آسانی سے مل جانا۔ ⑦ آسان۔ ⑧ وہ جنگ جس میں خود حضور ﷺ شریک ہوئے ہوں۔ ⑨ جمعرات۔

فرمانا شروع کیا، یہی لڑائی ہے، جس میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ گھر کا سارا سامان لے آئے اور جب اُن سے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ تو فرمایا کہ ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا اور حضرت عمر ﷺ گھر کے پورے سامان میں سے آدھا لے آئے جس کا قصہ چار، باب نمبر چھ میں آتا ہے اور حضرت عثمان غنی ﷺ نے ایک تہائی لشکر کا پورا سامان مُہیا[1] فرمایا اور اسی طرح ہر شخص اپنی حیثیت سے زیادہ ہی لایا، اس کے باوجود چوں کہ عام طور سے تنگی تھی، اس لیے دس دس آدمی ایک اونٹ پر تھے کہ نوبت[2] بہ نوبت اس پر سوار ہوتے تھے، اسی وجہ سے اس لڑائی کا نام جَیشُ[3] العُسرہ بھی تھا۔ یہ لڑائی نہایت ہی سخت تھی کہ سفر بھی دُور کا تھا اور موسم بھی اس قدر سخت کہ گرمی کی انتہا نہیں تھی اور اس کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ میں کھجور کے پکنے کا زمانہ زور پر تھا کہ سارے باغ بالکل پکے ہوئے کھڑے تھے اور کھجور ہی پر مدینہ طیبہ والوں کی زندگی کا زیادہ دارومدار[4] تھا کہ سال بھر کی روزی کے جمع کرنے کا گویا یہی زمانہ تھا۔ ان حالات میں یہ وقت مسلمانوں کے لیے نہایت سخت امتحان کا تھا کہ ادھر اللہ کا خوف، حضور ﷺ کا ارشاد جس کی وجہ سے بغیر جائے نہ بنتی تھی اور دوسری جانب یہ ساری دِقتیں[5] کہ ہر دِقت مستقل روک تھی، بالخصوص سال بھر کی محنت اور پکے پکائے درختوں کا یوں بے یار و مددگار[6] چھوڑ جانا جتنا مشکل تھا وہ ظاہر ہے، مگر اس سب کے باوجود اللہ کا خوف ان حضرات پر غالب تھا، اس لیے بجز[7] منافقین اور معذورین[8] جن میں عورتیں اور بچے بھی داخل تھے اور وہ لوگ بھی جو بضرورت مدینہ طیبہ میں چھوڑے گئے یا کسی قسم کی سواری نہ مل سکنے کی وجہ سے روتے ہوئے رہ گئے تھے، جن کے بارے میں ﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ [سورۂ توبہ:۹۲] نازل ہوئی اور سب ہی حضرات ہمرکاب[9] تھے۔ البتہ تین حضرات بلا عذر کے شریک نہیں تھے، جن کا قصہ آئندہ آرہا ہے۔ راستہ میں قوم ثمود کی بستی پر گذر ہوا تو حضور اقدس ﷺ نے دامن سے اپنے چہرۂ انور کو ڈھانک لیا اور اُونٹنی کو تیز کر دیا اور صحابہ ﷺ کو بھی حکم فرمایا کہ یہاں سے تیز چلو اور ظالموں کی بستیوں میں سے روتے ہوئے گذرو اور اس سے ڈرتے ہوئے گذرو کہ تم پر بھی خدانخواستہ[10] وہ عذاب کہیں نازل نہ ہو جائے، جو ان پر نازل ہوا تھا۔ [اسلام خمیس]

فائدہ: اللہ کا پیارا نبی ﷺ اور لاڈلا رسول ﷺ عذاب والی جگہ سے ڈرتا ہوا، خوف کرتا ہوا گذرتا ہے اور اپنے جاں[11] نثار دوستوں کو، جو اس سخت مجبوری میں بھی جاں نثاری کا ثبوت دیتے ہیں، روتے ہوئے جانے کا حکم فرماتا ہے کہ خدانخواستہ وہ عذاب ان پر نہ نازل ہو جائے۔ ہم لوگ کسی بستی میں زلزلہ آجائے، تو اس کو سیر[12] گاہ بناتے ہیں۔ کھنڈروں کی تفریح کو جاتے ہیں اور رونا تو درکنار[13]، رونے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے۔

حل لغات: (۱) حاضر۔ (۲) باری باری۔ (۳) تنگی کا لشکر۔ (۴) بنیاد۔ (۵) مشکلیں۔ (۶) بے سہارا۔ (۷) علاوہ۔ (۸) مجبور لوگ۔ (۹) ساتھ میں سفر کرنے والے۔ (۱۰) خدانہ کرے۔ (۱۱) وفادار۔ (۱۲) گھومنے کی جگہ۔ (۱۳) الگ رہا۔

⑨ تبوک میں حضرت کعب ؓ کی غیر حاضری اور توبہ

اسی تبوک کی لڑائی میں معذورین کے علاوہ اسّی[۸۰] سے زیادہ تو منافق اور انصار میں سے تھے اور اتنے ہی تقریباً بدوی[۱] لوگوں میں سے، ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت باہر کے لوگوں میں سے ایسی تھی، جو شریک نہیں ہوئے اور اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ لوگ دوسروں کو بھی ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ﴾ [سورۂ توبہ:۸۱] کہہ کر روکتے تھے (گرمی میں نہ نکلو) حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ ''جہنم کی آگ کی گرمی بہت سخت ہے''۔ ان کے علاوہ تین سچے پکے مسلمان بھی ایسے تھے جو بلا کسی قوی[۲] عذر کے اس لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے، ایک کعب بن مالک ؓ، دوسرے ہلال بن اُمیہ ؓ، تیسرے مُرارۃ بن رَبیع ؓ، یہ تینوں حضرات کسی نفاق یا عذر سے نہیں ٹھہرے، بلکہ خوش حالی[۳] ہی سبب رہ جانے کا بن گئی۔ کعب ؓ اپنی سرگذشت[۴] جو اس موقع پر پیش آئی، مفصل[۵] سناتے ہیں جو آئندہ آرہی ہے۔

مُرارۃ بن رَبیع ؓ کا باغ خوب پھل رہا تھا، ان کو خیال ہوا کہ اگر میں چلا گیا، تو یہ سب ضائع ہو جائے گا، ہمیشہ میں لڑائیوں میں شریک ہوتا ہی رہا ہوں، اگر اس مرتبہ رہ گیا تو کیا مضائقہ[۶] ہے، اس لیے ٹھہر گئے، مگر جب تنبّہ[۷] ہوا، تو چوں کہ باغ ہی اس کا سبب ہوا تھا، اس لیے سب کو اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا۔

ہلال ؓ کے اہل و اعزہ[۸] جو کہیں کہیں گئے ہوئے تھے، اتفاق سے اس موقع پر سب جمع ہو گئے، ان کو بھی یہی خیال ہوا کہ ہمیشہ شرکت کرتا ہی رہتا ہوں، اگر اس موقع پر نہ جاؤں تو کیا حرج ہے، اس لیے ٹھہر گئے؛ مگر تنبّہ ہونے پر سب سے تعلقات منقطع[۹] کر لینے کا ارادہ کیا کہ یہ تعلقات ہی اس لڑائی میں شرکت نہ کر سکنے کا سبب ہوئے۔

حضرت کعب ؓ کا قصہ احادیث میں کثرت سے آتا ہے، وہ اپنی سرگذشت بڑی تفصیل سے سنایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں تبوک سے پہلے کسی لڑائی میں بھی اتنا قوی و مالدار نہیں تھا، جتنا کہ تبوک کے وقت تھا، اس وقت میرے پاس خود اپنی ذاتی دو اُونٹنیاں تھیں، اس سے پہلے کبھی بھی دو اُونٹنیاں میرے پاس ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ حضور اکرم ﷺ کی ہمیشہ عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جس طرف لڑائی کا ارادہ ہوتا تھا، اس کا اظہار نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ دوسری جانبوں کے احوال دریافت فرماتے تھے، مگر اس لڑائی میں چوں کہ گرمی بھی شدید[۱۰] تھی اور سفر بھی دُور کا تھا، ان کے علاوہ دشمنوں کی بھی بہت بڑی جماعت تھی، اس لیے صاف اعلان فرما دیا تھا؛ تاکہ لوگ تیاری کر لیں؛ چنانچہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت حضور ﷺ کے ساتھ ہو گئی کہ رجسٹر میں ان کا نام بھی لکھنا دشوار تھا اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص اگر چھپنا چاہتا کہ میں نہ

حل لغات: ① عرب کے دیہاتی۔ ② سخت مجبوری۔ ③ مالداری۔ ④ کہانی۔ ⑤ تفصیل کے ساتھ۔ ⑥ حرج۔ ⑦ آگاہی ہوئی۔ ⑧ گھر والے اور رشتہ دار۔ ⑨ ختم۔ ⑩ سخت۔

جاؤں، نہ پتہ چلے، تو دشوار نہ تھا، اس کے ساتھ ہی پھل بالکل پک رہے تھے، میں بھی سامانِ سفر کی تیاری کا صبح ہی سے ارادہ کرتا، مگر شام ہو جاتی اور کسی قسم کی تیاری کی نوبت نہ آتی؛ لیکن میں اپنے دل میں خیال کرتا کہ مجھے وُسعت[1] حاصل ہے، جب ارادہ پُختہ[2] کروں گا فوراً ہو جائے گا، حتّٰی کہ حضور اقدس ﷺ روانہ بھی ہو گئے اور مسلمان آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ؛ مگر میرا سامانِ سفر تیار نہ ہوا، پھر بھی یہی خیال رہا کہ میں ایک دو روز میں تیار کر کے جا ملوں گا، اسی طرح آج کل پر ٹلتا رہا، حتّٰی کے حضور ﷺ کے وہاں پہونچنے کا زمانہ تقریباً آ گیا، اس وقت میں نے کوشش بھی کی؛ مگر سامان نہ ہو سکا، اب میں جب مدینہ طیبہ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں، تو صرف وہی لوگ ملتے ہیں، جن کے اوپر نفاق کا بدنُما داغ لگا ہوا تھا یا وہ معذور[3] تھے اور حضور ﷺ نے بھی تبوک پہونچ کر دریافت فرمایا کہ کعب نظر نہیں پڑتے، کیا بات ہوئی؟ ایک صاحب نے کہا: یارسول اللہ! اس کو اپنے مال و جمال[4] کی اَکڑ[5] نے روکا۔ حضرت معاذ ؓ نے فرمایا کہ غلط کہا، ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ بھلا آدمی ہے، مگر حضور اقدس ﷺ نے بالکل سکوت[6] فرمایا اور کچھ نہیں بولے، حتّٰی کہ چند روز میں مَیں نے واپسی کی خبر سنی، تو مجھے رنج و غم سوار ہوا اور بڑا فکر ہوا، دل میں جھوٹے جھوٹے عذر آتے تھے کہ اس وقت کسی فرضی عُذر[7] سے حضور ﷺ کے غصہ سے جان بچالوں، پھر کسی وقت معافی کی درخواست کرلوں گا اور اس بارے میں اپنے گھرانے کے ہر سمجھ دار سے مشورہ کرتا رہا، مگر جب مجھے معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ تشریف لے ہی آئے، تو میرے دل نے فیصلہ کیا کہ بغیر سچ کے کوئی چیز نجات نہ دے گی اور میں نے سچ سچ عرض[8] کرنے کی ٹھان ہی لی۔ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اوّل مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت تَحِیَّۃُ المَسجِد پڑھتے اور وہاں تھوڑی دیر تشریف رکھتے کہ لوگوں سے ملاقات فرمائیں؛ چنانچہ حسبِ[9] معمول حضور ﷺ تشریف فرما ہے اور منافق لوگ آکر جھوٹے جھوٹے عُذر کرتے اور قسمیں کھاتے رہے۔ حضور ﷺ ان کے ظاہر حال کو قبول فرماتے رہے اور باطن[10] کو اللہ کے سپرد فرماتے رہے کہ اتنے میں مَیں بھی حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضور ﷺ نے ناراضگی کے انداز میں تبسّم فرمایا اور اِعراض[11] فرمایا۔ میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ نے اعراض فرمالیا؟ میں خدا کی قسم! نہ تو منافق ہوں، نہ مجھے ایمان میں کچھ تَرَدُّد[12] ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہاں آ۔ میں قریب ہو کر بیٹھ گیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تُو نے اونٹنیاں نہیں خرید رکھی تھیں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں کسی دنیا دار کے پاس اس وقت ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کے غصہ سے معقول[13] عذر کے ساتھ خلاصی پالیتا کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، لیکن آپ ﷺ کے متعلق

حل لغات: (۱) گنجائش۔ (۲) پکا۔ (۳) مجبور۔ (۴) خوبصورتی۔ (۵) گھمنڈ۔ (۶) خاموشی۔ (۷) بہانے۔ (۸) بیان۔ (۹) عادت کے مطابق۔ (۱۰) اندرونی حالت۔ (۱۱) منہ پھیر لیا۔ (۱۲) شک۔ (۱۳) مناسب۔ (۱۴) چھٹکارا۔

مجھے معلوم ہے کہ اگر آج جھوٹ سے آپ کو راضی کرلوں، تو قریب ہے کہ اللہ جلّ جلالہٗ مجھ سے ناراض ہوں گے اور اگر آپ ﷺ سے صاف صاف عرض کردوں، تو آپ ﷺ کو غصہ آئے گا؛ لیکن قریب ہے کہ اللہ کی پاک ذات آپ کے عتاب[1] کو زائل[2] فرمادے گی؛ اس لیے سچ ہی عرض کرتا ہوں کہ واللہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا اور جیسا فارغ اور وُسعت[3] والا میں اس زمانہ میں تھا، کسی زمانہ میں بھی اس سے پہلے نہیں ہوا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر فرمایا کہ اچھا اُٹھ جاؤ، تمہارا فیصلہ حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے۔ میں وہاں سے اُٹھا، تو میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے ملامت کی کہ تُو نے اس سے پہلے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، اگر تُو کوئی عذر کرکے حضور ﷺ سے استغفار کی درخواست کرتا، تو حضور ﷺ کا استغفار تیرے لیے کافی تھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ کوئی اور بھی ایسا شخص ہے، جس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو؟ لوگوں نے بتلایا کہ دو شخصوں کے ساتھ اَور بھی یہی معاملہ ہوا کہ انہوں نے بھی یہی گفتگو کی، جو تُو نے کی اور یہی جواب اُن کو ملا، جو تجھ کو ملا۔ ایک ہلال بن اُمیّہ ؓ۔ دوسرے مُرارۃ بن رَبیع ؓ۔ میں نے دیکھا کہ دو صالح[4] شخص جو دونوں بدری[5] ہیں، وہ بھی میرے شریکِ حال ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ہم تینوں سے بولنے کی ممانعت بھی فرمادی کہ کوئی شخص ہم سے کلام[6] نہ کرے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ غصہ اسی پر آتا ہے، جس سے تعلق ہوتا ہے اور تنبیہ اُسی کو کی جاتی ہے، جس میں اس کی اہلیت[7] بھی ہو۔ جس میں اصلاح و صلاح[8] کی قابلیت ہی نہ ہو اُس کو تنبیہ ہی کون کرتا ہے۔ کعب ؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ممانعت پر لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا اور ہم سے اجتناب[9] کرنے لگے اور گویا دنیا ہی بدل گئی، حتیٰ کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے مجھے تنگ معلوم ہونے لگی، سارے لوگ اجنبی[10] معلوم ہونے لگے، در و دیوار اُو پرے بن گئے، مجھے سب سے زیادہ اس کا فکر تھا کہ میں اس حال میں مرگیا، تو حضور ﷺ جنازے کی نماز بھی نہ پڑھیں گے اور خُدانخواستہ[11] حضور ﷺ کا وِصال[12] ہوگیا، تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا ہی رہوں گا، نہ مجھ سے کوئی کلام کرے گا، نہ میری نماز پڑھے گا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف کون کرسکتا ہے، غرض ہم لوگوں نے پچاس دن اسی حال میں گزارے۔ میرے دونوں ساتھی تو شروع ہی سے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے، میں سب میں قوی[13] تھا، چلتا پھرتا، بازار میں جاتا، نماز میں شریک ہوتا، مگر مجھ سے بات کوئی نہ کرتا، حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوکر سلام کرتا اور بہت غور سے خیال کرتا کہ حضور ﷺ کے لبِ مبارک جواب کے لیے ہلے یا نہیں، نماز کے بعد حضور ﷺ کے قریب ہی کھڑے ہوکر نماز پوری کرتا اور آنکھ چُرا[14] کر دیکھتا کہ حضور ﷺ مجھے دیکھتے بھی ہیں یا نہیں، جب

حل لغات: (۱) غصہ۔ (۲) ختم۔ (۳) کشادگی۔ (۴) نیک۔ (۵) بدری وہ لوگ کہلاتے ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ ان کی بزرگی اور بڑائی مسلّم ہے، احادیث میں بھی ان کی فضیلت آئی ہے، کتنی ہی حدیثوں میں ان کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی ان سے خوش ہونے کی بشارتیں آئی ہیں۔ (۶) بات۔ (۷) صلاحیت۔ (۸) درستگی اور بھلائی کی صلاحیت۔ (۹) بچنا۔ (۱۰) اجنبی۔ (۱۱) خدانہ کرے۔ (۱۲) انتقال۔ (۱۳) طاقتور۔ (۱۴) چپکے چپکے دیکھنا۔

میں نماز میں مشغول ہوتا، تو حضور ﷺ مجھے دیکھتے اور جب میں اُدھر متوجہ ہوتا، تو حضور ﷺ منہ پھیر لیتے اور میری جانب سے اعراض فرمالیتے۔

غرض یہی حالات گذرتے رہے اور مسلمانوں کا بات چیت بند کرنا مجھ پر بہت ہی بھاری ہوگیا، تو میں اَبوقتادہ ؓ کی دیوار پر چڑھا، وہ میرے رشتہ کے چچازاد بھائی بھی تھے اور مجھ سے تعلقات بھی بہت ہی زیادہ تھے، میں نے اوپر چڑھ کر سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا، میں نے ان کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے؟ انہوں نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ میں نے دوبارہ قسم دی اور دریافت کیا، وہ پھر بھی چپ ہی رہے۔ میں نے تیسری مرتبہ پھر قسم دے کر پوچھا، انہوں نے کہا: اللہ جانے اور اس کا رسول۔ یہ کلمہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہاں سے لوٹ آیا۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ مدینہ کے بازار میں جارہا تھا کہ ایک قبطی[۲] کو جو نصرانی[۳] تھا اور شام سے مدینہ منورہ اپنا غلّہ[۴] فروخت[۵] کرنے آیا تھا، یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوئی کعب بن مالک کا پتہ بتادو، لوگوں نے اس کو میری طرف اشارہ کرکے بتایا، وہ میرے پاس آیا اور غسّان[۶] کے کافر بادشاہ کا خط مجھے لا کر دیا، اس میں لکھا ہوا تھا: ہمیں معلوم ہوا کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کر رکھا ہے، تمہیں اللہ ذلّت کی جگہ نہ رکھے اور نہ ضائع کرے، تم ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہاری مدد کریں گے۔ (دنیا کا قاعدہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے کی طرف سے اگر چھوٹوں کو تنبیہ ہوتی ہے، تو اُن کو بہکانے والے اور زیادہ کھونے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور خیر خواہ[۷] بن کر اس قسم کے الفاظ سے اشتعال[۸] دلایا ہی کرتے ہیں) کعب ؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ خط پڑھ کر "إِنَّا لِلّٰهِ" پڑھی کہ میری حالت یہاں تک پہونچ گئی کہ کافر بھی مجھ میں طمع[۹] کرنے لگے اور مجھے اسلام تک سے ہٹانے کی تدبیریں ہونے لگیں، یہ ایک اور مصیبت آئی اور اس خط کو لے جاکر میں نے ایک تنور میں پھونک دیا اور حضور ﷺ سے جاکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے اعراض[۱۰] کی وجہ سے میری یہ حالت ہوگئی کہ کافر مجھ میں طمع کرنے لگے۔ اسی حالت میں چالیس روز ہم پر گزرے تھے کہ حضور ﷺ کا قاصد[۱۱] میرے پاس حضور ﷺ کا یہ ارشاد[۱۲] والا لے کر آیا کہ اپنی بیوی کو بھی چھوڑ دو، میں نے دریافت کیا کہ کیا منشاء[۱۳] ہے، اس کو طلاق دے دوں؟ کہا: نہیں، بلکہ علیحدگی[۱۴] اختیار کرلو اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی ان ہی قاصد کی معرفت[۱۵] یہی حکم پہونچا، میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تُو اپنے میکہ میں چلی جا، جب تک اللہ تعالیٰ شانہٗ اس امر کا فیصلہ فرمائیں؛ وہیں رہنا۔ ہلال بن اُمیّہ ؓ کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہلال بالکل بوڑھے شخص ہیں، کوئی خبر گیری[۱۵] کرنے والا نہ ہوگا، تو

حل لغات: (۱) مصر کا رہنے والا۔ (۲) عیسائی۔ (۳) اناج۔ (۴) بیچنا۔ (۵) ایک ملک۔ (۶) بھلائی چاہنے والا۔ (۷) بھڑکانا۔ (۸) لالچ۔ (۹) منہ پھیرنے۔ (۱۰) پیغام لانے والا۔ (۱۱) حکم۔ (۱۲) ارادہ۔ (۱۳) جدائی۔ (۱۴) ذریعہ سے۔ (۱۵) دیکھ بھال۔

ہلاک ہو جائیں گے، اگر آپ اجازت دیں اور آپ کو گرانی[1] نہ ہو، تو میں کچھ کام کاج ان کا کر دیا کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مضائقہ[2] نہیں، لیکن صحبت نہ کریں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس چیز کی طرف تو اُن کو میلان بھی نہیں، جس روز سے یہ واقعہ پیش آیا، آج تک اُن کا وقت روتے ہی گزر رہا ہے۔ کعب ﷺ کہتے ہیں: مجھ سے بھی کہا گیا[3] کہ ہلال کی طرح تُو بھی اگر بیوی کی خدمت کی اجازت لے لے، تو شاید مل جائے۔ میں نے کہا: وہ بوڑھے ہیں، میں جوان ہوں، نہ معلوم مجھے کیا جواب ملے؟ اس لیے میں جرأت[4] نہیں کرتا۔ غرض اس حال میں دس روز اور گزرے کہ ہم سے بات چیت، میل جول چُھٹے ہوئے پورے پچاس دن ہو گئے، پچاسویں دن کی صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھ کر میں نہایت غمگین بیٹھا ہوا تھا، زمین مجھ پر بالکل تنگ تھی اور زندگی دوبھر[5] ہو رہی تھی کہ ''سَلع'' پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک زور سے چلّانے والے نے آواز دی کہ کعب! خوشخبری ہو تم کو۔ میں اتنا ہی سن کر سجدے میں گر گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا اور سمجھا کہ تنگی دور ہو گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہماری معافی کا اعلان فرمایا۔ جس پر ایک شخص نے تو پہاڑ پر چڑھ کر زور سے آواز دی کہ وہ سب سے پہلے پہونچ گئی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑے پر سوار بھاگے ہوئے آئے، میں جو کپڑے پہن رہا تھا، وہ نکال کر بشارت[6] دینے والے کی نذر[7] کر دیے، خدا کی قسم! ان دو کپڑوں[8] کے سوا اور کوئی کپڑا اس وقت میری مِلک[9] میں نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے دو کپڑے مانگے ہوئے پہنے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اسی طرح میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری لے کر لوگ گئے۔ میں جب مسجد نبوی میں حاضر ہوا، تو وہ لوگ جو خدمتِ اقدس میں حاضر تھے، مجھے مبارک باد دینے کے لیے دوڑے اور سب سے پہلے ابوطلحہ نے بڑھ کر مبارک باد دی اور مصافحہ کیا، جو ہمیشہ ہی یادگار رہے گا۔ میں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں جا کر سلام کیا، تو چہرۂ انور کھل رہا تھا اور انوار خوشی کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی کے وقت میں چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری توبہ کی تکمیل[10] یہ ہے کہ میری جائداد جو ہے، وہ سب اللہ کے راستے میں صدقہ ہے (کہ یہ ثروت[11] ہی اس مصیبت کا سبب بنی تھی) حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس میں تنگی ہوگی، کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو، میں نے عرض کیا کہ بہتر ہے خیبر[12] کا حصہ رہنے دیا جائے، مجھے سچ ہی نے نجات دی، اس لیے میں نے عہد کر لیا کہ ہمیشہ ہی سچ بولوں گا۔ [درمنثور، فتح الباری]

فائدہ: یہ ہے صحابۂ کرام ﷺ کی اطاعت اور دین داری کا اور اللہ کے خوف کا نمونہ کہ ہمیشہ جنگ میں یہ

حل لغات: (۱) ناراضگی۔ (۲) حرج۔ (۳) ممکن ہے کہ بیوی نے کہا ہو کہ بیویوں سے علیحدگی کا حکم اب تک نہیں ہوا تھا یا کسی بچے یا منافق نے کہا ہو کہ صحابہ ﷺ تو بولتے ہی نہ تھے۔ (۴) ہمت۔ (۵) دشوار۔ (۶) خوشخبری۔ (۷) حوالے۔ (۸) اگرچہ کپڑے کے سوا اور مال موجود تھا، مگر اس وقت کی عام زندگی یہی تھی کہ فضول چیزیں زیادہ نہ ہوتی تھیں، اس لیے کپڑے ۲ رہی تھے۔ (۹) قبضہ۔ (۱۰) کامل ہونا۔ (۱۱) مالداری۔ (۱۲) ملک عرب کی ایک جگہ کا نام۔

حضرات شریک رہے؛ ایک مرتبہ کی غیر حاضری پر کیا کیا عتاب[1] ہوا اور اس کو کس فرمانبرداری سے برداشت کیا کہ پچاس دن رو کر گزار دیے اور مال جس کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا تھا، وہ بھی صدقہ کر دیا اور کافروں نے طمع[2] دلائی، تو بجائے مشتعل[3] ہونے کے اور زیادہ پشیمان[4] ہوئے اور اس کو بھی اللہ کا عتاب اور حضور ﷺ کے اعراض[5] کی وجہ سے سمجھا کہ میرے دین کا ضعف[6] اس درجہ تک پہونچ گیا کہ کافروں کو اس کی طمع ہونے لگی کہ وہ مجھے بے دین بنا دیں۔ ہم لوگ بھی مسلمان ہیں، اللہ اور اس کے پاک رسول ﷺ کے ارشادات بھی سامنے ہیں، بڑے سے بڑا حکم، نماز ہی کا لے لو کہ ایمان کے بعد اس کے برابر کوئی چیز بھی نہیں۔ کتنے ہیں جو اس حکم کی تعمیل[7] کرتے ہیں؟ اور جو کرتے ہیں، وہ بھی کیسی کرتے ہیں؟ اس کے بعد زکوٰۃ اور حج کا تو پوچھنا ہی کیا کہ اس میں تو مال بھی خرچ ہوتا ہے۔

⑩ صحابہ ؓ کے ہنسنے پر حضور ﷺ کی تنبیہ اور قبر کی یاد دہانی

نبیٔ اکرم ﷺ ایک مرتبہ نماز کے لیے تشریف لائے، تو ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ کھل کھلا کر ہنس رہی تھی اور ہنسی کی وجہ سے دانت کھل رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، تو جو حالت میں دیکھ رہا ہوں وہ پیدا نہ ہو، لہٰذا موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا، جس میں وہ یہ آواز نہ دیتی ہو کہ میں بے[8] گانگی کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، مٹی کا گھر ہوں، کیڑوں کا گھر ہوں۔ جب کوئی مؤمن قبر میں رکھا جاتا ہے، تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا مبارک ہے، بہت اچھا کیا تُو آ گیا، جتنے آدمی زمین پر چلتے تھے، تُو اُن سب میں مجھے زیادہ پسند تھا، آج جب تُو میرے پاس آیا ہے، تو میرے بہترین سلوک[9] کو دیکھے گا۔ اس کے بعد وہ قبر جہاں تک مُردے کی نظر پہونچ سکے، وہاں تک وسیع[10] ہو جاتی ہے اور ایک دروازہ اس میں جنت کا کھل جاتا ہے، جس سے وہاں کی ہوا اور خوشبوئیں اس کو آتی رہتی ہیں اور جب کوئی بدکردار[11] قبر میں رکھا جاتا ہے، تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا نامبارک ہے، بُرا کیا جو تُو آیا۔ زمین پر جتنے آدمی چلتے تھے، اُن سب میں تجھ ہی سے مجھے زیادہ نفرت تھی، آج جب تُو میرے حوالہ ہوا ہے، تو میرے برتاؤ[12] کو بھی دیکھ لے گا۔ اس کے بعد وہ اس طرح سے اس کو دباتی ہے کہ پسلیاں آپس میں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور ستّر اژدہے اُس پر ایسے مسلّط[13] ہو جاتے ہیں کہ اگر ایک بھی زمین پر پھنکار[14] مارے، تو اس کے اثر سے زمین پر گھاس تک باقی نہ رہے، وہ اس کو قیامت تک ڈستے رہتے ہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "قبر" یا جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا ہے۔ [مشکوٰۃ]

حل لغات: ① غصہ۔ ② لالچ۔ ③ بھڑکنا۔ ④ شرمندہ۔ ⑤ منہ پھیرنا۔ ⑥ کمزوری۔ ⑦ حکم پورا کرنا۔ ⑧ اجنبیت۔ ⑨ برتاؤ۔ ⑩ کشادہ، چوڑی۔ ⑪ گنہگار۔ ⑫ مقرر۔ ⑬ پھونک۔

فائدہ: اللہ کا خوف بڑی ضروری اور اہم چیز ہے؛ یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اکثر کسی گہری سوچ میں رہتے تھے اور موت کا یاد کرنا اس کے لیے مفید ہے، اسی لیے حضور اقدس ﷺ نے یہ نسخہ ارشاد فرمایا۔ کبھی کبھی موت کو یاد کرتے رہنا بہت ہی ضروری اور مفید ہے۔

(۱۱) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو اپنے متعلق نِفاق کا ڈر

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور ﷺ کی مجلس میں تھے، حضور اقدس ﷺ نے وعظ[۱] فرمایا، جس سے قلوب[۲] نرم ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اپنی حقیقت ہمیں ظاہر ہو گئی۔ حضور ﷺ کی مجلس سے اُٹھ کر میں گھر آیا، بیوی بچے پاس آ گئے اور کچھ دنیا کا ذکر تذکرہ شروع ہو گیا اور بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا، بیوی کے ساتھ مذاق شروع ہو گیا اور وہ حالت جاتی رہی، جو حضور ﷺ کی مجلس میں تھی۔ دفعۃً[۳] خیال آیا کہ میں پہلے سے کس حال میں تھا، اب کیا ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تُو تو منافق[۴] ہو گیا کہ ظاہر میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے تو وہ حال تھا اور اب گھر میں آ کر یہ حالت ہو گئی، میں اس پر افسوس اور رنج کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا گھر سے نکلا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ سامنے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے تھے، میں نے ان سے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا، وہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ میں نے صورت بیان کی کہ ہم لوگ جب حضور ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور حضور ﷺ دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں، تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں، گویا وہ دونوں ہمارے سامنے ہیں اور جب حضور ﷺ کے پاس سے آ جاتے ہیں، تو بیوی، بچوں اور جائداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھُول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہم کو بھی پیش آتی ہے، اس لیے دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں تو منافق ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہوئی؟ حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب ہم لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں، تب تو ہم ایسے ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہیں؛ لیکن جب خدمتِ اقدس سے چلے جاتے ہیں، تو جا کر بیوی، بچوں اور گھر، باہر کے دھندوں میں لگ کر بھُول جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے، جیسا میرے سامنے ہوتا ہے، تو فرشتے تمہارے سے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں، لیکن حنظلہ بات یہ ہے کہ گاہے[۵] گاہے گاہے۔

[اِحیاء، مسلم]

حل لغات: ① دین کی بات بتلانا۔ ② دل۔ ③ اچانک۔ ④ وہ شخص جو ظاہر میں مسلمان ہو گیا ہو، مگر دل سے کافر۔ ⑤ یعنی کبھی کبھی۔

فائدہ: یعنی آدمی کے ساتھ انسانی ضرورتیں بھی لگی ہوئی ہیں، جن کو پورا کرنا بھی ضروری ہے، کھانا پینا، بیوی بچے اور ان کی خیر خبر لینا یہ بھی ضروری چیزیں ہیں، اس لیے اس قسم کے حالات کبھی کبھی حاصل ہوتے ہیں، نہ ہر وقت یہ حاصل ہوتے ہیں اور نہ اس کی اُمید رکھنا چاہیے۔ یہ فرشتوں کی شان ہے کہ ان کو کوئی دوسرا دھندہ ہی نہیں، نہ بیوی بچے، نہ فکرِ معاش اور نہ دنیوی قصے؛ اور انسان کے ساتھ چوں کہ بشری ضروریات لگی ہوئی ہیں، اس لیے وہ ہر وقت ایک سی حالت پر نہیں رہ سکتا، لیکن غور کی بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام ؓ کو اپنے دین کی کتنی فکر تھی کہ ذرا سی بات سے کہ حضور ﷺ کے سامنے جو حالت ہماری ہوتی ہے، وہ بعد میں نہیں رہتی، اس سے اپنے منافق ہونے کا ان کو فکر ہو گیا۔ ''عشق است و ہزار بدگمانی''، عشق جس سے ہوتا ہے، اس کے متعلق ہزار طرح کی بدگمانی اور فکر ہو جاتا ہے۔ بیٹے سے محبت ہو اور وہ کہیں سفر میں چلا جائے، پھر دیکھئے ہر وقت خیریت کی خبر کا فکر رہتا ہے اور جو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہاں طاعون ہے یا فساد ہو گیا، پھر خدا جانے کتنے خطوط اور تار پہونچیں گے۔

تکمیل: اللہ کے خوف کے متفرق احوال

قرآن شریف کی آیات اور حضور ﷺ کی احادیث اور بزرگوں کے واقعات میں اللہ جلّ شانہٗ سے ڈرنے کے متعلق جتنا کچھ ذکر کیا گیا ہے، اس کا احاطہ تو دشوار ہے؛ لیکن مختصر طور پر اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ دین کے ہر کمال کا زینہ ''اللہ کا خوف ہے''۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حکمت کی جڑ اللہ کا خوف ہے۔ حضرت ابن عمر ؓ بہت رویا کرتے تھے، حتّٰی کہ روتے روتے آنکھیں بھی بیکار ہو گئی تھیں، کسی شخص نے ایک مرتبہ دیکھ لیا، تو فرمانے لگے کہ میرے رونے پر تعجب کرتے ہو؟ اللہ کے خوف سے سورج روتا ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی قصہ آیا تو فرمایا کہ اللہ کے خوف سے چاند روتا ہے۔ ایک نوجوان صحابی پر حضور ﷺ کا گزر ہوا، وہ پڑھ رہے تھے جب ﴿فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾ [سورۂ رحمٰن] پر پہونچے، تو بدن کے بال کھڑے ہو گئے، روتے روتے دَم گھٹنے لگا اور کہہ رہے تھے: ہاں! جس دن آسمان پھٹ جاویں گے، (یعنی قیامت کے دن) میرا کیا حال ہوگا؟ ہائے میری بربادی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اس رونے کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے۔ ایک انصاری نے تہجد پڑھا اور پھر بیٹھ کر بہت روئے، کہتے تھے: اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں جہنم کی آگ کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے آج فرشتوں کو رُلا دیا۔ عبداللہ بن رَوَاحَہ ؓ ایک صحابی ہیں، رو رہے تھے، بیوی بھی ان کی اس حالت کو دیکھ کر رونے لگیں،

حل لغات: ① روزی کی فکر۔ ② انسانی۔ ③ مختلف۔ ④ حالتیں۔ ⑤ تمام چیزوں کو جمع کرنا۔ ⑥ مشکل۔ ⑦ سیڑھی۔ ⑧ سانس رکنا۔

پوچھا کہ تم کیوں روتی ہو؟ کہنے لگیں کہ جس وجہ سے تم روتے ہو۔ عبداللہ بن رَوَاحَہ ؓ نے کہا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ جہنم پر تو گزرنا ہے ہی، نہ معلوم نجات ہو سکے گی یا وہیں رہ جاؤں گا۔ [قیام اللیل] زُرارہ بن اَوفیٰ ؒ ایک مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے ﴿فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۝﴾ الآیۃ [سورۂ مدثر] پر جب پہونچے، تو فوراً گر گئے اور انتقال ہو گیا، لوگ اُٹھا کر گھر تک لائے۔ حضرت خُلَیدؒ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے ﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [سورۂ آل عمران: ۱۸۵] پر پہونچے، تو اس کو بار بار پڑھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھر کے ایک کونے سے آواز آئی کہ کتنی مرتبہ اس کو پڑھو گے؟ تمہارے اس بار بار کے پڑھنے سے چار جن مر چکے ہیں۔ ایک اور صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ پڑھتے پڑھتے جب ﴿وَرُدُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ [سورۂ یونس: ۳۰] پر پہونچے، تو ایک چیخ ماری اور تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ اور بھی اس قسم کے واقعات کثرت سے گزرے ہیں۔ حضرت فضیلؒ مشہور بزرگ ہیں کہتے ہیں کہ اللہ کا خوف ہر خیر کی طرف رہبری[1] کرتا ہے۔ حضرت شبلیؒ کے نام سے سب ہی واقف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب بھی میں اللہ سے ڈرا ہوں، اس کی وجہ سے مجھ پر حکمت[2] اور عبرت کا ایسا دروازہ کھلا ہے، جو اس سے پہلے نہیں کھلا۔ حدیث میں آیا ہے: اللہ جلّ شانہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کرتا اور دو بے فکریاں نہیں دیتا، اگر دنیا میں مجھ سے بے فکر رہے، تو قیامت میں ڈراتا ہوں اور دنیا میں ڈرتا رہے، تو آخرت میں بے فکری عطا کرتا ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے، اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جو غیر اللہ سے ڈرتا ہے، اس کو ہر چیز ڈراتی ہے۔ یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں کہ آدمی بے چارہ اگر جہنم سے اتنا ڈرنے لگے، جتنا تنگدستی[3] سے ڈرتا ہے، تو سیدھا جنت میں جائے۔ ابوسلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ جس دل سے اللہ کا خوف جاتا رہتا ہے، وہ برباد ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس آنکھ سے اللہ کے خوف کی وجہ سے ذرا سا آنسو خواہ[4] مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو، نکل کر چہرہ پر گرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آگ پر حرام فرما دیتا ہے۔ حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جب مسلمان کا دل اللہ کے خوف سے کانپتا ہے، تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے درختوں سے پتے جھڑتے ہیں۔ میرے نبی ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے، اس کا آگ میں جانا ایسا ہی مشکل ہے، جیسا دودھ کا تھنوں میں واپس جانا۔ حضرت عُقبہ بن عامر ؓ ایک صحابی ہیں، انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ نجات کا راستہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو، گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی خطاؤں[5] پر روتے رہو۔ حضرت عائشہ ؓ نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ آپ کی اُمت میں کوئی ایسا بھی ہے، جو بے حساب کتاب جنت میں داخل ہو؟ حضور ﷺ نے

حل لغات: (۱) راستہ دکھانا۔ (۲) سمجھ اور نصیحت۔ (۳) غریبی۔ (۴) چاہے۔ (۵) غلطیوں۔

فرمایا: ہاں! جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا رہے۔ میرے آقا ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں: ایک آنسو کا قطرہ، جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو، دوسرا خون کا قطرہ، جو اللہ کے راستہ میں گرا ہو۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی ایسے ہوں گے، جن کو اللہ جلّ شانہٗ اپنا سایہ عطا فرماویں گے، ایک وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی وجہ سے اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ارشاد ہے کہ جو رو سکتا ہو وہ روئے، اور جس کو رونا نہ آئے، وہ رونے کی صورت ہی بنالے۔ محمد بن مُنکدِر ؒ جب روتے تھے، تو آنسوؤں کو اپنے منہ اور داڑھی سے پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے یہ روایت پہونچی ہے کہ جہنم کی آگ اس جگہ کو نہیں چھوتی، جہاں آنسو پہونچے ہوں۔ ثابت بنانی ؒ کی آنکھیں دکھنے لگیں، طبیب نے کہا کہ ایک بات کا وعدہ کرلو، آنکھ اچھی ہوجاوے گی کہ رویا نہ کرو۔ کہنے لگے: آنکھ میں کوئی خوبی ہی نہیں اگر وہ روئے نہیں۔ یزید بن مَیْسَرَہ ؒ کہتے ہیں کہ رونا سات وجہ سے ہوتا ہے: (۱) خوشی سے (۲) جنون[1] سے (۳) درد سے (۴) گھبراہٹ سے (۵) دکھلاوے سے (۶) نشہ سے (۷) اور اللہ کے خوف سے۔ یہی ہے وہ رونا کہ اس کا ایک آنسو بھی آگ کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔ کَعبِ اَحبار ؒ کہتے ہیں: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! کہ اگر میں اللہ کے خوف سے روؤں اور آنسو میرے رخسار[2] پر بہنے لگیں، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کروں۔ ان کے علاوہ اور بھی ہزاروں ارشادات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی یاد میں اور اپنے گناہوں کی فکر میں رونا کیمیا[3] ہے اور بہت ہی ضروری اور مفید اور اپنے گناہوں پر نظر کر کے یہی حالت ہونا چاہیے؛ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی اُمید میں بھی کمی نہ ہو۔ یقیناً اللہ کی رحمت ہر شئے[4] کو وسیع[5] ہے۔ حضرت عمر ؓ کا ارشاد ہے کہ اگر قیامت میں یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سوا سب کو جہنم میں داخل کرو، تو مجھے اللہ کی رحمت سے یہ اُمید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں اور اگر یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سوا سب کو جنت میں داخل کرو، تو مجھے اپنے اعمال سے یہ خوف ہے کہ وہ شخص میں ہی نہ ہوں۔ اس لیے دونوں چیزوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا اور رکھنا چاہیے۔ بالخصوص[6] موت کے وقت میں اُمید کا معاملہ زیادہ ہونا چاہیے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ مرے، مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ حُسنِ[7] ظن رکھتا ہوا۔ امام احمد بن حنبل ؒ کا جب انتقال ہونے لگا، تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور فرمایا کہ ایسی احادیث مجھے سناؤ، جن سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُمید بڑھتی ہو۔

حل لغات: (۱) پاگل پن۔ (۲) گال۔ (۳) بہت مفید چیز۔ (۴) چیز۔ (۵) گھیرے ہوئے۔ (۶) خاص طور سے۔ (۷) اچھا گمان۔

تیسرا باب: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زُہد اور فقر کے بیان میں

اس بارہ میں خود نبیٔ اکرم ﷺ کا اپنا معمول اور اس کے واقعات جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ چیز حضور ﷺ کی خود اختیار فرمائی ہوئی اور پسند کی ہوئی تھی؛ اتنی کثرت سے حدیث کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں کہ ان کا مثال کے طور پر بھی جمع کرنا مشکل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''فقر مومن کا تحفہ ہے''۔

① حضور ﷺ کا پہاڑوں کو سونا بنا دینے سے انکار

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میرے رب نے مجھ پر یہ پیش کیا کہ میرے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونے کا بنا دیا جائے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ! مجھے تو یہ پسند ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں، تو دوسرے دن بھوکا رہوں، تاکہ جب بھوکا ہوں تو تیری طرف زاری کروں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں، تو تیرا شکر کروں، تیری تعریف کروں''۔ [ترمذی]

فائدہ: یہ اس ذات مقدس کا حال ہے جس کے ہم نام لیوا ہیں اور اس کی اُمت میں ہونے پر فخر ہے، جس کی ہر بات ہمارے لیے قابلِ اتباع ہے۔

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وسعت طلب کرنے پر تنبیہ اور حضور ﷺ کے گزر کی حالت

بیویوں کی بعض زیادتیوں پر ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے قسم کھالی تھی کہ ایک مہینہ تک ان کے پاس نہ جاؤں گا، تاکہ ان کو تنبیہ ہو اور علیحدہ اوپر ایک حجرہ میں قیام فرمایا تھا۔ لوگوں میں یہ شہرت ہوگئی کہ حضور ﷺ نے سب کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے گھر تھے، جب یہ خبر سنی تو دوڑے ہوئے تشریف لائے، مسجد میں دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر بیٹھے ہوئے حضور ﷺ کے رنج اور غصہ کی وجہ سے رو رہے ہیں، بیبیاں بھی سب اپنے اپنے گھروں میں رو رہی ہیں۔ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، وہ بھی مکان میں رو رہی تھیں، فرمایا کہ اب کیوں رو رہی ہے؟ کیا میں ہمیشہ اس سے ڈرایا نہیں کرتا تھا کہ حضور ﷺ کی ناراضگی کی کوئی بات نہ کیا کر؟ اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے، وہاں ایک جماعت منبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رہے، مگر شدتِ رنج سے بیٹھا نہ گیا، تو حضور ﷺ جس جگہ تشریف فرما تھے، اس کے قریب تشریف لے گئے اور حضرت رباح رضی اللہ عنہ ایک غلام کے ذریعہ سے جو دو باری کے زینہ پر پاؤں

حل لغات: ① دنیا سے بے رغبتی۔ ② غریبی۔ ③ بات۔ ④ ثبوت دینا۔ ⑤ عاجزی۔ ⑥ کشادگی، خوشحالی۔ ⑦ خرچ کو بڑھانے کی درخواست۔ ⑧ نصیحت، عبرت۔ ⑨ کمرہ۔ ⑩ الگ الگ۔ ⑪ غم کی زیادتی۔ ⑫ اوپر کا کمرہ۔ ⑬ سیڑھی۔

لٹکائے بیٹھے تھے؛ اندر حاضری کی اجازت چاہی، انہوں نے حاضرِ خدمت ہو کر حضرت عمر ﷺ کے لیے اجازت مانگی، مگر حضور ﷺ نے سکوت[1] فرمایا، کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت رباح ﷺ نے آ کر یہی جواب حضرت عمر ﷺ کو دے دیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا، مگر کوئی جواب نہ ملا۔ حضرت عمر ﷺ مایوس ہو کر منبر کے پاس آ بیٹھے، مگر بیٹھا نہ گیا، تو پھر تھوڑی دیر میں حاضر ہو کر حضرت رباح ﷺ کے ذریعہ سے اجازت چاہی۔ اسی طرح تین مرتبہ پیش آیا کہ یہ بے تابی[2] سے غلام کے ذریعہ اجازت حاضری کی مانگتے، ادھر سے جواب میں سکوت اور خاموشی ہی ہوتی۔ تیسری مرتبہ جب لوٹنے لگے، تو حضرت رباح ﷺ نے آواز دی اور کہا کہ تمہیں حاضری کی اجازت ہو گئی۔ حضرت عمر ﷺ حاضرِ خدمت ہوئے، تو دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ ایک بوریے[3] پر لیٹے ہوئے ہیں، جس پر کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں ہے، اس وجہ سے جسم اطہر پر بوریے کے نشانات بھی اُبھر آئے ہیں۔ خوب صورت بدن پر نشانات صاف نظر آیا ہی کرتے ہیں اور سرہانے[4] ایک چمڑے کا تکیہ ہے، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی۔ میں نے سلام کیا اور سب سے اوّل تو یہ پوچھا کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد میں نے دل بستگی[5] کے طور پر حضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، مگر جب مدینہ آئے، تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں مردوں پر غالب ہیں، ان کو دیکھ کر قریش کی عورتیں بھی اس سے متاثر ہو گئیں۔ اس کے بعد میں نے ایک آدھ بات اور کی، جس سے نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور پر تبسم[6] کے آثار ظاہر ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ گھر کا کل سامان یہ تھا: تین چمڑے بغیر دباغت[7] دیے ہوئے اور ایک مٹھی جَو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر دیکھا، تو اس کے سوا کچھ نہ ملا، میں دیکھ کر رو دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیوں نہ روؤں کہ یہ بوریے کے نشانات آپ ﷺ کے بدن مبارک پر پڑ رہے ہیں اور گھر کی کل کائنات[8] یہ ہے، جو میرے سامنے ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! دعا کیجیے کہ آپ کی اُمت ﷺ پر بھی وسعت[9] ہو، یہ روم و فارس[10] بے دین ہونے کے باوجود کہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے، ان پر تو یہ وسعت، یہ قیصر[11] و کسریٰ[12] تو باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں اور آپ اللہ کے رسول اور اس کے خاص بندہ ہو کر یہ حالت؟ نبیٔ اکرم ﷺ تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے، حضرت عمر ﷺ کی یہ بات سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''عمر! کیا اب تک اس بات کے اندر شک میں پڑے ہوئے ہو؟ سنو! آخرت کی وسعت دنیا کی وسعت سے بہت بہتر ہے، ان کفار کو طیبات[13] اور اچھی چیزیں دنیا میں مل

حل لغات: ① خاموش رہے۔ ② بے چینی۔ ③ چٹائی۔ ④ سر رکھنے کی جگہ۔ ⑤ دل بہلانا۔ ⑥ مسکراہٹ۔ ⑦ وہ چمڑا جس کو درست نہ کیا گیا ہو۔ ⑧ پونجی۔ ⑨ کشادگی۔ ⑩ دو ملکوں کے نام۔ ⑪ ملک شام کے بادشاہ کا لقب۔ ⑫ ملک فارس کے بادشاہ کا لقب۔ ⑬ عمدہ چیزیں۔

گئیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں''، حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے لیے استغفار فرمائیں کہ واقعی میں نے غلطی کی۔ [فتح]

فائدہ: یہ دین و دنیا کے بادشاہ اور اللہ کے لاڈلے رسول ﷺ کا طرزِ عمل[1] ہے کہ بوریے پر کوئی چیز بچھی ہوئی بھی نہیں، نشانات بدن پر پڑے ہوئے ہیں، گھر کے ساز و سامان کا حال بھی معلوم ہوگیا؛ اس پر ایک شخص نے دعا کی درخواست کی، تو تنبیہ فرمائی۔ حضرت عائشہ ﷺ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر ہ کیسا تھا؟ فرمایا: کہ ایک چمڑہ کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ ﷺ سے بھی کسی نے پوچھا: کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر ہ کیسا تھا؟ فرمایا کہ: ایک ٹاٹ[2] تھا، جس کو دوہرا[3] کر کے حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیتی تھی؛ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا[4] کر کے بچھا دوں، تو زیادہ نرم ہوجائے؛ چنانچہ ہم نے بچھا دیا۔ حضور ﷺ نے صبح کو فرمایا کہ رات کیا بچھا دیا تھا؟ ہم نے عرض کر دیا کہ وہی ٹاٹ تھا، اس کو چوہرا کر دیا تھا۔ فرمایا: اس کو ویسا ہی کر دو جیسا پہلے تھا، اس کی نرمی رات کو اُٹھنے میں مانع[5] بنتی ہے۔ [شمائل] اب ہم لوگ اپنے نرم نرم اور روئیں دار گدّوں پر بھی نگاہ ڈالیں کہ اللہ نے کس قدر وسعت فرما رکھی ہے اور پھر بھی بجائے شکر کے ہر وقت تنگی کی شکایت ہی زبان پر رہتی ہے۔

۲ حضرت ابوہریرہ ﷺ کی بھوک کا حال

حضرت ابوہریرہ ﷺ ایک مرتبہ کتّان[6] کے کپڑے میں ناک صاف کر کے فرمانے لگے: کیا کہنے ابوہریرہ کے! آج کتّان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے، حالانکہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے، جب حضور اقدس ﷺ کے منبر اور حجرہ کے درمیان میں بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجنون[7] سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے، حالانکہ جنون نہیں تھا، بلکہ بھوک تھی۔

فائدہ: یعنی بھوک کی وجہ سے کئی کئی روز کا فاقہ ہوجاتا تھا، بے ہوشی ہوجاتی تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ جنون ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں مجنون کا علاج گردن کو پاؤں سے دبانے سے کیا جاتا تھا۔ حضرت ابوہریرہ ﷺ بڑے صابر اور قانع[8] لوگوں میں تھے، کئی کئی وقت فاقہ میں گزر جاتے تھے۔ حضور ﷺ کے بعد اللہ نے فتوحات[9] فرمائیں، تو ان پر تونگری[10] آئی، اس کے ساتھ ہی بڑے عابد تھے۔ ان کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں کھجور کی گٹھلیاں بھری رہتی، اُس پر تسبیح پڑھا کرتے، جب وہ ساری تھیلی خالی ہوجاتی، تو باندی اس کو پھر بھر کر پاس رکھ دیتی۔ ان کا یہ بھی معمول تھا کہ خود اور بیوی اور خادم تین آدمی رات کے تین حصے کر لیتے اور نمبر وار ایک شخص تینوں میں سے عبادت میں مشغول رہتا۔ [تذکرۃ الحفاظ]

حل لغات: (۱) زندگی گذارنے کا ڈھنگ۔ (۲) بوری کا کپڑا۔ (۳) دو مرتبہ موڑ کر۔ (۴) چار مرتبہ موڑ کر۔ (۵) روکنے والی۔ (۶) ایک قسم کا باریک کپڑا۔ (۷) پاگل۔ (۸) تھوڑی چیز پر راضی رہنے والا۔ (۹) کامیابیاں۔ (۱۰) مالداری۔

میں نے اپنے والد[1] صاحبؒ سے سنا کہ میرے دادا[2] صاحبؒ کا بھی تقریباً یہی معمول تھا کہ رات کو ایک بجے تک والد صاحبؒ مطالعہ میں مشغول رہتے۔ ایک بجے دادا صاحبؒ تہجد کے لیے اُٹھتے، تو تقاضا فرما کر والد صاحبؒ کو سلا دیتے اور خود تہجد میں مشغول ہو جاتے اور صبح سے تقریباً پون گھنٹہ قبل[3] میرے تائے[4] صاحبؒ کو تہجد کے لیے جگا دیتے اور خود اتباعِ سنت میں آرام فرماتے، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ اِتِّبَاعَھُمْ۔

④ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا بیت المال سے وظیفہ[5]

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے یہاں کپڑے کی تجارت ہوتی تھی اور اسی سے گذر اوقات تھا، جب خلیفہ بنائے گئے، تو حسبِ[6] معمول صبح کو چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار میں فروخت[7] کے لیے تشریف لے چلے، راستہ میں حضرت عمر ﷺ ملے، پوچھا: کہاں چلے؟ فرمایا: بازار جا رہا ہوں۔ حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا کہ اگر تم تجارت میں مشغول رہو گے، تو خلافت کے کام کا کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں؟ عرض کیا کہ ابوعبیدہ جن کو حضور ﷺ نے امین[8] ہونے کا لقب دیا ہے، ان کے پاس چلیں، وہ آپ کے لیے بیت المال سے کچھ مقرر کر دیں گے۔ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے، تو انہوں نے ایک مہاجری کو جو اوسطاً ملتا تھا، نہ کم نہ زیادہ وہ مقرر فرما دیا۔ ایک مرتبہ بیوی نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس تو دام نہیں کہ خریدوں۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ ہم اپنے روز کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں، کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہو جائے گی۔ آپ نے اجازت فرما دی، اہلیہ نے کئی روز میں کچھ تھوڑے سے پیسے جمع کیے، آپ نے فرمایا کہ تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ اتنی مقدار ہمیں بیت المال سے زیادہ ملتی ہے، اس لیے جو اہلیہ نے جمع کیا تھا وہ بھی بیت المال میں جمع فرما دیا اور آئندہ کے لیے اتنی مقدار جتنا انہوں نے روزانہ جمع کیا تھا، اپنی تنخواہ میں سے کم کر دیا۔

فائدہ: اتنے بڑے خلیفہ اور بادشاہ پہلے سے اپنی تجارت بھی کرتے تھے اور وہ ضروریات کو کافی بھی تھی، جیسا کہ اس اعلان سے معلوم ہوتا ہے، جو بخاری میں حضرت عائشہ ﷺ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر ﷺ خلیفہ بنائے گئے، تو آپ نے فرمایا کہ میری قوم کو یہ بات معلوم ہے کہ میرا پیشہ[9] تجارت میرے اہل وعیال کے خرچ کو ناکافی نہیں تھا؛ لیکن اب خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کے کاروبار میں مشغولی ہے، اس لیے بیت المال سے میرے اہل وعیال کا کھانا مقرر ہوگا۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکر ﷺ کا وِصال[10] ہونے لگا، تو حضرت عائشہ ﷺ کو وصیت فرمائی کہ میری ضرورتوں میں جو چیزیں بیت المال کی ہیں، وہ

حل لغات: ① حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ۔ ② حضرت مولانا اسماعیل صاحبؒ۔ ③ پہلے۔ ④ باپ کے بڑے بھائی یعنی حضرت مولانا محمد صاحبؒ۔ ⑤ تنخواہ۔ ⑥ عادت کے موافق۔ ⑦ بیچنا۔ ⑧ امانت دار۔ ⑨ بزنس، کاروبار۔ ⑩ انتقال۔

میرے بعد آنے والے خلیفہ کے حوالے کردی جائیں۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی دینار یا درہم نہیں تھا، ایک اُونٹنی دودھ کی، ایک پیالہ، ایک خادم تھا۔ بعض روایات میں ایک اُوڑھنا ایک بچھونا بھی آیا ہے، یہ اشیاء[1] حضرت عمر ؓ کے پاس جب نیابت[2] میں پہونچیں، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائیں کہ اپنے سے بعد والے کو مشقت[3] میں ڈال گئے۔ [فتح]

⑤ حضرت عمر فاروق ؓ کا بیت المال سے وظیفہ

حضرت عمر ؓ بھی تجارت کیا کرتے تھے، جب خلیفہ بنائے گئے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا۔ مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں تجارت کیا کرتا تھا، اب تم لوگوں نے اس میں مشغول کر دیا، اس لیے اب گذارہ کی کیا صورت ہو؟ لوگوں نے مختلف مقداریں تجویز[4] کیں، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ، چپ بیٹھے تھے، حضرت عمر ؓ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ توسّط[5] کے ساتھ جو تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو کافی ہو جائے۔ حضرت عمر ؓ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کر لیا اور متوسّط[6] مقدار تجویز ہوگئی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں خود حضرت علی ؓ بھی تھے اور حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ ؓ شریک تھے، یہ ذکر آیا کہ حضرت عمر ؓ کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہیے کہ گذر میں تنگی ہوتی ہے، مگر ان سے عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی، اس لیے ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ ؓ جو حضور ﷺ کی بیوی ہونے کی وجہ سے اُم المؤمنین[7] بھی تھیں، ان کی خدمت میں یہ حضرات تشریف لے گئے اور ان کے ذریعہ سے حضرت عمر ؓ کی اجازت اور رائے معلوم کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگوں کے نام معلوم نہ ہوں، حضرت حفصہ ؓ نے جب عمر ؓ سے اس کا تذکرہ کیا، تو چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت عمر ؓ نے نام دریافت کیے حضرت حفصہ ؓ نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ مجھے اُن کے نام معلوم ہو جاتے، تو اُن کے چہرے بدل دیتا، یعنی ایسی سخت سزائیں دیتا کہ منہ پر نشان پڑ جاتے۔ تُو ہی بتا کہ حضور ﷺ کا عمدہ سے عمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ دو کپڑے گیروی[8] رنگ کے، جن کو حضور ﷺ جمعہ کے دن یا کسی وفد[9] کی وجہ سے پہنتے تھے، پھر فرمایا کہ کون سا کھانا تیرے یہاں عمدہ سے عمدہ کھایا؟ عرض کیا کہ ہمارا کھانا جَو کی روٹی تھی، ہم نے گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبہ کی تلچھٹ[10] اُلٹ کر اس کو ایک مرتبہ چپڑ[11] دیا، تو حضور ﷺ خود بھی اس کو مزے لے کر نوش فرما رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے، فرمایا: کون سا بستر عمدہ ہوتا تھا، جو تیرے یہاں بچھاتے تھے؟ عرض کیا: ایک

حل لغات: (۱) چیزیں۔ (۲) نائب ہونا، جانشین ہونا۔ (۳) تکلیف۔ (۴) طے۔ (۵) برابر نہ کم نہ زیادہ۔ (۶) درمیانی۔ (۷) تمام مسلمانوں کی ماں۔ (۸) گہرا گلابی۔ (۹) مخصوص جماعت۔ (۱۰) نیچے جمی ہوئی چیز۔ (۱۱) چکنی چیز لگانا، گھی لگانا۔

موٹا سا کپڑا تھا، گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے اور آدھے کو اُوڑھ لیتے۔ فرمایا کہ حفصہ! ان لوگوں تک یہ بات پہونچا دے کہ حضور ﷺ نے اپنے طرزِ عمل[1] سے ایک اندازہ مقرر فرما دیا اور اُمید (آخرت) پر کفایت[2] فرمائی، میں بھی حضور ﷺ کا اتباع کروں گا، میری مثال اور میرے دو ساتھی حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی مثال ان تین شخصوں کی سی ہے، جو ایک راستہ پر چلے: پہلا شخص ایک توشہ[3] لے کر چلا اور مقصد کو پہونچ گیا، دوسرے نے بھی پہلے کا اتباع کیا اور اسی کے طریقہ پر چلا، وہ بھی پہلے کے پاس پہونچ گیا، پھر تیسرے شخص نے چلنا شروع کیا، اگر وہ دونوں کے طریقہ پر چلے گا، تو ان کے ساتھ مل جائے گا اور اگر ان کے طریقہ کے خلاف چلے گا، تو کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں مل سکے گا۔ [اشہر]

فائدہ: یہ اس شخص کا حال ہے، جس سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے تھے، کانپتے تھے کہ کس زاہدانہ[4] زندگی کے ساتھ عمر گزار دی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے اور آپ کی لنگی میں بارہ پیوند[5] تھے، جن میں سے ایک چمڑہ کا بھی تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لانے میں دیر ہوئی، تو تشریف لا کر معذرت فرمائی کہ مجھے اپنے کپڑے دھونے میں دیر ہوئی اور ان کپڑوں کے علاوہ اور تھے نہیں۔ [اشہر] ایک مرتبہ حضرت عمر ﷺ کھانا نوش فرما رہے تھے، غلام نے آکر عرض کیا کہ عُتبہ بن ابی فَرقد ﷺ حاضر ہوئے ہیں، آپ نے اندر آنے کی اجازت فرمائی اور کھانا کی تواضع[6] فرمائی، وہ شریک ہو گئے، تو ایسا موٹا کھانا تھا کہ نگلا نہ گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ چھنے ہوئے آٹے کا کھانا بھی تو ہو سکتا تھا؟ آپ نے فرمایا: کیا سب مسلمان میدہ[7] کھا سکتے ہیں؟ عرض کیا کہ سب تو نہیں کھا سکتے۔ فرمایا کہ افسوس! تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی ساری لذتیں دنیا ہی میں ختم کر دوں۔ [اُسد الغابہ]

اس قسم کے سینکڑوں ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں واقعات ان حضرات کرام کے ہیں۔ ان کا اتباع نہ اب ہو سکتا ہے، نہ ہر شخص کو کرنا چاہیے کہ قویٰ[8] ضعیف ہیں، جس کی وجہ سے تحمل[9] بھی ان کا اس زمانہ میں دشوار ہے، اسی وجہ سے اس زمانہ میں مشائخِ تصوف ایسے مجاہدوں کی اجازت نہیں دیتے، جس سے ضُعف[10] پیدا ہو کہ قوتیں پہلے ہی سے ضعیف ہیں، ان حضرات کو اللہ جلّ شانہٗ نے قوتیں بھی عطا فرمائی تھیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اتباع کی خواہش اور تمنا ضرور رکھنا چاہیے کہ اس کی وجہ سے آرام طلبی میں کچھ کمی واقع ہو اور نگاہ کچھ تو نیچی رہے اور اس زمانہ کے مناسب اعتدال[11] پیدا ہو جائے کہ ہم لوگ ہر وقت لذاتِ دنیا میں

حل لغات: (۱) زندگی گزارنے کا طریقہ۔ (۲) بس کرنا۔ (۳) راستے کا سامان۔ (۴) دنیا سے بے رغبتی۔ (۵) پھٹے ہوئے کپڑے میں لگے ہوئے جوڑ۔ (۶) مہمان نوازی۔ (۷) چھنا ہوا آٹا۔ (۸) طاقتیں۔ (۹) برداشت کرنا۔ (۱۰) کمزوری۔ (۱۱) برابری۔

بڑھتے جاتے ہیں اور ہر شخص اپنے سے زیادہ مال و دولت والے کی طرف نگاہ رکھتا ہے اور اس حسرت میں مرا جاتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ وسعت میں ہے۔

⑥ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے لیے ایک مشرک سے قرض

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ کے اخراجات[1] کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا، یہ خدمت میرے سپرد تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا، تو حضور اقدس ﷺ مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا۔ کوئی ننگا آتا، تو مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑا بنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت[2] حاصل ہے، تُو کسی سے قرض نہ لیا کر، جب ضرورت ہُوا کرے، مجھ ہی سے قرض لے لیا کر۔ میں نے کہا: اس سے بہتر کیا ہوگا، اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب ارشادِ عالی[3] ہوتا، اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشادِ والا کی تعمیل[4] کر دیتا۔ ایک مرتبہ میں وضو کر کے اذان کہنے کے لیے کھڑا ہی تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا: او حبشی! میں اُدھر متوجہ ہوا، تو ایک دم بے تحاشا[5] گالیاں دینے لگا اور بُرا بھلا جو منہ میں آیا، کہا اور کہنے لگا کہ مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا: قریب ختم کے ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر مہینہ کے ختم تک میرا سب قرضہ ادا نہ کیا، تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا اور اسی طرح بکریاں چَراتا پھرے گا جیسا پہلے تھا۔ یہ کہہ کر چلا گیا، مجھ پر دن بھر جو گذرنا چاہیے تھا، وہی گذرا، تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا اور سارا قصہ سنایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں، وہ ذلیل کرے گا، اس لیے اگر اجازت ہو تو اتنے قرض اُترنے کا انتظام ہو میں کہیں روپوش[6] ہو جاؤں۔ جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آ جائے تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ عرض کر کے میں گھر آیا، تلوار لی، ڈھال[7] اُٹھائی، جوتہ اُٹھایا۔ یہ ہی سامانِ سفر تھا اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے قریب کہیں چلا جاؤں گا، صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں جلدی چلو، میں حاضرِ خدمت ہوا، تو دیکھا کہ چار اُونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا، بیٹھی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: خوشی کی بات سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بے باقی[8] کا انتظام فرما دیا، یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی، فدک[9] کے رئیس نے یہ نذرانہ[10] مجھے بھیجا ہے۔ میں

حل لغات: (۱) خرچ۔ (۲) مالداری۔ (۳) آپ ﷺ کا حکم۔ (۴) حکم پورا کرنا۔ (۵) بہت زیادہ۔ (۶) چھپ جانا۔ (۷) تلوار وغیرہ سے بچاؤ کا ہتھیار۔ (۸) قرض ادا کرنا۔ (۹) ایک گاؤں کا نام۔ (۱۰) ہدیہ۔

نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا۔ حضور اقدس ﷺ اتنے مسجد میں انتظار فرماتے رہے۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ حضور! اللہ کا شکر ہے، حق تعالیٰ نے سارے قرضے سے آپ کو سُبکدوش[1] کر دیا اور اب کوئی بھی چیز قرضہ کی باقی نہیں رہی۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سامان میں سے بھی کچھ باقی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: جی ہاں! کچھ باقی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے، تاکہ مجھے راحت ہو جائے، میں گھر میں بھی اس وقت تک نہیں جانے کا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے۔ تمام دن گزر جانے کے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ موجود ہے، ضرورت مند آئے نہیں، تو حضور ﷺ نے مسجد ہی میں آرام فرمایا۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر حضور ﷺ نے فرمایا: کہو جی کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا۔ حضور ﷺ نے اللہ جلّ جلالہٗ کی حمد و ثنا فرمائی۔ حضور ﷺ کو یہ ڈر رہا کہ خدانخواستہ موت آ جائے اور کچھ حصہ مال کا آپ کی مِلک[2] میں رہے۔ اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے۔ [بذل]

فائدہ: اللہ والوں کی یہ بھی خواہش رہتی ہے کہ ان کی مِلک میں مال و متاع کچھ نہ رہے، پھر حضور اقدس ﷺ کا تو کیا پوچھنا، جو سارے نبیوں کے سردار، سارے اولیاء کے سرتاج۔ حضور ﷺ کو اس کی خواہش کیوں نہ ہوتی کہ میں دنیا سے بالکل فارغ[3] ہو جاؤں۔ میں نے معتبر[4] ذرائع[5] سے سُنا ہے کہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نوّر اللہ مرقدہٗ کا معمول یہ تھا کہ جب نذرانوں کی رقم کچھ جمع ہو جاتی، تو اہتمام سے منگوا کر سب تقسیم فرما دیتے اور وصال[6] سے قبل تو اپنے پہننے کے کپڑے وغیرہ بھی اپنے خادم خاص حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مدّظلّہٗ کو دے دیے تھے اور فرمایا تھا کہ بس اب تم سے مُستعار[7] لے کر پہن لیا کروں گا۔ اور اپنے والد صاحبؒ[8] کو میں نے بارہا دیکھا ہے کہ مغرب کے بعد جو کوئی روپیہ پاس ہوتا، وہ کسی قرض خواہ کو دے دیتے کہ کئی ہزار کے مقروض تھے اور یہ فرمایا کرتے کہ یہ جھگڑے کی چیز، میں رات کو اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اس نوع[9] کے بہت سے حالات اکابر کے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شیخ کا ایک ہی رنگ ہو، مشائخ کے اَلوان[10] مختلف ہوتے ہیں اور چمن کے پھولوں میں ہر پھول کی صورت، سیرت ممتاز ہوتی ہے۔

⑦ حضرت ابوہریرہ ؓ کا بھوک میں مسئلہ دریافت کرنا

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اس وقت ہماری حالتیں دیکھتے کہ ہم میں سے بعضوں کو کئی کئی وقت تک اتنا کھانا نہیں ملتا تھا، جس سے کمر سیدھی ہو سکے۔ میں

حل لغات: ① فارغ۔ ② قبضہ۔ ③ بھروسے مند۔ ④ واسطے۔ ⑤ انتقال۔ ⑥ مانگ کر۔ ⑦ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ۔ ⑧ قسم۔ ⑨ یعنی الگ الگ مزاج اور طبیعتیں۔ ⑩ الگ الگ۔

بھوک کی وجہ سے جگر کو زمین سے چپٹا دیتا اور کبھی پیٹ کے بل پڑا رہتا تھا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ایک مرتبہ میں راستہ میں بیٹھ گیا، جہاں کو ان حضرات کا راستہ تھا، اوّل حضرت ابوبکر صدیق ﷺ گزرے، میں نے ان سے کوئی بات پوچھنا شروع کر دی، خیال تھا کہ یہ بات کرتے ہوئے گھر تک لیتے جائیں گے اور پھر عادتِ شریفہ کے موافق جو موجود ہوگا، اس میں تواضع[1] فرمائیں گے ہی، مگر انھوں نے ایسا نہ کیا (غالباً ذہن منتقل نہیں ہوا یا اپنے گھر کا حال معلوم ہوگا کہ وہاں بھی کچھ نہیں)۔ اس کے بعد حضرت عمر ﷺ تشریف لائے، ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی، پھر نبیٔ اکرم ﷺ تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر مسکرائے اور میری حالت اور غرض سمجھ گئے اور ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ! میرے ساتھ آؤ۔ میں ساتھ ہولیا۔ حضور ﷺ گھر تشریف لے گئے، میں ساتھ اندر حاضری کی اجازت لے کر حاضر ہوا، گھر میں ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا، جو خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا۔ دریافت فرمایا کہ کہاں سے آیا ہے؟ عرض کیا کہ فلاں جگہ سے حضور کے لیے ہدیہ میں آیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ جاؤ، اہلِ صُفّہ کو بُلا لاؤ۔ اہلِ صُفّہ اسلام کے مہمان شمار ہوتے تھے، یہ وہ لوگ تھے، جن کے نہ گھر تھا، نہ در، نہ ٹھکانہ، نہ کھانے کا کوئی مستقل[2] انتظام، ان حضرات کی مقدار[3] کم و بیش ہوتی رہتی تھی، مگر اس قصہ کے وقت ستّر تھی۔ حضور ﷺ کا معمول یہ بھی تھا کہ ان میں سے دو دو، چار چار کو کسی کھاتے پیتے صحابی کا کبھی کبھی مہمان بھی بنا دیتے اور خود اپنا معمول یہ تھا کہ کہیں سے صدقہ آتا، تو اُن لوگوں کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں شرکت نہ فرماتے اور کہیں سے ہدیہ آتا، تو اُن کے ساتھ حضور اقدس ﷺ خود بھی اس میں شرکت فرماتے۔ حضور ﷺ نے بلانے کا حکم دیا، مجھے گراں[4] تو ہوا کہ اس دودھ کی مقدار ہی کیا ہے، جس پر سب کو بُلا لاؤں، سب کا کیا بھلا ہوگا؟ ایک آدمی کو بھی مشکل سے کافی ہوگا اور پھر بلانے کے بعد مجھ ہی کو پلانے کا حکم ہوگا، اس لیے نمبر بھی اخیر میں آئے گا، جس میں بچے گا بھی نہیں؛ لیکن حضور ﷺ کی اطاعت بغیر چارہ ہی کیا تھا، میں گیا اور سب کو بلا لیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لے، ان کو پلا۔ میں ایک ایک شخص کے پیالہ حوالہ کرتا اور وہ خوب سیر[5] ہو کر پیتا اور پیالہ مجھے واپس دیتا، اسی طرح سب کو پلایا اور سب سیر ہو گئے، تو حضور ﷺ نے پیالہ دستِ مبارک میں لے کر مجھے دیکھا اور تبسّم[6] فرمایا، پھر فرمایا کہ بس اب تو مَیں اور تُو ہی باقی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ بے شک۔ فرمایا کہ لے پی، میں نے پیا۔ ارشاد فرمایا: اور پی۔ میں نے اور پیا، بالآخر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب میں نہیں پی سکتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے سب کا بچا ہوا خود نوش فرمایا۔

حل لغات: (۱) مہمان نوازی۔ (۲) ہمیشہ کا۔ (۳) تعداد۔ (۴) بھاری۔ (۵) پیٹ بھر کر۔ (۶) مسکرانا۔

⑧ صرف دنیاوی شرافت[1] کی اللہ کے یہاں کوئی وقعت[2] نہیں

نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر تھے کہ ایک شخص سامنے سے گزرا، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! شریف لوگوں میں ہے، واللہ[3] اس قابل ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیام دے دے تو قبول کیا جائے، کسی کی سفارش کردے تو مانی جائے۔ حضور ﷺ یہ سن کر خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب سامنے سے گزرے۔ حضور ﷺ نے ان کے متعلق بھی سوال کیا۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! ایک مسلمان فقیر ہے، کہیں منگنی کرے تو بیاہا[4] نہ جائے، کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو، بات کرے تو کوئی متوجہ نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پہلے جیسوں سے اگر ساری دنیا بھر جائے، تو ان سب سے یہ شخص بہتر ہے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ محض دنیاوی شرافت اللہ کے یہاں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی۔ ایک مسلمان فقیر جس کی دنیا میں کوئی بھی وقعت نہ ہو، اس کی بات کہیں بھی نہ سنی جاتی ہو، اللہ کے نزدیک سینکڑوں اُن شرفاء[5] سے بہتر ہے، جن کی بات دنیا میں بڑی وقعت سے دیکھی جاتی ہو اور ہر شخص ان کی بات سننے اور ماننے کو تیار ہو؛ لیکن اللہ کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہ ہو۔ دنیا کا قیام ہی اللہ والوں کی برکت سے ہے۔ یہ تو حدیث میں خود موجود ہے کہ جس دن دنیا میں اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا، قیامت آجائے گی اور دنیا کا وجود ہی ختم ہو جائے گا، اللہ کے پاک نام ہی کی یہ برکت ہے کہ یہ دنیا کا سارا نظام قائم ہے۔

⑨ حضور ﷺ سے محبت کرنے والے پر فقر[6] کی دوڑ

ایک صحابی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: دیکھ کیا کہتا ہے۔ انہوں نے پھر یہی عرض کیا کہ مجھے آپ سے محبت ہے، حضور ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا، جب تین مرتبہ یہ سوال و جواب ہوا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا! اگر تم اپنی بات میں سچے ہو، تو فقر کے اوڑھنے بچھانے کے لیے تیار ہو جاؤ، اس لیے کہ مجھ سے محبت رکھنے والوں کی طرف فقر ایسے زور سے دوڑتا ہے، جیسا کہ پانی کی رَو[7] نشیب[8] کی طرف دوڑتی ہے۔

فائدہ: یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اکثر فقر و فاقہ میں رہے ہی، اکابر محدثین، اکابر صوفیاء، اکابر فقہاء بھی تونگری[9] میں زیادہ نہیں رہے۔

حل لغات: ① بزرگی۔ ② عزت۔ ③ اللہ کی قسم۔ ④ شادی۔ ⑤ دنیاوی عزت والے لوگ۔ ⑥ غریبی۔ ⑦ بہاؤ۔ ⑧ نیچے۔ ⑨ مالداری۔

⑩ سَرِیَّۃُ الْعَنْبَر[1] میں فقر کی حالت

نبی اکرم ﷺ نے رجب ۸ھ میں سمندر کے کنارے ایک لشکر تین سو آدمیوں کا جن پر حضرت ابوعُبیدہ رضی اللہ عنہ امیر بنائے گئے تھے، بھیجا۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک تھیلی میں کھجوروں کا توشہ[2] بھی ان کو دیا، پندرہ روز ان حضرات کا وہاں قیام رہا اور توشہ ختم ہوگیا۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے جو اس قافلہ میں تھے، مدینہ منورہ میں قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر قافلہ والوں سے اونٹ خرید کر ذبح کرنا شروع کیے اور تین اونٹ روزانہ ذبح کرتے، مگر تیسرے دن امیرِ قافلہ نے اس خیال سے کہ سواریاں ختم ہوگئیں، تو واپسی بھی مشکل ہوجائے گی؛ ذبح کی ممانعت[3] کی اور سب لوگوں کے پاس اپنی اپنی جو کچھ کھجوریں موجود تھیں، جمع کر کے ایک تھیلی میں رکھ لیں اور ایک ایک کھجور روزانہ تقسیم فرما دیا کرتے، جس کو چوس کر یہ حضرات پانی پی لیتے اور رات تک کے لیے یہی کھانا تھا۔ کہنے کو مختصر سی بات ہے، مگر لڑائی کے موقع پر جب کہ قوت اور طاقت کی بھی ضرورت ہو، ایک کھجور پر دن بھر گذار دینا، دل[4] و جگر کی بات ہے؛ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب یہ قصہ لوگوں کو حضور ﷺ کے بعد سنایا، تو ایک شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت! ایک کھجور کیا کام دیتی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اس کی قدر جب معلوم ہوئی، جب وہ بھی نہ رہی کہ اب بجز[5] فاقہ کے کچھ نہ تھا، درخت کے خشک[6] پتے جھاڑتے اور پانی میں بھگو کر کھا لیتے، مجبوری سب کچھ کرا دیتی ہے اور ہر تنگی کے بعد اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کے یہاں سے سہولت ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان تکالیف اور مشقتوں کے بعد سمندر میں سے ایک مچھلی ان لوگوں کو پہونچائی، جس کو ''عَنْبَر'' کہتے ہیں۔ اتنی بڑی تھی کہ اٹھارہ روز تک یہ حضرات اس میں سے کھاتے رہے اور مدینہ منورہ پہونچنے تک اس کا گوشت توشوں میں ساتھ تھا۔ حضور ﷺ کے سامنے جب سفر کا مفصّل قصہ سنایا گیا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا ایک رزق تھا، جو تمہاری طرف بھیجا گیا۔

فائدہ: مشقت اور تکالیف اس دنیا میں ضروری ہیں اور اللہ والوں کو خاص طور پر پیش آتی ہیں، اسی وجہ سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سب سے زیادہ مشقت میں رکھا جاتا ہے، پھر جو سب سے افضل ہوں، پھر ان کے بعد جو بقیہ میں افضل ہوں۔ آدمی کی آزمائش اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتی ہے اور ہر مشقت کے بعد، اللہ کی طرف سے اس کے لُطف و فضل سے سہولت بھی عطا ہوتی ہے۔ یہ بھی غور کیا کریں کہ ہمارے بڑوں پر کیا کیا گزر چکا اور یہ سب دین ہی کی خاطر تھا، اس دین کے پھیلانے میں جس کو آج ہم اپنے ہاتھوں سے کھو رہے ہیں، ان حضرات نے فاقے کیے، پتے چابے، اپنے خون بہائے اور اس کو پھیلایا، جس کو ہم آج باقی بھی نہیں رکھ سکتے۔

حل لغات: (۱) جس میں حضور ﷺ خود شریک نہ ہوئے ہوں بلکہ کسی صحابی کو لشکر کا امیر بنا کر روانہ کیا ہو۔ (۲) سفر کا سامان۔ (۳) منع کرنا، روکنا۔ (۴) ہمت، صبر۔ (۵) سوائے۔ (۶) سوکھے۔

چوتھا باب: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تقویٰ کے بیان میں

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر عادت، ہر خصلت اس قابل ہے کہ اس کو چنا جائے اور اس کا اتباع کیا جائے اور کیوں نہ ہو؟ کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے لاڈلے اور محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مُصاحبت[1] کے لیے، اس جماعت کو چُنا اور چھانٹا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''میں بنی آدم کے بہترین قرن[2] اور زمانہ میں بھیجا گیا''۔ [شفا] اس لیے ہر اعتبار سے یہ زمانہ خیر کا تھا اور زمانہ کے بہترین آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت[3] میں رکھے گئے۔

① حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنازہ سے واپسی اور ایک عورت کی دعوت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک عورت کا پیام[4] کھانے کی درخواست لے کر پہونچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدام[5] سمیت تشریف لے گئے اور کھانا سامنے رکھا گیا، تو لوگوں نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لقمہ چبا رہے ہیں، نگلا نہیں جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بکری کا گوشت، مالک کی بغیر اجازت لے لیا گیا۔ اس عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ریوڑ[6] میں بکری خریدنے آدمی بھیجا تھا، وہاں ملی نہیں، پڑوسی نے بکری خریدی تھی، میں نے اس کے پاس قیمت سے لینے کو بھیجا، وہ تو ملے نہیں، ان کی بیوی نے بکری بھیج دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیدیوں کو کھلا دو۔ [ابوداؤد]

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علوِّ شان[7] کے مقابلہ میں ایک مشتبہ[8] چیز کا گلے میں اٹک جانا، کوئی ایسی اہم بات نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آجاتے ہیں۔

② حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ کی کھجور کے خوف سے تمام رات جاگنا

ایک مرتبہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات جاگتے رہے اور کروٹیں بدلتے رہے۔ ازواجِ مطہرات[9] میں سے کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج نیند نہیں آتی؟ ارشاد فرمایا کہ ایک کھجور پڑی ہوئی تھی، میں نے اٹھا کر کھالی تھی کہ ضائع نہ ہو۔ اب مجھے یہ فکر ہے کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔

فائدہ: اَقْرَبُ[10] یہی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ہی ہوگی، مگر چوں کہ صدقہ کا مال بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آتا تھا، اس شبہ کی وجہ سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات بھر نیند نہ آئی کہ خدانخواستہ وہ صدقہ کی ہو اور اس صورت میں صدقہ کا مال کھایا گیا ہو۔ یہ تو آقا کا حال ہے کہ محض شُبہ پر رات بھر کروٹیں بدلیں اور نیند نہیں آئی، اب

حل لغات: ① ساتھ رہنا۔ ② زمانہ۔ ③ ساتھ۔ ④ بُلاوا۔ ⑤ ساتھیوں۔ ⑥ بکریوں کا مجمع۔ ⑦ اونچی شان۔ ⑧ شک وشبہ والی۔ ⑨ پاک بیویاں۔ ⑩ غالب گمان۔

غلاموں کا حال دیکھو کہ رشوت، سود، چوری، ڈاکہ، ہر قسم کا ناجائز مال کس سُرخ[1] رُوئی سے کھاتے ہیں اور ناز سے اپنے کو غلامانِ محمد ﷺ شمار کرتے ہیں۔

۴ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک کاہن[2] کے کھانے سے قے کرنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا، جو غلّہ (غلام پر کوئی تعداد مُعیّن کردی جائے کہ اتنا روزانہ یا ماہوار[3] ہمیں دے دیا کرو باقی جو کماؤ وہ تمہارا، یہ غلہ کہلاتا ہے، یہ جائز ہے اور اس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی غلاموں سے مقرر کرلیا جاتا تھا) کے طور پر اپنی آمدنی میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا اور حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرمالیا، غلام نے عرض کیا کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس ذریعے سے کمایا؟ آج دریافت نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ بھوک کی شدّت[4] کی وجہ سے دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی، اب بتاؤ۔ عرض کیا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم پر گذرا اور ان پر منتر پڑھا، انہوں نے مجھ سے وعدہ کررکھا تھا، آج میرا گذر اُدھر کو ہوا تو ان کے یہاں شادی ہورہی تھی، انہوں نے یہ مجھے دیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تُو مجھے ہلاک ہی کردیتا۔ اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے کی کوشش کی، مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی شدّت کی حالت میں کھایا گیا تھا، نہ نکلا۔ کسی نے عرض کیا کہ پانی سے قے ہوسکتی ہے، ایک بہت بڑا پیالہ پانی کا منگوایا اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ نکالا۔ کسی نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائیں! یہ ساری مشقت اس ایک لقمہ کی وجہ سے برداشت فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا، تو میں اس کو نکالتا، میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ ”جو بدن مالِ حرام سے پرورش پائے، آگ اس کے لیے بہتر ہے“۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ میرے بدن کا کوئی حصّہ اس لقمہ سے پرورش نہ پاجائے۔ [منتخب کنز العمال]

فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قسم کے واقعات متعدد بار پیش آئے کہ احتیاط مزاج میں زیادہ تھی، تھوڑا سا بھی شُبہ ہوجاتا تھا، تو قے فرماتے۔ بخاری شریف میں ایک اور قصہ اسی قسم کا ہے کہ کسی غلام نے زمانۂ جاہلیت میں کوئی کہانت یعنی غیب کی بات نجومیوں[5] کے طور پر کسی کو بتلائی تھی، وہ اتفاق سے صحیح ہوگئی، ان لوگوں نے غلام کو کچھ دیا، جس کو انہوں نے اپنی مقررہ رقم[6] میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لاکر دے دیا۔ حضرت نے نوش فرمایا اور پھر جو کچھ پیٹ میں تھا، سب قے کیا۔ ان واقعات میں غلاموں کا مال ضروری نہیں کہ ناجائز ہی ہو، دونوں احتمال[7] ہیں، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمال احتیاط نے اس مشتبہ[8] مال کو بھی گوارا[9] نہ کیا۔

حل لغات: (۱) فخر۔ (۲) غیب کی باتیں بتانے والا۔ (۳) مہینہ کا۔ (۴) زیادتی۔ (۵) غیب کی خبریں بتلانے والے۔ (۶) متعین۔ (۷) گمان۔ (۸) شبہ والے۔ (۹) پسند۔

④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدقہ کے دودھ سے قے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دودھ نوش فرمایا کہ اس کا مزہ کچھ عجیب سا نیا سا معلوم ہوا۔ جن صاحب نے پلایا تھا، ان سے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کیسا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں جنگل میں صدقہ کے اونٹ چر رہے تھے، میں وہاں گیا تو اُن لوگوں نے دودھ نکالا، جس میں سے مجھے بھی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور سارے کا سارا قے فرمادیا۔ [مؤطا امام مالک]

فائدہ: ان حضرات کو اس کا ہمیشہ فکر رہتا تھا کہ مشتبہ مال بھی بدن کا جزو[1] نہ بنے، چہ جائے کہ بالکل حرام، جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں شائع ہوگیا۔

⑤ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احتیاطاً باغ وقف کرنا

ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیت المال سے کچھ لوں، مگر عمر نے نہ مانا کہ دِقّت[2] ہوگی اور تمہاری تجارت کی مشغولی سے مسلمانوں کا حرج[3] ہوگا، اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا، اس لیے اب میرا فلاں باغ اس کے عوض[4] میں دے دیا جائے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وِصال[5] ہوگیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور والد کی وصیت کے موافق وہ باغ دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ شانہٗ تمہارے باپ پر رحم فرمائیں، انہوں نے یہ چاہا کہ کسی کو لب[6] کُشائی کا موقع ہی نہ دیں۔ [کتاب الاموال]

فائدہ: غور کرنے کی بات ہے کہ اوّل تو وہ مقدار ہی کیا تھی، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لی؟ اس کے بعد لینا بھی اہلُ الرّائے[7] کے اِصرار[8] سے تھا اور مسلمانوں کے نفع کی وجہ سے۔ اس میں بھی جتنی ممکن سے ممکن احتیاط ہوسکتی تھی، اس کا اندازہ قصہ ۴ / باب: ۳ / سے معلوم ہوگیا کہ بیوی نے تنگی اُٹھا کر پیٹ کاٹ کر کچھ دام[9] پیٹھے کے لیے جمع کیے، تو ان کو بیت المال میں جمع فرمادیا اور اتنی مقدار مستقل کم کردی۔ اس سب کے بعد یہ آخری فعل ہے کہ جو کچھ لیا، اس کا بھی مُعاوضہ[10] داخل کردیا۔

⑥ حضرت علی بن معبدؒ کا کرایہ کے مکان سے تحریر کو خشک[11] کرنا

علی بن معبدؒ ایک محدث ہیں، فرماتے ہیں: میں ایک کرایے کے مکان میں رہتا تھا، ایک مرتبہ میں نے کچھ لکھا اور اس کو خشک کرنے کے لیے مٹی کی ضرورت ہوئی، کچی دیوار تھی، مجھے خیال آیا کہ اس پر سے ذرا سی کھرچ کے تحریر پر ڈال لوں، پھر خیال آیا کہ مکان

حل لغات: ① حصہ۔ ② پریشانی۔ ③ نقصان۔ ④ بدلہ۔ ⑤ انتقال۔ ⑥ بولنے۔ ⑦ مشورہ والے۔ ⑧ ضد، بار بار تقاضا کرنا۔ ⑨ پیسے۔ ⑩ بدلہ۔ ⑪ سکھانا۔

کرایہ کا ہے (جو رہنے کے واسطے کرایہ پر لیا گیا، نہ مٹی لینے کے واسطے) مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اتنی ذرا سی مٹی میں کیا مضائقہ[1] ہے معمولی چیز ہے۔ میں نے مٹی لے لی اور رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں، جو یہ فرمارہے ہیں کہ کل قیامت کو معلوم ہوگا، یہ کہنا کہ معمولی مٹی کیا چیز ہے۔

فائدہ: ''کل معلوم ہوگا''، کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کے درجات بہت زیادہ ہیں، کمال[2] درجہ یہ یقیناً تھا کہ اس سے بھی احتراز[3] کیا جاتا: اگرچہ عرفاً[4] معمولی چیز شمار ہونے سے جواز کی حد میں تھا۔ [اِحیاء]

⑦ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قبر پر گذر

کُمَیلؒ ایک شخص ہیں، کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے ساتھ ایک مرتبہ جارہا تھا، وہ جنگل میں پہونچے، پھر ایک مقبرہ[5] کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے مقبرہ والو! اے بوسیدگی والو! اے وحشت اور تنہائی والو! کیا خبر ہے؟ کیا حال ہے؟ پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے بعد اموال تقسیم ہوگئے، اولادیں یتیم ہوگئیں، بیویوں نے دوسرے خاوند[6] کرلیے، یہ تو ہماری خبر ہے کچھ اپنی تو کہو۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا۔ کُمیل! اگر ان لوگوں کو بولنے کی اجازت ہوتی اور یہ بول سکتے تو یہ لوگ جواب میں یہ کہتے کہ بہترین توشہ[7] تقویٰ ہے۔ یہ فرمایا اور پھر رونے لگے اور فرمایا، اے کُمیل قبر عمل کا صندوق[8] ہے اور موت کے وقت بات معلوم ہوجاتی ہے۔ [منتخب کنز]

فائدہ: یعنی آدمی جو کچھ اچھا یا بُرا کام کرتا ہے، وہ اس کی قبر میں محفوظ رہتا ہے جیسا کہ صندوق میں۔ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ نیک اعمال اچھے آدمی کی صورت میں ہوتے ہیں، جو میّت کے جی بہلانے اور اُنس[9] پیدا کرنے کے لیے رہتا ہے اور اس کی دلداری[10] کرتا ہے۔ اور بُرے اعمال بری صورت میں بدبودار بن کر آتے ہیں جو اور بھی اذیّت[11] کا سبب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آدمی کے ساتھ تین چیزیں قبر تک جاتی ہیں: اس کا مال جیسا کہ عرب میں دستور تھا، اس کے رشتہ دار اور اس کے اعمال، دو چیزیں: مال اور رشتہ دار دفن کر کے واپس آجاتے ہیں، عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ ؓ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری مثال اور تمہارے اہل[12] و عیال اور مال و اعمال کی مثال کیا ہے؟ صحابہ ؓ کے دریافت فرمانے پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص کے تین بھائی ہوں اور وہ مرنے لگے، اس وقت ایک بھائی کو وہ بلائے اور پوچھے کہ بھائی تجھے میرا حال معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے، اس وقت تو میری کیا مدد کرے گا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ تری تیمارداری[13] کروں گا، علاج کروں گا، ہر قسم کی خدمت کروں گا، جب تو مرجائے گا تو

حل لغات: ① حرج۔ ② اونچا۔ ③ بچنا۔ ④ عام طور پر۔ ⑤ قبرستان۔ ⑥ شوہر۔ ⑦ سفر کا سامان۔ ⑧ سامان رکھنے کی پیٹی۔ ⑨ جان پہچان۔ ⑩ تسلی۔ ⑪ تکلیف۔ ⑫ گھر والوں۔ ⑬ دیکھ بھال۔

نہلاؤں گا، کفن پہناؤں گا اور کاندھے پر اُٹھا کر لے جاؤں گا اور دفن کے بعد تیرا ذکر خیر کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ بھائی تو اہل وعیال ہیں۔ پھر وہ دوسرے بھائی سے یہی سوال کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میرا تیرا واسطہ زندگی کا ہے، جب تو مر جائے گا تو میں دوسری جگہ چلا جاؤں گا، یہ بھائی مال ہے۔ پھر وہ تیسرے بھائی کو بُلا کر پوچھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں قبر میں تیرا ساتھی ہوں، وحشت[1] کی جگہ تیرا دل بہلانے والا ہوں، جب تیرا حساب کتاب ہونے لگے تو نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ کر اس کو جھکاؤں گا، یہ بھائی عمل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اب بتلاؤ کون سا بھائی کارآمد[2] ہوا؟ صحابہ ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہی بھائی کارآمد ہے، پہلے دو تو بے فائدہ ہی رہے۔ [منتخب کنز]

⑧ حلال مال کھانے کی ترغیب اور حرام مال سے بچنے کی تاکید

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ خود پاک ہیں اور پاک ہی مال قبول فرماتے ہیں، مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا اپنے رسولوں کو حکم فرمایا؛ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝﴾ [سورۂ مؤمنون] ''اے رسولو! پاک چیزوں کو کھاؤ اور نیک عمل کرو''۔ میں تمہارے اعمال سے باخبر ہوں، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۷۲] ''اے ایمان والو! ہمارے دیے ہوئے پاک رزق میں سے کھاؤ''۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ لمبے لمبے سفر کرتا (اور مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے) اور اس کے ساتھ ہی بکھرے ہوئے بالوں والا، غُبار[3] آلود کپڑوں والا (یعنی پریشان حال) دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے: اے اللہ، اے اللہ، اے اللہ! لیکن کھانا بھی اس کا حرام ہے، پینا بھی حرام ہے، لباس بھی حرام ہے، ہمیشہ حرام ہی کھایا، تو اس کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے۔ [جمع الفوائد]

فائدہ: لوگوں کو ہمیشہ سوچ رہتا ہے کہ مسلمانوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، لیکن حالات کا اندازہ اس حدیث شریف سے کیا جاسکتا ہے؛ اگرچہ اللہ جلّ شانہٗ اپنے فضل سے کبھی کافر کی بھی دعا قبول فرما لیتے ہیں، چہ جائیکہ فاسق کی؛ لیکن متقی کی دعا اصل چیز ہے، اسی لیے متقیوں سے دعا کی تمنا کی جاتی ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول ہوں، ان کو بہت ضروری ہے کہ حرام مال سے احتراز[4] کریں، اور ایسا کون ہے جو یہ چاہتا ہے کہ میری دعا مقبول نہ ہو۔

⑨ حضرت عمر ؓ کی انتہائی احتیاط

حضرت عمر ؓ کی خدمت میں ایک مرتبہ بحرین سے مُشک آیا، ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول کر مسلمانوں میں

حل لغات: ① گھبراہٹ۔ ② کام آنے والا۔ ③ گرد میں بھرا ہوا۔ ④ بچنا۔

تقسیم کر دیتا، آپ کی اہلیہ حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں تول دوں گی۔ آپ نے سن کر سکوت[1] فرمایا۔ تھوڑی دیر میں پھر یہی ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول دیتا تاکہ میں تقسیم کر دیتا، آپ کی اہلیہ نے پھر یہی عرض کیا، آپ نے سکوت فرمایا، تیسری دفعہ میں ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ تو اس کو اپنے ہاتھ سے ترازو کے پلڑے میں رکھے، اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے بدن پر پھیر لے، اور اتنی مقدار کی زیادتی مجھے حاصل ہو۔

فائدہ: یہ کمالِ[2] احتیاط تھی اور اپنے آپ کو محلِ تُہمت[3] سے بچانا، ورنہ جو بھی تولے گا، اس کے ہاتھ کو تو لگے ہی گا، اس لیے اس کے جواز میں کوئی تردُّد[4] نہ تھا؛ لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کے لیے اس کو گوارا نہ فرمایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جن کو عُمرِ ثانی[5] بھی کہا جاتا ہے، ان کے زمانہ میں ایک مرتبہ مشک تُولا جا رہا تھا، تو انھوں نے اپنی ناک بند فرمالی اور ارشاد فرمایا کہ مشک کا نفع تو خوشبو ہی سونگھنا ہے۔ [اِحیاء]

فائدہ: یہ ہے احتیاط ان صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی اور ہمارے بڑوں کی، پیشواؤں کی۔

⑩ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا حجّاج کے حاکم کو حاکم نہ رکھنا

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنایا۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ صاحب حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس کی طرف سے بھی حاکم رہ چکے ہیں، عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان حاکم کو معزول[6] کر دیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے تو حجّاج بن یوسف کے یہاں تھوڑے ہی زمانہ کام کیا، عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: کہ برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تو اس کے ساتھ ایک دن یا اس سے بھی کم رہا۔ [اِحیاء]

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ پاس رہنے کا اثر ضرور پڑتا ہے، جو شخص متقیوں کے پاس رہتا ہے، اس کے اوپر غیر معمولی[7] اور غیر محسوس[8] طریقہ سے تقویٰ کا اثر پڑتا ہے اور جو فاسقوں کے پاس رہتا ہے، اس کے اوپر فسق کا اثر ہوتا ہے، اسی وجہ سے بری صحبت سے روکا جاتا ہے، آدمی تو درکنار[9] جانوروں تک کے اثرات پاس رہنے سے آتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ فخر اور بڑائی اونٹ اور گھوڑے والوں میں ہوتی ہے اور مسکنت[10] بکری والوں میں۔ [بخاری] حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ صالح آدمی کے پاس بیٹھنے والوں کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو مشک والے کے پاس بیٹھا ہے کہ اگر مشک نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو سے دماغ کو فرحت[11] ہوگی اور بُرے ساتھی کی مثال آگ کی بھٹی والے کی سی ہے کہ اگر چنگاری نہ بھی پڑے تو دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں۔ [جمع]

حل لغات: ① خاموش رہے۔ ② بہت زیادہ۔ ③ بدگمانی کی جگہ۔ ④ شک۔ ⑤ دوسرا عمر۔ ⑥ عہدہ سے ہٹا دینا۔ ⑦ بہت زیادہ۔ ⑧ انجانے، احساس ہوئے بغیر۔ ⑨ الگ رہا۔ ⑩ عاجزی، تواضع۔ ⑪ تازگی۔

پانچواں باب: نماز کا شغف اور شوق اور اس میں خشوع وخضوع

نماز ساری عبادتوں میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے۔ قیامت میں ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کفر اور اسلام کے درمیان میں نماز ہی آڑ ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے ارشادات اس بارہ میں وارد ہیں، جو میرے ایک دوسرے رسالہ میں مذکور ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں

حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے، میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے، اور کوئی شخص میرا قُرب[1] اس چیز کی بہ نسبت زیادہ حاصل نہیں کرسکتا، جو میں نے اس پر فرض کی ہے، یعنی سب سے زیادہ قُرب اور نزدیکی مجھ سے فرائض کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور نوافل کی وجہ سے بندہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے، اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں، اور کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے، تو میں پناہ دیتا ہوں۔ [جمع الفوائد]

فائدہ: آنکھ، کان بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دیکھنا، سننا، چلنا پھرنا سب میری خوشی کے تابع بن جاتا ہے، اور کوئی بات بھی میری خلافِ مرضی نہیں ہوتی۔ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ، جن کو فرائض کے بعد نوافل پر کثرت کی توفیق ہو اور یہ دولت نصیب ہوجائے، اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے مجھے اور میرے دوستوں کو بھی نصیب فرمائیں۔

② حضور ﷺ کا تمام رات نماز پڑھنا

ایک شخص نے حضرت عائشہ ؓ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کی کوئی عجیب بات جو آپ نے دیکھی ہو وہ سنادیں۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی کون سی بات عجیب نہ تھی، ہر بات عجیب ہی تھی۔ ایک دن رات کو تشریف لائے اور میرے پاس لیٹ گئے، پھر فرمانے لگے: لے چھوڑ، میں تو اپنے رب کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور رونا شروع کیا، یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک تک بہنے لگے، پھر رکوع فرمایا، اس میں بھی روتے رہے، پھر سجدہ کیا، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، پھر

حل لغات: ① فضائل نماز۔ ② نزدیکی۔

سجدہ سے اُٹھے، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، یہاں تک کہ حضرت بلال ﷺ نے آکر صبح کی نماز کے لیے آواز دی، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اتنے روئے، حالانکہ آپ معصوم ہیں، اگلے پچھلے سب گناہوں کی (اگر بالفرض ہوں بھی تو) مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر میں شکر گذار نہ بنوں؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ایسا کیوں نہ کرتا، حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آل عمران کا اخیر رکوع۔ [اِقامۃُ الحُجّۃ] یہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ رات کو اس قدر لمبی نماز پڑھا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر وَرَم آ گیا تھا، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اتنی مشقت اُٹھاتے ہیں، حالانکہ آپ بخشے بخشائے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟۔ [بخاری]

③ حضور ﷺ کا چار رکعت میں چھ پارے پڑھنا

حضرت عوف ﷺ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ہمرکاب تھا، حضور ﷺ نے مسواک فرمائی، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ لی، میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا، حضور ﷺ نے سورۂ بقرہ ایک رکعت میں پڑھی، اور جو آیت رحمت کی آتی، حضور ﷺ اس جگہ دیر تک رحمت کی دعا مانگتے رہتے، اور جو آیت عذاب کی آتی اس جگہ دیر تک عذاب سے پناہ مانگتے رہتے، سورت کے ختم پر رکوع کیا اور اتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی اور رکوع میں سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظَمَةِ پڑھتے جاتے تھے، پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں اسی طرح سورۂ آل عمران پڑھی، اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت پڑھتے رہے۔ اس طرح چار رکعتوں میں سوا چھ سپارے ہوتے ہیں، یہ کتنی لمبی نماز ہوئی ہوگی، جس میں ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر دیر تک دعا کا مانگنا اور پھر اتنا ہی لمبا رکوع اور سجدہ تھا۔ حضرت حُذیفہ ﷺ بھی اپنا ایک قصہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اسی طرح سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چار رکعتوں میں چار سورتیں: سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ مائدہ کے ختم تک پڑھیں۔

فائدہ: ان چار سورتوں کے سوا چھ سپارے ہوتے ہیں، جو حضور ﷺ نے چار رکعتوں میں پڑھے، اور حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی تھی، جیسا کہ اکثر احادیث میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر ٹھیرنا اور دعا مانگنا، پھر اتنا ہی لمبا رکوع سجدہ، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح چار رکعات میں کس قدر وقت خرچ ہوا ہوگا۔ بعض مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، آل عمران، مائدہ تین سورتیں پڑھیں، جو تقریباً پانچ پارے ہوتے ہیں۔ یہ جب ہی

حل لغات: ① سوجن، پھول جانا۔ ② سفر میں ساتھ ہونا۔ ③ حروف کی صحیح ادائیگی اور اطمینان۔

ہوسکتا ہے، جب نماز میں چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوجائے۔ نبی اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ اِتِّبَاعَہٗ۔

④ حضرت ابوبکر صدیق وحضرت ابن زبیر وحضرت علی ﷺ وغیرہ کی نماز کے حالات

مجاہدؒ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عبداللہ ابن زبیر ﷺ کا حال نقل کرتے ہیں کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی گڑی ہوئی ہے۔ [تاریخ الخلفاء]، یعنی بالکل حرکت نہیں ہوتی تھی۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن زبیر ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ سے نماز سیکھی اور انھوں نے حضور ﷺ سے، یعنی جس طرح حضور ﷺ نماز پڑھتے تھے اسی طرح ابوبکر صدیق ﷺ پڑھتے تھے اور اسی طرح عبداللہ بن زبیر ﷺ۔ ثابتؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر ﷺ کی نماز ایسی ہوتی تھی کہ گویا لکڑی ایک جگہ گاڑ دی۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ ابن زبیر ﷺ جب سجدہ کرتے تو اس قدر لمبا اور بے حرکت ہوتا تھا کہ چڑیاں آکر کمر پر بیٹھ جاتیں، بعض مرتبہ اتنا لمبا رکوع کرتے کہ تمام رات صبح تک رکوع ہی میں رہتے، بعض اوقات سجدہ اتنا ہی لمبا ہوتا کہ پوری رات گذر جاتی۔ جب حضرت ابن زبیر ﷺ سے لڑائی ہورہی تھی تو ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا، جس سے دیوار کا ایک ٹکڑا اُڑا اور حضرت ابن زبیر ﷺ کے حلق اور داڑھی کے درمیان کو گذرا، مگر نہ ان کو کوئی انشار[1] ہوا، نہ رکوع سجدہ مختصر کیا۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، بیٹا جس کا نام ''ہاشم'' تھا، پاس سو رہا تھا، چھت میں سے ایک سانپ گرا اور بچہ پر لپٹ گیا، وہ چلایا، گھر والے سب دوڑے ہوئے آئے، شور مچ گیا، اُس سانپ کو مارا، ابن زبیر ﷺ اسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے، سلام پھیر کر فرمانے لگے، کچھ شور کی سی آواز آئی تھی، کیا تھا؟ بیوی نے کہا: اللہ تم پر رحم کرے! بچہ کی تو جان بھی گئی تھی تمہیں پتہ ہی نہ چلا، فرمانے لگے: تیرا ناس ہو، اگر نماز میں دوسری طرف توجہ کرتا تو نماز کہاں باقی رہتی (ہدایہ وغیرہ)۔ حضرت عمر ﷺ کے اخیر زمانہ میں جب ان کے خنجر مارا گیا، جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا، تو ہر وقت خون بہتا تھا اور اکثر غفلت بھی ہوجاتی تھی؛ لیکن اس حالت میں بھی جب نماز کے لیے متنبہ[2] کیے جاتے، تو اسی حالت میں نماز ادا فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔ حضرت عثمان ﷺ تمام رات جاگتے اور ایک رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کرلیتے۔ [منتخب کنز] حضرت علی ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آجاتا، تو بدن میں کپکپی آجاتی اور چہرہ زرد[3] ہوجاتا، کسی نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اتارا، تو وہ اس کے تحمل سے عاجز ہوگئے اور میں نے اس کا تحمل[4] کیا ہے۔ خلف بن ایوب ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ

حل لغات: ① گھبراہٹ۔ ② خبردار کرنا، ہوشیار کرنا۔ ③ پیلا۔ ④ برداشت۔

تمہیں نماز میں مکھیاں دِق[1] نہیں کرتیں؟ فرمایا کہ فاسق لوگ حکومت کے کوڑے کھاتے ہیں، اور حرکت نہیں کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں، اور اپنے صبر و تحمل پر اکڑتے ہیں کہ اتنے کوڑے مارے، میں ہلا تک نہیں، میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کر جاؤں۔ مسلم بن یَسارؒ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ تم باتیں کرتے رہو، مجھے تمہاری بات کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔

ایک مرتبہ بَصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کا ایک حصہ گرا، لوگ اس کی وجہ سے دوڑے، وہاں جمع ہوئے شور و شغب ہوا؛ مگر ان کو پتہ ہی نہ چلا۔ حاتم اَصَمؒ سے کسی نے ان کی نماز کی کیفیت پوچھی تو کہنے لگے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو وضو کے بعد اس جگہ پہونچ کر جہاں نماز پڑھوں؛ تھوڑی دیر بیٹھتا ہوں کہ بدن کے تمام حصے میں سکون پیدا ہو جائے، پھر نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، اس طرح کہ بیت اللہ کو اپنی نگاہ کے سامنے سمجھتا ہوں، اور پُل صِراط کو پاؤں کے نیچے، جنت کو دائیں طرف، اور جہنم کو بائیں طرف، اور موت کے فرشتے کو اپنے پیچھے کھڑا ہوا خیال کرتا ہوں، اور سمجھتا ہوں کہ یہ آخری نماز ہے، اس کے بعد پورے خشوع خضوع سے نماز پڑھتا ہوں، اور اس کے بعد امید اور ڈر کے درمیان رہتا ہوں کہ نہ معلوم قبول ہوئی یا نہیں۔ [اِحیاء]

⑤ ایک مُہاجر اور ایک انصاری کی چوکیداری اور انصاری کا نماز میں تیر کھانا

نبی اکرم ﷺ ایک غزوہ[2] سے واپس تشریف لا رہے تھے، شب[3] کو ایک جگہ قیام فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آج شب کو حفاظت اور چوکیدارہ کون کرے گا؟ ایک مہاجری اور ایک انصاری حضرت عمّار بن یاسر ؓ اور حضرت عبّاد بن بِشر ؓ نے عرض کیا کہ ہم دونوں کریں گے۔ حضور ﷺ نے ایک پہاڑی جہاں سے دشمن کے آنے کا راستہ ہو سکتا تھا، بتادی کہ اس پر دونوں قیام کرو۔ دونوں حضرات وہاں تشریف لے گئے، وہاں جا کر انصاری نے مہاجری سے کہا کہ رات کو دو حصوں پر منقسم[4] کر کے ایک حصہ میں آپ سو رہیں، میں جاگتا رہوں، دوسرے حصہ میں آپ جاگیں، میں سوتا رہوں کہ دونوں کے تمام رات جاگنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی وقت نیند کا غلبہ ہو جائے اور دونوں کی آنکھ لگ جائے، اگر کوئی خطرہ جاگنے والے کو محسوس ہو تو اپنے ساتھی کو جگا لے۔ رات کا پہلا آدھا حصہ انصاری کے جاگنے کا قرار پایا اور مہاجری سو گئے، انصاری نے نماز کی نیت باندھ لی، دشمن کی جانب سے ایک شخص آیا اور دور سے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر تیر مارا اور جب کوئی حرکت نہ ہوئی، تو دوسرا اور پھر اسی طرح تیسرا تیر مارا، اور ہر تیر ان کے بدن میں گھستا رہا، اور یہ ہاتھ سے اس کو نکال کر پھینکتے رہے، اس کے بعد اطمینان سے رکوع کیا، سجدہ کیا، نماز پوری کر کے اپنے ساتھی کو جگایا۔ وہ تو ایک کی جگہ دو کو دیکھ

حل لغات: ① تنگ۔ ② وہ جنگ جس میں خود حضور ﷺ نے شرکت کی ہو۔ ③ رات۔ ④ تقسیم کرنا، بانٹنا۔

کر بھاگ گیا کہ نہ معلوم کتنے ہوں، مگر ساتھی نے جب اُٹھ کر دیکھا تو انصاری کے بدن سے تین جگہ سے خون ہی خون بہہ رہا تھا، مُہاجر نے فرمایا: سبحان اللہ! تم نے مجھے شروع ہی میں نہ جگالیا، انصاری نے فرمایا کہ میں نے ایک سورت (سورۂ کہف) شروع کر رکھی تھی، میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں، اب بھی مجھے اس کا اندیشہ[1] ہوا کہ ایسا نہ ہو، میں بار بار تیر لگنے کی وجہ سے مرجاؤں اور حضور ﷺ نے جو حفاظت کی خدمت سپرد کر رکھی ہے وہ فوت[2] ہو جائے، اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں مرجاتا، مگر سورت ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا۔ [بیہقی، ابوداؤد]

فائدہ: یہ تھی اُن حضرات کی نماز اور اس کا شوق کہ تیر پر تیر کھائے جائیں اور خون ہی خون ہو جائے، مگر نماز کے لطف[3] میں فرق نہ پڑے۔ ایک ہماری نماز ہے کہ اگر مچھر بھی کاٹ لے تو نماز کا خیال جاتا رہے، بھڑ[4] کا تو پوچھنا ہی کیا۔ یہاں ایک فقہی مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ خون نکلنے سے ہمارے امام یعنی امام اعظمؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، ممکن ہے کہ ان صحابی کا مذہب بھی یہی ہو، یا اس وقت تک اس مسئلہ کی تحقیق نہ ہوئی ہو کہ حضور اکرم ﷺ اس مجلس میں تشریف فرمانہ تھے، یا اس وقت تک یہ حکم ہوا ہی نہ ہو۔

⑥ حضرت ابوطلحہ ؓ کا نماز میں خیال آجانے سے باغ وقف کرنا

حضرت ابوطلحہ ؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک پرندہ اڑا اور چوں کہ باغ گنجان[5] تھا، اس لیے اس کو جلدی سے باہر جانے کا راستہ نہ ملا، کبھی اِس طرف کبھی اُس طرف اُڑتا رہا اور نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا رہا، ان کی نگاہ اس پر پڑی اور اس منظر کی وجہ سے اُدھر خیال لگ گیا، اور نگاہ اس پرندہ کے ساتھ پھرتی رہی۔ دفعتاً[6] نماز کا خیال آیا تو سہو[7] ہو گیا کہ کون سی رکعت ہے، نہایت قلق[8] ہوا کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی کہ نماز میں بھول ہوئی۔ فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا قصہ عرض کر کے درخواست کی کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی، اس لیے میں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں، آپ جہاں دل چاہے اس کو صرف[9] فرما دیجیے۔ اسی طرح ایک اور قصہ حضرت عثمان ؓ کے زمانۂ خلافت میں پیش آیا کہ ایک انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، کھجوریں پکنے کا زمانہ شباب[10] پر تھا، اور خوشے کھجوروں کے بوجھ اور کثرت سے جھکے پڑے تھے، نگاہ خوشوں پر پڑی اور کھجوروں سے بھرے ہونے کی وجہ سے بہت ہی اچھے معلوم ہوئے، خیال اِدھر لگ گیا، جس کی وجہ سے یہ بھی یاد نہ رہا کہ کے رکعتیں ہوئیں، اس کے رنج اور صدمہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ اس کی وجہ سے یہ ٹھان

حل لغات: ① فکر۔ ② چھوٹنا۔ ③ مزہ۔ ④ ایک کیڑا جس کے ڈنک میں زہر ہوتا ہے۔ ⑤ گھنا۔ ⑥ اچانک۔ ⑦ بھول۔ ⑧ افسوس۔ ⑨ خرچ کرنا۔ ⑩ زوروں پر۔ ⑪ گچھے۔

لی کہ اس باغ ہی کو اب نہیں رکھنا، جس کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی؛ چنانچہ حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر عرض کیا کہ یہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، اس کو جو چاہے کیجیے۔ انھوں نے اس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت کرکے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ فرمادی۔ [مؤطا امام مالک]

فائدہ: یہ ایمان کی غیرت ہے کہ نماز جیسی اہم چیز میں خیال آجانے سے پچاس ہزار درم کا باغ ایک دم صدقہ کردیا۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے قولِ جمیل میں صوفیہ کی نسبت کی قسمیں تحریر فرماتے ہوئے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے: کہ یہ نسبت ہے اللہ کی طاعت کو ماسوٰی پر مقدم رکھنا اور اس پر غیرت کرنا کہ ان حضرات کو اس پر غیرت آئی کہ اللہ کی طاعت میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کیوں ہوئی؟۔

⑦ حضرت ابن عباس ؓ کا نماز کی وجہ سے آنکھ نہ بنوانا

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی آنکھ میں جب پانی اُتر آیا، تو آنکھ بنانے والے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو ہم آنکھ بنادیں، لیکن پانچ دن تک آپ کو احتیاط کرنا پڑے گی کہ سجدہ بجائے زمین کے کسی اونچی لکڑی پر کرنا ہوگا، انھوں نے فرمایا: یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، واللہ! ایک رکعت بھی اس طرح پڑھنا مجھے منظور نہیں، حضور ﷺ کا ارشاد مجھے معلوم ہے کہ جو شخص ایک نماز بھی جان کر چھوڑ دے، وہ حق تعالیٰ شانہٗ سے ایسی طرح ملے گا کہ حق سبحانہٗ وتقدس اس پر ناراض ہوں گے۔ [درمنثور]

فائدہ: اگرچہ شرعاً نماز اس طرح سے مجبوری کی حالت میں پڑھنا جائز ہے اور یہ صورت نماز چھوڑنے کی وعید میں داخل نہیں ہوتی، مگر حضرات صحابہ ؓ کو نماز کے ساتھ جو شغف تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد پر عمل کی جس قدر اہمیت تھی، اس کی وجہ سے حضرت ابن عباس ؓ نے آنکھ بنوانے کو بھی پسند نہ کیا، کہ اُن حضرات کے نزدیک ایک نماز پر ساری دنیا قربان تھی، آج ہم بے حیائی سے جو چاہے ان مرمٹنے والوں کی شان میں منہ سے نکال دیں، جب کل اُن کا سامنا ہوگا اور یہ فدائی میدانِ حشر کی سیر کے لطف اُڑا رہے ہوں گے، جب حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ کیا تھے اور ہم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

⑧ صحابہ ؓ کا نماز کے وقت فوراً دکانیں بند کردینا

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ جماعت کا وقت ہوگیا، دیکھا کہ فوراً سب کے سب اپنی اپنی دکانیں بند کرکے مسجد میں داخل ہوگئے، ابن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ان ہی لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ

حل لغات: ① دوسری چیزوں۔ ② پہلے۔ ③ آنکھ کا علاج کرنے والے۔ ④ بہت زیادہ دلچسپی۔ ⑤ جان قربان کرنے والے۔ ⑥ مزہ۔

ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [سورۂ نور:۳۷] ترجمہ پوری آیت شریفہ کا یہ ہے کہ ''ان مسجدوں میں ایسے لوگ صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخصوص[1] نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے، نہ خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے نہ بیچنا، وہ ایسے دن کی پکڑ سے ڈرتے ہیں، جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جائیں گی''۔ [ماخوذ از بیان القرآن]

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ تجارت وغیرہ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے تھے، لیکن جب اذان کی آواز سنتے، تو سب کچھ چھوڑ کر فوراً مسجد میں چلے جاتے، ایک جگہ کہتے ہیں: کہ خدا کی قسم یہ لوگ تاجر تھے، مگر ان کی تجارت ان کو اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ اذان ہوگئی، انھوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے سامان کو چھوڑ کر نماز کی طرف چل دیے، ابن مسعود ؓ نے فرمایا یہی لوگ ہیں جن کو اللہ جلّ شانہٗ نے ﴿لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [سورۂ نور:۳۷] سے یاد فرمایا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ شانہٗ تمام دنیا کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے، تو ارشاد ہوگا۔ کہاں ہیں وہ لوگ، جو خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں اللہ کی حمد کرنے والے تھے؟ تو ایک مختصر جماعت اُٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوجائے گی، پھر ارشاد ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ، جو راتوں میں اپنی خواب[2] گاہ سے دور رہتے اور اپنے رب کو خوف اور رغبت کے ساتھ یاد کرتے تھے؟ تو ایک دوسری مختصر جماعت اُٹھے گی اور وہ بھی جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوجائے گی، پھر ارشاد ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ، جن کو تجارت یا بیچنا اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا تھا؟ تو ایک تیسری جماعت مختصر سی کھڑی ہوگی اور جنت میں بغیر حساب داخل ہوگی، اس کے بعد بقیہ لوگوں کا حساب شروع ہوجائے گا۔ [درمنثور]

⑨ حضرت خُبیب ؓ کا قتل کے وقت نماز پڑھنا اور زید ؓ و عاصم ؓ کا قتل

اُحد کی لڑائی میں جو کافر مارے گئے تھے، ان کے عزیزوں میں انتقام[3] کا جوش زور پر تھا، سُلافہ نے، جس کے دو بیٹے اس لڑائی میں مارے گئے تھے، منت مانی تھی کہ اگر عاصم کا (جنھوں نے اس کے بیٹوں کو قتل کیا تھا) سَر ہاتھ آجائے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیونگی، اس لیے اس نے اعلان کیا تھا کہ جو عاصم کا سَر لائے گا اس کو سو اُونٹ انعام دوں گی، سفیان بن خالد کو اس لالچ نے آمادہ کیا کہ وہ ان کا سَر لانے کی کوشش کرے، چنانچہ اس نے عَضَل وقَارَہ کے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا، ان لوگوں نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور حضور اقدس ﷺ سے تعلیم وتبلیغ کے لیے اپنے ساتھ چند حضرات کو بھیجنے کی درخواست کی اور حضرت عاصم ؓ کو بھی ساتھ بھیجنے کی درخواست کی کہ ان کا

حل لغات: ① خاص طور سے۔ ② سونے کی جگہ۔ ③ بدلہ۔

وعظ پسندیدہ بتلایا، چنانچہ حضور ﷺ نے دس آدمیوں کو اور بعض روایات میں چھ آدمیوں کو ان کے ساتھ کر دیا، جن میں حضرت عاصم ؓ بھی تھے، راستہ میں جا کر ان لے جانے والوں نے بدعہدی[1] کی اور دشمنوں کو مقابلہ کے لیے بلایا، جو دو سو[2] آدمی تھے اور ان میں سے سو[3] آدمی بہت مشہور تیر انداز[4] تھے اور بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان حضرات کو مکہ والوں کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا، راستہ میں بنو لحیان[5] کے دو سو آدمیوں سے مقابلہ ہوا، یہ مختصر جماعت دس آدمیوں کی یا چھ آدمیوں کی یہ حالت دیکھ کر ایک پہاڑی پر، جس کا نام فَدفَد تھا چڑھ گئی، کفار نے کہا کہ ہم تمہارے خون سے اپنی زمین رنگنا نہیں چاہتے، صرف اہل مکہ سے تمہارے بدلہ میں کچھ مال لینا چاہتے ہیں، تم ہمارے ساتھ آجاؤ، ہم تم کو قتل نہ کریں گے، مگر انھوں نے کہا کہ ہم کافر کے عہد[6] میں آنا نہیں چاہتے اور ترکش[7] سے تیر نکال کر مقابلہ کیا، جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا، حضرت عاصم ؓ نے ساتھیوں سے جوش میں کہا کہ تم سے دھوکہ کیا گیا، مگر گھبرانے کی بات نہیں، شہادت کو غنیمت سمجھو، تمہارا محبوب تمہارے ساتھ ہے اور جنت کی حوریں تمہاری منتظر ہیں، یہ کہہ کر جوش سے مقابلہ کیا اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا، تو تلوار سے مقابلہ کیا، مقابلوں کا مجمع کثیر[8] تھا، آخر شہید ہو گئے اور دعا کی کہ یا اللہ! اپنے رسول ﷺ کو ہمارے قصہ کی خبر کر دے، چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور اسی وقت اس واقعہ کا علم حضور ﷺ کو ہو گیا اور چونکہ عاصم ؓ یہ بھی سن چکے تھے کہ سلافہ نے میرے سر کی کھوپڑی میں شراب پینے کی منت مانی ہے، اس لیے مرتے وقت دعا کی کہ یا اللہ! میرا سر تیرے راستے میں کاٹا جا رہا ہے تو ہی اس کا محافظ[9] ہے، وہ دعا بھی قبول ہوئی اور شہادت کے بعد جب کافروں نے سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا اور بعض روایتوں میں بھڑوں کا ایک غول[10] بھیج دیا، جنھوں نے ان کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا، کافروں کو خیال تھا کہ رات کے وقت جب یہ اُڑ جائیں گی، تو سر کاٹ لیں گے، مگر رات کو ایک بارش کی رَو[11] آئی اور اُن کی نعش کو بہا کر لے گئی، اسی طرح سات آدمی یا تین آدمی شہید ہو گئے، غرض تین باقی رہ گئے۔ حضرت خبیب ؓ اور زید بن دَثِنہ ؓ اور عبداللہ بن طارق ؓ، ان تینوں حضرات سے پھر انھوں نے عہد[12] و پیمان کیا کہ تم نیچے آجاؤ، ہم تم سے بدعہدی نہ کریں گے، یہ تینوں حضرات نیچے اُتر آئے اور نیچے اُترنے پر کفار نے ان کی کمانوں کی تانت[13] اُتار کر اُن کی مشکیں[14] باندھیں، حضرت عبداللہ بن طارق ؓ نے فرمایا کہ یہ پہلی بدعہدی ہے، میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، ان شہید ہونے والوں کا اقتدا[15] ہی مجھے پسند ہے، انھوں نے زبردستی ان کو کھینچنا چاہا، مگر یہ نہ ٹلے، تو ان لوگوں نے ان کو بھی شہید کر دیا، صرف دو حضرات ان کے ساتھ رہے، جن کو لے جا کر ان لوگوں نے مکہ والوں

حل لغات: (۱) وعدہ خلافی۔ (۲) تیر چلانے میں ماہر۔ (۳) قبیلہ کا نام۔ (۴) وعدہ۔ (۵) تیر رکھنے کی تھیلی۔ (۶) زیادہ۔ (۷) حفاظت کرنے والا۔ (۸) جماعت۔ (۹) پانی کی تیز دھار۔ (۱۰) وعدہ۔ (۱۱) کمان کی رسّی۔ (۱۲) گرفتار کر لیا۔ (۱۳) پیروی۔

کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ایک حضرت زید بن دثنہ ﷺ، جن کو صفوان بن اُمیہ نے پچاس اونٹ کے بدلہ میں خریدا، تاکہ اپنے باپ اُمیّہ کے بدلہ میں قتل کرے، دوسرے حضرت خبیب ﷺ جن کو جُبیر بن ابی اہاب نے سو اونٹ کے بدلہ میں خریدا، تاکہ اپنے باپ کے بدلہ میں ان کو قتل کرے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا کہ انھوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا، صفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زید ﷺ کو فوراً ہی حرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیج دیا کہ قتل کر دیے جاویں، اس کا تماشا دیکھنے کے واسطے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے، جن میں ابوسفیان بھی تھا، اس نے حضرت زید ﷺ سے شہادت کے وقت پوچھا کہ اے زید! تجھ کو خدا کی قسم! سچ کہنا، کیا تجھ کو یہ پسند ہے کہ محمد (ﷺ) کی گردن تیرے بدلہ میں ماردی جائے اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال[1] میں خوش وخرّم رہے؟ حضرت زید ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور اقدس ﷺ جہاں ہیں، وہیں ان کے ایک کانٹا بھی چُبھے اور ہم اپنے گھر آرام سے رہیں، یہ جواب سن کر قریش حیران رہ گئے، ابوسفیان نے کہا کہ محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو جتنی ان سے محبت دیکھی، اس کی نظیر[2] کہیں نہیں دیکھی، اس کے بعد حضرت زید ﷺ شہید کر دیے گئے، حضرت خبیب ﷺ ایک عرصہ تک قید میں رہے، حجیر کی باندی جو بعد میں مسلمان ہوگئیں، کہتی ہیں کہ جب خبیب ﷺ ہم لوگوں کی قید میں تھے، تو ہم نے دیکھا کہ خبیب ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ[3] آدمی کے سر کے برابر ہاتھ میں لیے ہوئے انگور کھا رہے تھے اور مکہ میں اس وقت انگور بالکل نہیں تھا۔ وہی کہتی ہیں کہ جب ان کے قتل کا وقت قریب آیا، تو انھوں نے صفائی کے لیے اُسترہ مانگا، وہ دے دیا گیا، اتفاق سے ایک کمسن[4] بچہ اس وقت خبیب کے پاس چلا گیا، ان لوگوں نے دیکھا کہ اُسترہ ان کے ہاتھ میں ہے اور بچہ ان کے پاس، یہ دیکھ کر گھبرائے، خبیب نے فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بچہ کو قتل کر دوں گا؟ ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد اُن کو حرم سے باہر لایا گیا اور سُولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ، انھوں نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کی ملاقات قریب ہے، چنانچہ مہلت دی گئی، انھوں نے دو رکعتیں نہایت اطمینان سے پڑھیں اور پھر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر کی وجہ سے دیر کر رہا ہوں تو دو رکعت اور پڑھتا۔ اس کے بعد سولی پر لٹکا دیے گئے، تو انھوں نے دعا کی کہ یا اللہ! کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جو تیرے رسول پاک ﷺ تک میرا آخری سلام پہونچا دے؛ چنانچہ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی اُسی وقت سلام پہونچایا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وعلیکم السلام یا خبیب! اور ساتھیوں کو اطلاع فرمائی کہ خبیب کو قریش نے قتل کر دیا۔ حضرت خبیب ﷺ کو جب سولی پر چڑھایا گیا، تو چالیس کافروں نے نیزے

حل لغات: (۱) گھر والوں۔ (۲) مثال۔ (۳) گچھا۔ (۴) چھوٹا۔

لے کر چاروں طرف سے ان پر حملہ کیا اور بدن کو چھلنی کر دیا، اس وقت کسی نے قسم دے کر یہ بھی پوچھا کہ تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں اور تم کو چھوڑ دیں؟ انھوں نے فرمایا: واللہ العظیم! مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری جان کے فدیہ[1] میں ایک کانٹا بھی حضور ﷺ کے چبھے۔ [فتح اسلام]

فائدہ: ویسے تو ان قصوں کا ہر ہر لفظ عبرت ہے، لیکن اس قصہ میں دو چیزیں خاص طور سے قابلِ قدر قابلِ عبرت ہیں: ان حضرات کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت و عشق کہ اپنی جان جائے اور اس کے بدلہ میں اتنا لفظ کہنا بھی گوارا نہیں کہ حضور ﷺ کو کسی قسم کی تکلیف معمولی سی بھی پہونچ جائے، اس لیے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے صرف زبان سے ہی کہلانا چاہتے تھے اور صرف زبان سے کہنا ہی تھا، ورنہ بدلہ میں حضور ﷺ کو تکلیف پہونچانے پر تو اُن کفار کو بھی قدرت نہ تھی؛ بلکہ وہ لوگ خود ہی ہر وقت تکلیف پہونچانے کی کوشش میں رہتے تھے، جس میں بدلا بے بدلا سب برابر تھا، دوسری چیز نماز کی عظمت اور اس کا شغف[2] کہ ایسے آخری وقت میں عام طور سے بیوی بچوں کو آدمی یاد کرتا ہے، صورت دیکھنا چاہتا ہے، پیام وسلام کہتا ہے؛ مگر ان حضرات کو پیام وسلام دینا ہے تو حضور ﷺ کو اور آخری تمنا ہے تو دو رکعت نماز کی۔

⑩ حضور ﷺ کی جنت میں مَعِیَّت[3] کے لیے نماز کی مدد

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں رات گذارتا تھا اور تہجد کے وقت وضو کا پانی اور دوسری ضروریات مثلاً مسواک مصلّٰی وغیرہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے میری خدمات سے خوش ہو کر فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جنت میں آپ کی رفاقت[4]، آپ ﷺ نے فرمایا: اور کچھ کہ بس یہی چیز مطلوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا میری مدد کیجیو سجدوں کی کثرت[5] سے۔ [ابوداؤد]

فائدہ: اس میں تنبیہ ہے اس امر[6] پر کہ صرف دعا پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھنا چاہیے؛ بلکہ کچھ طلب اور عمل کی بھی ضرورت ہے، اور اعمال میں سب سے اہم نماز ہے کہ جتنی اس کی کثرت ہوگی اتنے ہی سجدے زیادہ ہوں گے۔ جو لوگ اس سہارے پر بیٹھے رہتے ہیں کہ فلاں پیر، فلاں بزرگ سے دعا کرائیں گے، سخت غلطی ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے اس دنیا کو اسباب کے ساتھ چلایا ہے، اگرچہ بے اسباب ہر چیز پر قدرت ہے اور قدرت کے اظہار کے واسطے کبھی ایسا کر بھی دیتے ہیں، لیکن عام عادت یہی ہے کہ دنیا کے کاروبار اسباب سے لگا رکھے ہیں، حیرت ہے کہ ہم لوگ دنیا کے کاموں میں تو تقدیر پر اور صرف دعا پر بھروسہ کر کے کبھی نہیں بیٹھتے، پچاس طرح کی کوشش کرتے ہیں، مگر دین کے کاموں میں تقدیر اور دعا بیچ میں آجاتی ہے، اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کی دعا نہایت اہم ہے؛ مگر حضور ﷺ نے بھی یہ ارشاد فرمایا کہ سجدوں کی کثرت سے میری دعا کی مدد کرنا۔

حل لغات: (۱) بدلے۔ (۲) بہت زیادہ دلچسپی۔ (۳) ساتھ۔ (۴) ساتھ۔ (۵) زیادتی۔ (۶) بات۔

چھٹا باب: ایثار و ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

ایثار کہتے ہیں: اپنی ضرورت کے وقت دوسرے کو ترجیح دینا، اول تو صحابہ کرام ؓ کی ہر ادا، ہر عادت ایسی ہی ہے، جس کی برابری تو درکنار[1]، اس کا کچھ بھی حصہ کسی خوش قسمت کو نصیب ہو جائے تو عین سعادت[2] ہے، لیکن بعض عادتیں ان میں سے ایسی ممتاز[3] ہیں کہ انھیں کا حصہ تھیں، ان کے منجملہ ایثار ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے کلام اللہ شریف میں اس کی تعریف فرمائی اور ﴿يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [سورۂ حشر:۹] میں اس صفت کو ذکر فرمایا کہ ''وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، گو ان پر فاقہ ہی ہو''۔

① صحابی کا مہمان کی خاطر چراغ بجھا دینا

ایک صحابی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک اور پریشانی کی حالت کی اطلاع دی، حضور ﷺ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا، کہیں کچھ نہ ملا، تو حضور ﷺ نے صحابہ ؓ سے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو ان کی ایک رات کی مہمانی قبول کرے؟ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں مہمانی کروں گا۔ ان کو گھر لے گئے اور بیوی سے فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کے مہمان ہیں، جو اکرام کر سکے اس میں کسر[4] نہ کرنا اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا: خدا کی قسم! بچوں کے قابل کچھ تھوڑا سا رکھا ہے اور کچھ بھی گھر میں نہیں۔ صحابی نے فرمایا! بچوں کو بہلا کر سلا دیجیو اور جب وہ سو جائیں تو کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھ جاویں گے، اور تو چراغ کے درست کرنے کے بہانے سے اُٹھ کر اس کو بجھا دینا؛ چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا اور دونوں میاں بیوی اور بچوں نے فاقہ سے رات گذاری، جس پر یہ آیت ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ [سورۂ حشر:۹] نازل ہوئی، ترجمہ: اور ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔

فائدہ: اس قسم کے متعدد واقعات ہیں، جو صحابہ ؓ کے یہاں پیش آئے، چنانچہ ایک دوسرا واقعہ اسی قسم کا لکھا ہے۔

② روزہ دار کے لیے چراغ بجھا دینا

ایک صحابی روزہ پر روزہ رکھتے تھے، افطار کے لیے کوئی چیز کھانے کی میسر نہ آتی تھی۔ ایک انصاری صحابی حضرت ثابت ؓ نے تاڑ[5] لیا۔ بیوی سے کہا کہ میں رات کو ایک مہمان کو لاؤں گا، جب کھانا شروع کریں تو تم چراغ کو درست کرنے کے حیلہ[6] سے بجھا دینا اور اتنے مہمان کا پیٹ نہ بھر جائے خود نہ کھانا؛ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، ساتھ میں سب شریک رہے جیسے کھا رہے ہوں، صبح کو حضرت ثابت ؓ جب حضور ﷺ کی

حل لغات: ① الگ رہا۔ ② حقیقی خوش قسمتی۔ ③ انوکھی۔ ④ کمی۔ ⑤ سمجھ لیا۔ ⑥ بہانہ۔

مجلس میں حاضر ہوئے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات کا تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ کا برتاؤ حق تعالیٰ شانہٗ کو بہت ہی پسند آیا۔ [ابوداؤد]

۳ ایک صحابی کا زکوٰۃ میں اونٹ دینا

حضرت اُبَی ابن کَعب ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے کے لیے بھیجا، میں ایک صاحب کے پاس گیا اور ان سے ان کے مال کی تفصیل معلوم کی، تو ان پر ایک اونٹ کا بچہ ایک سالہ واجب تھا، میں نے ان سے اس کا مطالبہ کیا۔ وہ فرمانے لگے کہ ایک سال کا بچہ نہ دودھ کے کام کا، نہ سواری کے کام کا، انھوں نے ایک نفیس عمدہ جوان اونٹنی سامنے کی کہ یہ لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ میں تو اس کو نہیں لے سکتا کہ مجھے عمدہ مال لینے کا حکم نہیں، البتہ اگر تم یہی دینا چاہتے ہو تو حضور اقدس ﷺ سفر میں ہیں اور آج کا پڑاؤ[1] فلاں جگہ تمہارے قریب ہی ہے، حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر پیش کر دو، اگر منظور فرما لیا تو مجھے انکار نہیں، ورنہ میں معذور[2] ہوں، وہ اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ ہو لیے، اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس آپ کے قاصد[3] زکوٰۃ کا مال لینے آئے تھے اور خدا کی قسم مجھے آج تک یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ رسول اللہ یا ان کے قاصد نے میرے مال میں کبھی تصرّف[4] فرمایا ہو، اس لیے میں نے اپنا سارا مال سامنے کر دیا، انھوں نے فرمایا کہ اس میں ایک سالہ اونٹ کا بچہ زکوٰۃ کا واجب ہے۔ حضور! ایک سال کے بچہ سے نہ تو دودھ کا ہی نفع[5] ہے نہ سواری کا، اس لیے میں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی پیش کی تھی، جس کو انھوں نے قبول نہیں فرمایا، اس لیے میں خود لے کر حاضر ہوا ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے، جو انھوں نے بتلائی، مگر تم اپنی طرف سے اس سے زیادہ اور عمدہ مال دو تو قبول ہے، اللہ تمہیں اس کا اجر مرحمت[6] فرمائیں، انھوں نے عرض کیا کہ یہ حاضر ہے، حضور ﷺ نے قبول فرما لیا اور برکت کی دعا فرمائی۔

فائدہ: یہ زکوٰۃ کے مال کا منظر ہے، آج بھی اسلام کے بہت سے دعوے دار ہیں اور حضور ﷺ کی محبت کا دم بھی بھرتے ہیں، لیکن زکوٰۃ کے ادا کرنے میں زیادتی کا تو کیا ذکر ہے، پوری مقدار بھی ادا کرنا موت ہے۔ جو اونچے طبقے والے زیادہ مال والے کہلاتے ہیں، ان کے یہاں تو اکثر و بیشتر اس کا ذکر ہی نہیں، لیکن جو متوسط[7] حیثیت کے لوگ ہیں اور اپنے کو دین دار بھی سمجھتے ہیں، وہ بھی اس کی کوشش کرتے ہیں کہ جو خرچ اپنے عزیز رشتہ داروں میں، یا کسی دوسری جگہ مجبوری سے پیش آجائے، اس میں زکوٰۃ ہی کی نیت کر لیں۔

حل لغات: (۱) ٹھہرنا۔ (۲) مجبور۔ (۳) پیغام لانے والا۔ (۴) دخل دیا ہو۔ (۵) فائدہ۔ (۶) عنایت۔ (۷) درمیانی۔

④ حضرات شیخین کا صدقہ میں مقابلہ

حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا، اتفاقاً اس زمانہ میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا، میں نے کہا: آج میرے پاس اتفاق سے مال موجود ہے، اگر میں ابوبکر سے کبھی بھی بڑھ سکتا ہوں، تو آج بڑھ جاؤں گا، یہ سوچ کر خوشی خوشی میں گھر گیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا، اس میں سے آدھا لے آیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا کہ چھوڑ آیا، حضور ﷺ نے فرمایا: آخر کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا: آدھا چھوڑ آیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق ﷺ جو کچھ رکھا تھا سب لے آئے، حضور ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ انھوں نے فرمایا: ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے نام کی برکت اور ان کی رضا[1] اور خوشنودی کو چھوڑ آیا، حضرت عمر ﷺ کہتے ہیں، میں نے کہا حضرت ابوبکر سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

فائدہ: خوبیوں اور نیکیوں میں اس کی کوشش کرنا کہ دوسرے سے بڑھ جاؤں یہ مُستَحسَن[2] اور مندوب[3] ہے، قرآن پاک میں بھی اس کی ترغیب آئی ہے، یہ قصہ غزوۂ تبوک کا ہے، اس وقت میں حضور اکرم ﷺ نے چندہ کی خاص طور سے ترغیب فرمائی تھی، اور صحابۂ کرام ﷺ نے اپنے اپنے حوصلہ کے موافق، بلکہ ہمت و وسعت سے زیادہ اعانتیں[4] فرمائیں، جن کا ذکر باب: دَوْ[2] کے قصہ: نَو[9] میں بھی مختصر طور پر گذرا ہے۔ جزاهم الله عنا وعن سائر المسلمين أحسن الجزاء.

⑤ صحابہ ﷺ کا دوسروں کی وجہ سے پیاسے مرنا

حضرت ابوجَہم بن حُذَیفہ ﷺ کہتے ہیں کہ یرمُوک کی لڑائی میں میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا کہ وہ لڑائی میں شریک تھے اور ایک مَشکیزہ پانی کا میں نے اپنے ساتھ لیا کہ ممکن ہے وہ پیاسے ہوں، تو پانی پلاؤں، اتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ دم توڑ رہے تھے اور جاں[5] کنی شروع تھی، میں نے پوچھا: پانی کا گھونٹ دوں؟ انھوں نے اشارے سے ہاں کی، اتنے میں دوسرے صاحب نے، جو قریب ہی پڑے تھے اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے، آہ کی۔ میرے چچازاد بھائی نے آواز سنی، تو مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر گیا، وہ ہشام بن ابی العاص ﷺ تھے، ان کے پاس پہونچا ہی تھا کہ اُن کے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حال میں پڑے دم توڑ رہے تھے، انھوں نے آہ کی، ہشام ﷺ نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کر دیا، میں اُن کے پاس پانی لے کر پہونچا، تو اُن کا دَم نکل چکا تھا، ہشام ﷺ کے پاس واپس آیا، تو وہ بھی جاں[6] بحق ہو چکے تھے، ان کے پاس سے اپنے بھائی کے پاس لوٹا، تو اتنے میں وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون [درایہ]

حل لغات: ① خوشی۔ ② بہتر۔ ③ مستحب۔ ④ امداد۔ ⑤ جان نکلنے کی گھڑی۔ ⑥ انتقال۔

فائدہ: اس نوع[1] کے متعدد واقعات کتبِ حدیث میں ذکر کیے گئے، کیا انتہا ہے اس ایثار کی کہ اپنا بھائی آخری دم توڑ رہا ہو اور پیاسا ہو، ایسی حالت میں کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ اُس کو پیاسا چھوڑ کر دوسرے کو پانی پلانے چلا جائے اور ان مرنے والوں کی روحوں کو اللہ جلّ شانہٗ اپنے لطف و فضل سے نوازیں کہ مرنے کے وقت بھی جب ہوش و حواس سب ہی جواب دے دیتے ہیں، یہ لوگ ہمدردی میں جان دیتے ہیں۔

⑥ حضرت حمزہ ؓ کا کفن

حضور اقدس ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ؓ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے اور بے دردی[2] کافروں نے آپ ؓ کے کان ناک وغیرہ اعضا کاٹ دیے اور سینہ چیر کر دل نکالا اور طرح طرح کے ظلم کیے، لڑائی کے ختم پر حضور اکرم ﷺ اور دوسرے صحابہ ؓ شہیدوں کی نعشیں[3] تلاش فرما کر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرما رہے تھے، کہ حضرت حمزہ ؓ کو اس حالت میں دیکھا، نہایت صدمہ[4] ہوا اور ایک چادر سے ان کو ڈھانک دیا، اتنے میں حضرت حمزہ ؓ کی حقیقی بہن حضرت صفیہ ؓ تشریف لائیں کہ اپنے بھائی کی حالت کو دیکھیں، حضور ﷺ نے اِس خیال سے کہ آخر عورت ہے، ایسے ظلموں کو دیکھنے کا تحمل[5] مشکل ہوگا، ان کے صاحبزادہ حضرت زبیر ؓ سے ارشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کو دیکھنے سے منع کرو، انھوں نے والدہ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ نے دیکھنے کو منع فرما دیا، انھوں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ میرے بھائی کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیے گئے، اللہ کے راستے میں یہ کون سی بڑی بات ہے؟ ہم اس پر راضی ہیں، میں اللہ سے ثواب کی امید رکھتی ہوں اور انشاء اللہ صبر کروں گی۔ حضرت زبیر ؓ نے حضور ﷺ سے جا کر اس کلام کا ذکر کیا، تو حضور ﷺ نے اس جواب کو سن کر دیکھنے کی اجازت عطا فرما دی، آ کر دیکھا، انا للہ پڑھی اور ان کے لیے استغفار اور دعا کی۔ ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ احد میں جہاں نعشیں رکھی ہوئی تھیں ایک عورت تیزی سے آ رہی تھی، حضور ﷺ نے فرمایا: دیکھو! عورت کو روکو، حضرت زبیر ؓ کہتے ہیں: میں نے پہچان لیا کہ میری والدہ ہیں، میں جلدی سے روکنے کے لیے بڑھا، مگر وہ قوی تھیں، ایک گھونسا میرے مارا اور کہا پرے ہٹ، میں نے کہا کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے، تو فوراً کھڑی ہو گئیں، اس کے بعد دو کپڑے نکالے اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کے کفن کے لیے لائی تھی کہ میں ان کے انتقال کی خبر سن چکی تھی، ان کپڑوں میں ان کو کفنا دینا، ہم لوگ وہ کپڑے لے کر حضرت حمزہ ؓ کو کفنانے لگے کہ برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے، جن کا نام حضرت سہیل ؓ تھا، ان کا بھی کفار نے ایسا ہی حال کر رکھا تھا، جیسا کہ حضرت حمزہ ؓ کا تھا، ہمیں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہ ؓ کو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور انصاری کے پاس ایک بھی نہ ہو، اس لیے ہم نے دونوں کے لیے ایک ایک

حل لغات: ① قسم۔ ② بے رحم۔ ③ لاشیں۔ ④ تکلیف۔ ⑤ برداشت۔

کپڑا تجویز[1] کر دیا، مگر ایک کپڑا ان میں بڑا تھا، دوسرا چھوٹا، تو ہم نے قرعہ[2] ڈالا کہ قرعہ میں جو کپڑا جن کے حصہ میں آجائے گا، وہ ان کے کفن میں لگایا جائے، قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیل ؓ کے حصہ میں آیا اور چھوٹا حضرت حمزہ ؓ کے حصہ میں آیا، جو اُن کے قد سے بھی کم تھا کہ اگر سر کو ڈھانکا جاتا، تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا، تو سر کھل جاتا، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سر کو کپڑے سے ڈھانک دو اور پاؤں پر پتے وغیرہ ڈال دو۔ [خمیس]

ابن سعدؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ ؓ جب دو کپڑے لے کر حضرت حمزہ ؓ کی نعش پر پہونچیں، تو ان کے قریب ہی ایک انصاری اسی حال میں پڑے ہوئے تھے، تو ایک ایک کپڑے میں دونوں کو کفن دیا گیا، حضرت حمزہ ؓ کا کپڑا بڑا تھا۔ یہ روایت مختصر ہے اور خمیس کی روایت مفصل ہے۔

فائدہ: یہ دو جہاں کے بادشاہ کے چچا کا کفن ہے، وہ بھی اس طرح کہ ایک عورت اپنے بھائی کے لیے دو کپڑے دیتی ہے، اس میں یہ گوارا نہیں کہ دوسرا انصاری بے کفن رہے، ایک ایک کپڑا بانٹ دیا جاتا ہے، اور پھر چھوٹا کپڑا اُس شخص کے حصہ میں آتا ہے، جو کئی وجہ سے ترجیح[3] کا استحقاق[4] بھی رکھتا ہے، غریب پروری[5] اور مساوات[6] کے دعوے دار اگر اپنے دعووں میں سچے ہیں، تو ان پاک ہستیوں کا اتباع[7] کریں، جو کہہ کر نہیں، بلکہ کر کے دکھلا گئے، ہم لوگوں کو اپنے لیے اُن کا پیرو[8] کہنا بھی شرم کی بات ہے۔

⑦ بکرے کی سری[9] کا چکر کاٹ کر واپس آنا

حضرت ابن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کو کسی شخص نے بکرے کی سری ہدیہ کے طور پر دی، انھوں نے خیال فرمایا کہ میرے فلاں ساتھی زیادہ ضرورت مند ہیں، کنبہ والے ہیں، وہ اور ان کے گھر والے زیادہ محتاج ہیں، اس لیے ان کے پاس بھیج دی، ان کو ایک تیسرے صاحب کے متعلق یہی خیال پیدا ہوا اور ان کے پاس بھیج دی، غرض اسی طرح سات گھروں میں پھر کر وہ سری سب سے پہلے صحابی کے گھر لوٹ آئی۔ [درمنثور]

فائدہ: اِس قصہ سے اُن حضرات کا عام طور سے محتاج اور ضرورت مند ہونا بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ ہر شخص کو دوسرے کی ضرورت اپنے سے مقدم[10] معلوم ہوتی تھی۔

⑧ حضرت عمر ؓ کا اپنی بیوی کو زچگی[11] میں لے جانا

امیر المومنین حضرت عمر ؓ اپنے خلافت کے زمانہ میں بسا اوقات[12] رات کو چوکیدارہ کے طور پر شہر کی حفاظت بھی فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ اسی حالت میں ایک میدان میں گذر

حل لغات: (۱) طے کرنا۔ (۲) چٹھی ڈالی۔ (۳) فضیلت۔ (۴) حق۔ (۵) سخاوت۔ (۶) برابری۔ (۷) پیروی کرنا۔ (۸) اتباع کرنے والا۔ (۹) ذبح کیے ہوئے جانور کا سر۔ (۱۰) پہلے۔ (۱۱) بچے کی پیدائش کا وقت۔ (۱۲) اکثر مرتبہ۔

ہوا، دیکھا کہ ایک خیمہ بالوں کا بنا ہوا لگا ہوا ہے، جو پہلے وہاں نہیں دیکھا تھا، اس کے قریب پہونچے، تو دیکھا کہ ایک صاحب وہاں بیٹھے ہیں اور خیمہ سے کچھ کراہنے کی آواز آرہی ہے، سلام کر کے ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور دریافت[1] کیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا ایک مسافر ہوں، جنگل کا رہنے والا ہوں، امیر المومنین کے سامنے کچھ اپنی ضرورت پیش کر کے مدد چاہنے کے واسطے آیا ہوں، دریافت فرمایا کہ یہ خیمہ میں سے آواز کیسی آرہی ہے؟ ان صاحب نے کہا: میاں جاؤ اپنا کام کرو، آپ نے اصرار فرمایا کہ نہیں بتا دو، کچھ تکلیف کی آواز ہے، ان صاحب نے کہا کہ عورت کی وِلادت[2] کا وقت قریب ہے، دردِزہ[3] ہو رہا ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کوئی دوسری عورت بھی پاس ہے؟ اُنہوں نے کہا کوئی نہیں، آپ ﷺ وہاں سے اُٹھے اور مکان تشریف لے گئے اور اپنی بیوی حضرت اُم کلثوم ﷺ سے فرمایا، کہ ایک بڑے ثواب کی چیز مقدّر[4] سے تمہارے لیے آئی ہے، انھوں نے پوچھا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک گاؤں کی رہنے والی بے چاری تنہا ہے، اس کو دردِ زہ ہو رہا ہے، انھوں نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ہاں تمہاری صلاح[5] ہو، تو میں تیار ہوں اور کیوں نہ تیار ہوتیں کہ یہ بھی آخر حضرت سیدہ فاطمہ ﷺ کی ہی صاحبزادی تھیں، حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ ولادت کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہو، تیل، گودڑ[6] وغیرہ لے لو اور ایک ہانڈی اور کچھ گھی اور دانے وغیرہ بھی ساتھ لے لو، وہ لے کر چلیں۔ حضرت عمر ﷺ خود پیچھے پیچھے ہو لیے، وہاں پہونچ کر حضرت اُم کلثوم ﷺ تو خیمہ میں چلی گئیں اور آپ نے آگ جلا کر اس ہانڈی میں دانے اُبالے، گھی ڈالا، اتنے میں ولادت سے فراغت ہوگئی، اندر سے حضرت اُم کلثوم ﷺ نے آواز دے کر عرض کیا: امیر المومنین! اپنے دوست کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دیجیے، امیر المومنین کا لفظ جب ان صاحب کے کان میں پڑا تو بڑے گھبرائے، آپ نے فرمایا: گھبرانے کی بات نہیں، وہ ہانڈی خیمہ کے پاس رکھ دی کہ اس عورت کو بھی کچھ کھلا دیں، حضرت اُم کلثوم ﷺ نے اس کو کھلایا اس کے بعد ہانڈی باہر دے دی، حضرت عمر ﷺ نے اس بدو[7] سے کہا کہ لو تم بھی کھاؤ، رات بھر تمہاری جاگنے میں گذر گئی، اس کے بعد اہلیہ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لے آئے اور ان صاحب سے فرمادیا کہ کل آنا تمہارے لیے انتظام کر دیا جائے گا۔ [اشہر]

فائدہ: ہمارے زمانے کا کوئی بادشاہ یا رئیس نہیں، کوئی معمولی حیثیت کا مالدار بھی ایسا ہے جو غریب کی ضرورت میں مسافر کی مدد کے واسطے اس طرح بیوی کو رات کو جنگل میں لے جائے اور خود اپنے آپ چولھا دھونک[8] کر پکائے؟ مالدار کو چھوڑیے کوئی دین دار بھی ایسا کرتا ہے؟ سوچنا چاہیے کہ جن کے نام لیوا ہیں اور ان جیسی برکات کی ہر بات میں امید رکھتے ہیں، کوئی کام بھی ہم ان جیسا کر لیتے ہیں؟۔

حل لغات: (۱) پوچھا۔ (۲) بچے کی پیدائش۔ (۳) بچہ جننے کا درد۔ (۴) قسمت۔ (۵) مشورہ۔ (۶) پُرانے کپڑے۔ (۷) عرب کے دیہاتی۔ (۸) پھونک کر آگ جلانا۔

⑨ حضرت ابوطلحہ ؓ کا باغ وقف کرنا

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ انصاری ؓ مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑے باغ والے تھے، ان کا ایک باغ تھا جس کا نام بیرحاء تھا، وہ ان کو بہت ہی زیادہ محبوب تھا، مسجدِ نبوی کے قریب تھا، پانی بھی اس میں نہایت شیریں اور افراط سے تھا، حضور ﷺ بھی اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے، جب قرآن شریف کی آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [سورۂ آل عمران: ۹۲] ترجمہ: "تم نیکی کے (کامل) درجہ کو نہیں پہونچ سکتے جب تک ایسی چیزوں سے خرچ نہ کروگے جو تم کو پسند ہیں"۔ نازل ہوئی، تو ابوطلحہ ؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اپنا باغ بیرحاء سب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محبوب مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرو، اس لیے وہ اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں، آپ جیسا مناسب سمجھیں، اس کے موافق اس کو خرچ فرمادیں، حضور ﷺ نے بہت زیادہ مسرّت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ بہت ہی عمدہ مال ہے، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اہلِ قرابت میں تقسیم کردو، ابوطلحہ ؓ نے اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرمادیا۔ [درمنثور]

فائدہ: ہم بھی اپنا کوئی محبوب ترین مال جائداد کوئی ایک آدھ وعظ سُن کر قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھ کر یا سُن کر اس طرح بے دھڑک خیرات کردیتے ہیں، اگر وقف وغیرہ کرنے کا خیال بھی آتا ہے، تو زندگی سے مایوس ہوجانے کے بعد یا وارثوں سے خفا ہوکر اُن کو محروم کرنے کی نیت سے اور برس کے برس اس سوچ میں لگا دیتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہوجائے کہ میری زندگی میں تو میرے ہی کام آئے، بعد میں جو ہووہ ہوتا رہے، ہاں نام ونمود کی کوئی چیز ہو، بیاہ شادی کی تقریب ہو تو سودی قرض سے بھی انکار نہیں۔

⑩ حضرت ابوذر ؓ کا اپنے خادم کو تنبیہ فرمانا

حضرت ابوذر غفاری ؓ مشہور صحابی ہیں، جن کے اسلام لانے کا قصہ باب: ۱ر کے پانچویں قصہ میں گذر چکا، یہ بڑے زاہد لوگوں میں تھے، مال نہ اپنے پاس جمع رکھتے تھے، نہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا جمع رکھے، مالدار لوگوں سے ہمیشہ لڑائی رہتی تھی، اس لیے حضرت عثمان ؓ کے حکم سے رَبذہ میں رہنے لگے تھے، جو جنگل میں ایک معمولی سی آبادی تھی، حضرت ابوذر ؓ کے پاس چند اونٹ تھے اور ایک ناتواں ضعیف سا چرواہا تھا، جو اِن کی خبر گیری کرتا تھا، اُسی پر گذر تھا، ایک شخص قبیلۂ بنوسلیم کے خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمنا ظاہر کی کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں، تاکہ آپ کے فیوض سے استفادہ کروں، میں آپ کے چرواہے کی مدد کرتا رہوں گا اور آپ کی برکات سے فائدہ بھی حاصل

حل لغات: ① خدا کے نام پر چھوڑنا۔ ② میٹھا۔ ③ زیادتی۔ ④ پینا۔ ⑤ خوشی۔ ⑥ رشتے داروں۔ ⑦ ناراض۔ ⑧ شہرت، دکھاوا۔ ⑨ موقع۔ ⑩ پرہیزگار۔ ⑪ دُبلا پتلا، کمزور۔ ⑫ دیکھ بھال۔ ⑬ فائدہ حاصل کرنا۔

کروں گا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دوست وہ ہے جو میری اطاعت کرے، اگر تم بھی میری اطاعت کے لیے تیار ہو، شوق سے رہو، کہنا نہ مانو تو تمہاری ضرورت نہیں۔ سلیمی صاحب نے عرض کیا کس چیز میں آپ اپنی اطاعت چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ جب میں اپنے مال میں سے کسی چیز کے خرچ کا حکم کروں، تو عمدہ سے عمدہ مال خرچ کیا جائے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے قبول کیا اور رہنے لگا، اتفاق سے ایک دن اُن سے کسی نے ذکر کیا کہ پانی پر کچھ لوگ رہتے ہیں، جو ضرورت مند ہیں، کھانے کے محتاج ہیں، مجھ سے فرمایا: ایک اونٹ لے آؤ، میں گیا، میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی عمدہ اونٹ ہے، جو نہایت قیمتی نہایت کارآمد اور سواری میں مُطیع، میں نے حسبِ وعدہ اس کو لے جانے کا ارادہ کیا، مگر مجھے خیال ہوا کہ غرباء کو کھلانا ہی تو ہے اور یہ اونٹ بہت زیادہ کارآمد ہے، حضرت کی اور متعلقین کی ضرورت کا ہے، اس کو چھوڑ کر اس سے ذرا کم درجہ کی عمدہ اونٹنی کہ اس اونٹ کے علاوہ اور باقی سب سے بہتر تھی لے کر حاضرِ خدمت ہوا، فرمایا کہ تم نے خیانت کی، میں سمجھ گیا اور واپس آکر وہی اونٹ لے گیا، پاس بیٹھنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ دو آدمی ایسے ہیں، جو اللہ کے واسطے ایک کام کریں؟ دو آدمی اٹھے، انھوں نے اپنے کو پیش کیا، فرمایا کہ اس کو ذبح کرو اور ذبح کے بعد گوشت کاٹ کر جتنے گھر پانی پر آباد ہیں ان کو شمار کر کے ابوذر کا یعنی اپنا گھر بھی ایک عدد ان میں شمار کر لو اور سب کو برابر تقسیم کر دو، میرے گھر بھی اتنا ہی جائے جتنا اُن میں سے ہر گھر میں جائے، انھوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور تقسیم کر دیا، اس کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا کہ تو نے میری وصیت عمدہ مال خرچ کرنے کی جان بوجھ کر چھوڑی یا بھول گیا تھا؟ اگر بھول گیا تھا تو معذور ہے، میں نے عرض کیا کہ بھولا تو نہیں تھا، میں نے اوّل اسی اونٹ کو لیا تھا، مگر مجھے خیال ہوا کہ یہ بہت کارآمد ہے، آپ کو اکثر اس کی ضرورت رہتی ہے، محض اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ فرمایا کہ محض میری ضرورت سے چھوڑا تھا؟ عرض کیا کہ محض آپ کی ضرورت سے چھوڑا تھا۔ فرمایا: اپنی ضرورت کا دن بتاؤں؟ میری ضرورت کا دن وہ ہے جس دن میں قبر کے گڈھے میں اکیلا ڈال دیا جاؤں گا، وہ دن میری ضرورت اور احتیاج کا ہے، مال کے اندر تین حصہ دار ہیں: ایک تقدیر جو مال کے لے جانے میں کسی چیز کا انتظار نہیں کرتی، اچھا بُرا ہر قسم کا لے جاتی ہے، دوسرا وارث جو اس کے انتظار میں ہے، تو مرے تو وہ لے لے، اور تیسرا حصہ دار تو خود ہے، اگر ہوسکتا ہو اور تیری طاقت میں ہو، تو تینوں حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [سورۂ آل عمران: ۹۲] اس لیے جو مال مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، اس کو میں اپنے لیے آگے چلتا کروں تاکہ وہ میرے لیے جمع رہے۔ [درمنثور]

حل لغات: ① اچانک۔ ② فائدہ مند۔ ③ فرمانبردار۔ ④ وعدہ کے مطابق۔ ⑤ غریب لوگ۔ ⑥ حکم پورا کیا۔ ⑦ صرف۔ ⑧ مجبور۔

فائدہ: تین حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن کا مطلب یہ ہے کہ جو ہو سکے اپنے لیے آخرت کا ذخیرہ[1] جمع کر لے، ایسا نہ ہو کہ مقدر غالب آجائے، اور وہ مال تجھ سے ضائع ہو جائے، یا تُو مر جائے اور وہ دوسروں کے قبضہ میں آجائے کہ بعد میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ آل اولاد بیوی بچے سب تھوڑے بہت دنوں رو کر چپ ہو جائیں گے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ مرنے والے کے لیے بھی کچھ صدقہ خیرات کر دیں اور اُس کو یاد رکھیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہے: آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ اُس کا مال صرف وہ ہے جو کھا لیا اور ختم کر دیا، یا پہن لیا اور پُرانا کر دیا، یا اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا اور اپنے لیے خزانہ میں جمع کر دیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ دوسروں کا مال ہے، لوگوں کے لیے جمع کر رہا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: تم میں سے ایسا کون شخص ہے، جس کو اپنے وارث کا مال اپنے سے اچھا لگے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) ایسا کون ہوگا، جس کو دوسرے کا مال اپنے سے زیادہ محبوب ہو، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنا مال صرف وہی ہے جو آگے بھیج دیا جائے، اور جو چھوڑ دیا وہ وارث کا مال ہے۔ [مشکوٰۃ]

(۱۱) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے عبداللہ کی فیاضی[2]

حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں، اول تو یہ سارا ہی گھرانہ اور خاندان، بلکہ آل اولاد سخاوت، کرم، شجاعت بہادری میں ممتاز[3] رہے اور ہیں، لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مساکین[4] کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے اور زیادہ اُٹھنا بیٹھنا غربا[5] ہی کے ساتھ ہوتا تھا، کفار کی تکالیف سے تنگ ہو کر اول حبشہ کی ہجرت کی، اور کفار نے وہاں بھی پیچھا کیا تو نجاشی کے یہاں اپنی صفائی پیش کرنا پڑی، جس کا قصہ پہلے باب کے نمبر دس[10] میں گذرا۔ وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی اور غزوۂ مُوتہ میں شہید ہوئے، جس کا قصہ اگلے باب کے ختم پر آرہا ہے، ان کے انتقال کی خبر پر حضور ﷺ اُن کے گھر تعزیت[6] کے طور پر تشریف لے گئے اور اُن کے صاحبزادوں عبداللہ اور عون اور محمد کو بلایا، وہ سب کم عمر تھے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی، ساری ہی اولاد میں باپ کا رنگ تھا، مگر عبداللہ میں سخاوت کا مضمون بہت زیادہ تھا۔ اِسی وجہ سے ان کا لقب قطبُ السخا، سخاوت کا قطب تھا، سات برس کی عمر میں حضور اقدس ﷺ سے بیعت ہوئے، انہی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے یہاں سفارش کرائی، اُن کی سفارش پر اس کا کام ہو گیا، تو اُس نے نذرانہ[7] کے طور پر چالیس ہزار[40000] درہم بھیجے، انھوں نے واپس کر دیے کہ ہم لوگ اپنی نیکی کو فروخت نہیں کیا

حل لغات: (۱) پونجی۔ (۲) سخاوت۔ (۳) مشہور۔ (۴) غریبوں۔ (۵) غریب لوگ۔ (۶) انتقال کرنے والے کے وارثوں سے ہمدردی کو ظاہر کرنے کے لئے جانا۔ (۷) ہدیہ۔

کرتے۔ ایک مرتبہ کہیں سے دو ہزار درہم نذرانہ میں آئے، اُسی مجلس میں تقسیم فرما دیے۔ ایک تاجر بہت سی شکر لے کر آیا، مگر بازار میں فروخت نہ ہوئی، اُس کو فکر و رنج ہوا، عبداللہ بن جعفر ﷺ نے اپنے کارِندوں[1] سے کہا کہ ساری شکر اس سے خرید لو اور لوگوں میں مفت لٹا دو۔ رات کو قبیلہ میں جو مہمان آجاتا تھا، وہ اُن کے یہاں سے کھانا پینا ہر قسم کی ضرورت پوری کرتا۔ [اِصابہ]

حضرت زبیر ﷺ ایک لڑائی میں شریک تھے، ایک دن اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت فرمائی کہ میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا، تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا، یہ وصیتیں کر کے اسی دن شہید ہو گئے، صاحبزادہ نے جب قرضہ کو جوڑا تو بائیس لاکھ درہم تھے، اور یہ قرضہ بھی اس طرح ہوا تھا کہ امانت دار بہت مشہور تھے، لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے، یہ فرما دیتے کہ رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں، یہ رقم قرض ہے، جب تمہیں ضرورت ہو، لے لینا، یہ کہہ کر اُس کو صدقہ کر دیتے اور یہ بھی وصیت کی کہ جب کوئی مشکل پیش آئے، تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا، عبداللہ ﷺ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا، میں نے پوچھا کہ آپ کے مولیٰ کون؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ﷺ نے تمام قرضہ ادا کیا، کہتے ہیں کہ جب کوئی دِقت پیش آتی میں کہتا کہ اے زبیر کے مولیٰ! فلاں کام نہیں ہوتا، وہ فوراً ہو جاتا، یہ عبداللہ بن زبیر ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اِن عبداللہ بن جعفر ﷺ سے کہا کہ میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درم لکھے ہیں، کہنے لگے کہ جب چاہو لے لو، اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، میں دوبارہ گیا، میں نے کہا کہ وہ تو تمہارے ان کے ذمہ ہیں، کہنے لگے کہ میں نے معاف کر دیے، میں نے کہا کہ میں معاف نہیں کراتا، کہنے لگے کہ جب تمہیں سہولت ہو دے دینا، میں نے کہا: اس کے بدلہ میں زمین لے لو، غنیمت کے مال میں زمین بہت سی آئی ہوئی تھی، عبداللہ ابن جعفر ﷺ نے کہا: اچھا میں نے ایک زمین ان کو دے دی جو معمولی حیثیت کی تھی، پانی وغیرہ بھی اس میں نہیں تھا، انھوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا کہ اس زمین میں مصلّی بچھا دے، اس نے مصلّی بچھا دیا، دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے، نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا کہ اس جگہ کو کھودو، اس نے کھودنا شروع کیا ایک پانی کا چشمہ وہاں سے اُبلنے لگا۔ [اُسد الغابہ]

فائدہ: ان حضرات صحابہ کرام ﷺ کے یہاں یہ اور اس قسم کی چیزیں جو اس باب میں لکھی گئیں، کوئی بڑی بات نہ تھی، ان حضرات کی عام عادتیں ایسی ہی تھیں۔

حل لغات: (1) نوکروں۔

ساتواں باب: بہادری، دلیری اور موت کا شوق

جس کا لازمی نتیجہ بہادری ہے کہ جب آدمی مَرنے ہی کے سَر ہو[1] جائے تو پھر سب کچھ کرسکتا ہے۔ ساری بزدِلی، سوچ، فکر زندگی ہی کے واسطے ہے اور جب مَرنے کا اشتیاق[2] پیدا ہو جائے، تو نہ مال کی محبت رہے نہ دشمن کا خوف، کاش مجھے بھی ان سچوں کے طُفیل[3] یہ دولت نصیب ہو جاتی۔

① ابن جحشؓ اور سعدؓ کی دعا

حضرت عبداللہ بن جحش ؓ نے غزوۂ احد میں حضرت سعد ابن ابی وقاص ؓ سے کہا کہ اے سعد! آؤ مل کر دعا کریں، ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق دعا کرے، دوسرا آمین کہے، کہ یہ قبول ہونے کے زیادہ قریب ہے۔ دونوں حضرات نے ایک کونے میں جا کر دعا فرمائی۔ اول حضرت سعد ؓ نے دعا کی: یا اللہ! جب کل کو لڑائی ہو، تو میرے مقابلہ میں ایک بڑے بہادر کو مقرر فرما، جو سخت حملہ والا ہو، وہ مجھ پر سخت حملہ کرے اور میں اس پر زوردار حملہ کروں، پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرما، کہ میں اس کو تیرے راستہ میں قتل کروں اور اس کی غنیمت حاصل کروں، حضرت عبداللہ ؓ نے آمین کہی۔ اور اس کے بعد حضرت عبداللہ ؓ نے دعا کی، اے اللہ! کل کو میدان میں ایک بہادر سے مقابلہ کرا، جو سخت حملہ والا ہو، میں اس پر شدت[4] سے حملہ کروں وہ بھی مجھ پر زور سے حملہ کرے اور پھر وہ مجھے قتل کر دے، پھر میرے ناک کان کاٹ لے، پھر قیامت میں جب تیرے حضور[5] میں پیشی[6] ہو، تو تو کہے کہ عبداللہ! تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے؟ میں عرض کروں: یا اللہ! تیرے اور تیرے رسول ﷺ کے راستے میں کاٹے گئے، پھر تو کہے کہ سچ ہے میرے ہی راستے میں کاٹے گئے، حضرت سعد ؓ نے آمین کہی۔ دوسرے دن لڑائی ہوئی اور دونوں حضرات کی دعائیں اسی طرح سے قبول ہوئیں جس طرح مانگی تھی۔ [خمیس]

سعد ؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش ؓ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی، میں نے شام کو دیکھا کہ ان کے ناک کان ایک تاگے میں پروئے[7] ہوئے ہیں، اُحد کی لڑائی میں ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی، حضور ﷺ نے ان کو ایک ٹہنی عطا فرمائی، جو ان کے ہاتھ میں جا کر تلوار بن گئی اور عرصہ تک بعد میں رہی اور دو سو دینار کو فروخت ہوئی۔ دینار سونے کے ایک سکہ کا نام ہے۔ [اِصابہ]

فائدہ: اس قصہ میں جہاں ایک جانب کمال[8] بہادری ہے کہ بہادر دشمن سے مقابلہ کی تمنا ہے، وہاں دوسری جانب کمال عشق بھی کہ محبوب کے راستے میں بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی تمنا کرے اور آخر

حل لغات: ① پیچھے پڑ جائے۔ ② شوق۔ ③ ذریعہ، وسیلہ۔ ④ زور، سختی۔ ⑤ دربار۔ ⑥ حاضری۔ ⑦ کسی چیز میں سوراخ کر کے دھاگا ڈالنا۔ ⑧ انتہائی۔

میں جب وہ پوچھیں کہ یہ سب کیوں ہوا؟ تو میں عرض کروں کہ تمہارے لیے۔

رہے گا کوئی تو تیغِ ستم[1] کے یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

﴿۴﴾ اُحُد کی لڑائی میں حضرت علی ؓ کی بہادری

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی تھی، جس کی بڑی وجہ نبیِ اکرم ﷺ کے ایک ارشاد پر عمل نہ کرنا تھی، جس کا ذکر باب: ۱ رقصہ: ۲ رمیں گذر چکا۔ اس وقت مسلمان چاروں طرف سے کفار کے بیچ میں آگئے، جس کی وجہ سے بہت سے لوگ شہید بھی ہوئے اور کچھ بھاگے بھی، نبیِ اکرم ﷺ بھی کفار کے ایک جتھے[2] کے بیچ میں آگئے اور کفار نے یہ مشہور کردیا تھا کہ حضور ﷺ شہید ہوگئے۔ صحابہ ؓ اس خبر سے بہت پریشان حال تھے اور اسی وجہ سے بہت سے بھاگے بھی اور اِدھر اُدھر متفرق[3] ہوگئے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور حضور اقدس ﷺ میری نظر سے اوجھل[4] ہوگئے، تو میں نے حضور ﷺ کو اول زندوں میں تلاش کیا، نہ پایا، پھر شہداء میں جا کر تلاش کیا، وہاں بھی نہ پایا، تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا، کہ حضور ﷺ لڑائی سے بھاگ جائیں، بظاہر حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہم پر ناراض ہوئے، اس لیے اپنے پاک رسول ﷺ کو آسمان پر اُٹھالیا، اس لیے اب اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ میں بھی تلوار لے کر کافروں کے جتھے میں گھس جاؤں، یہاں تک کہ مارا جاؤں۔ میں نے تلوار لے کر حملہ کیا؛ یہاں تک کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میری نگاہ نبیِ اکرم ﷺ پر پڑ گئی، تو بے حد مسرّت[5] ہوئی اور میں نے سمجھا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ملائکہ کے ذریعہ سے اپنے محبوب ﷺ کی حفاظت کی، میں حضور ﷺ کے پاس جا کر کھڑا ہوا کہ ایک جماعت کی جماعت کفار کی حضور ﷺ پر حملہ کے لیے آئی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ علی! ان کو روکو، میں نے تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا اور ان کے منہ[6] پھیر دیے اور بعضوں کو قتل کردیا، اس کے بعد پھر ایک اور جماعت حضور ﷺ پر حملہ کی نیت سے بڑھی، آپ ﷺ نے پھر حضرت علی ؓ کی طرف اشارہ فرمایا، انھوں نے پھر تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا، اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر حضرت علی ؓ کی اس جواں مَردی[7] اور مدد کی تعریف کی، تو حضور ﷺ نے فرمایا: "إِنَّهٗ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ" بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ یعنی کمال اتحاد[8] کی طرف اشارہ فرمایا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: "وَأَنَا مِنْكُمَا" میں تم دونوں سے ہوں۔ [قرۃ العیون]

فائدہ: ایک تنہا آدمی کا جماعت سے بھڑ جانا اور نبی اکرم ﷺ کی مقدس ذات کو نہ پا کر مرجانے کی نیت

حل لغات: ① ظلم وستم کی تلوار۔ ② مجمع۔ ③ الگ الگ۔ ④ غائب۔ ⑤ خوشی۔ ⑥ بھگادیا۔ ⑦ بہادری۔ ⑧ بہت زیادہ محبت۔

سے کفار کے جمگھٹے[1] میں گھس جانا، جہاں ایک طرف حضور ﷺ کے ساتھ سچی محبت اور عشق کا پتہ دیتا ہے، وہاں دوسری جانب کمال بہادری اور دلیری، جرأت کا بھی نقشہ ہے۔

③ حضرت حنظلہ ﷺ کی شہادت

غزوۂ اُحد میں حضرت حنظلہ ﷺ اول سے شریک نہیں تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی نئی شادی ہوئی تھی، بیوی سے ہمبستر ہوئے تھے، اس کے بعد غسل کی تیاری کر رہے تھے اور غسل کرنے کے لیے بیٹھ بھی گئے، سر کو دھو رہے تھے کہ ایک دم مسلمانوں کی شکست کی آواز کان میں پڑی، جس کی تاب[2] نہ لا سکے، اسی حالت میں تلوار ہاتھ میں لی اور لڑائی کے میدان کی طرف بڑھے چلے گئے اور کفار پر حملہ کیا اور برابر بڑھتے چلے گئے کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے، چوں کہ شہید کو اگر جنبی[3] نہ ہو تو بغیر غسل دیے دفن کیا جاتا ہے، اس لیے ان کو بھی اسی طرح کر دیا، مگر حضور اکرم ﷺ نے دیکھا کہ ملائکہ[4] ان کو غسل دے رہے ہیں، حضور ﷺ نے صحابہ ﷺ سے ملائکہ کے غسل دینے کا تذکرہ فرمایا۔ ابوسعید ساعدی ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حنظلہ ﷺ کو جا کر دیکھا تو ان کے سر سے غسل کا پانی ٹپک رہا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے واپسی پر تحقیق فرمایا، تو ان کے بغیر نہائے جانے کا قصہ معلوم ہوا۔ [قرۃ العیون]

فائدہ: یہ بھی کمال بہادری ہے، بہادر آدمی کو اپنے ارادہ میں تاخیر کرنا دشوار ہوتا ہے، اسی لیے اتنا انتظار بھی نہیں کیا کہ غسل پورا کر لیتے۔

④ حضرت عمرو بن جموح ﷺ کی تمنائے شہادت

حضرت عمرو بن جموح ﷺ پاؤں سے لنگڑے تھے، ان کے چار بیٹے تھے، جو اکثر حضور ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے اور لڑائیوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ غزوۂ اُحد میں عمرو بن جموح ﷺ کو بھی شوق پیدا ہوا کہ میں بھی جاؤں، لوگوں نے کہا کہ تم معذور ہو، لنگڑے پن کی وجہ سے چلنا دشوار ہے۔ انھوں نے فرمایا: کیسی بُری بات ہے کہ میرے بیٹے تو جنت میں جائیں اور میں رہ جاؤں۔ بیوی نے بھی اُبھارنے کے لیے طعنہ کے طور پر کہا کہ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ وہ لڑائی سے بھاگ کر لوٹ آیا عمرو ﷺ نے یہ سن کر ہتھیار لیے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا کی "اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ" (اے اللہ! مجھے اپنے اہل کی طرف نہ لوٹائیو) اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنی قوم کے منع کرنے کا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پیر سے جنت میں چلوں پھروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو معذور کیا ہے، تو نہ جانے میں کیا حرج ہے۔ انھوں نے پھر خواہش کی، تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ ابوطلحہ ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو ﷺ کو لڑائی میں دیکھا کہ اکڑتے ہوئے جاتے تھے

حل لغات: ① مجمع۔ ② برداشت نہ کر سکے۔ ③ ناپاک۔ ④ فرشتے۔

اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم! میں جنت کا مشتاق[1] ہوں۔ ان کا ایک بیٹا بھی ان کے پیچھے دوڑا ہوا جاتا تھا، دونوں لڑتے رہے حتیٰ کہ دونوں شہید ہوئے۔ ان کی بیوی اپنے خاوند اور بیٹے کی نعش کو اونٹ پر لاد کر دفن کے لیے مدینہ لانے لگیں، تو وہ اونٹ بیٹھ گیا، بڑی دِقت[2] سے اُس کو مار کر اُٹھایا اور مدینہ لانے کی کوشش کی، مگر وہ اُحد ہی کی طرف کا منہ کرتا تھا۔ ان کی بیوی نے حضور ﷺ سے ذِکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ کو یہی حکم ہے، کیا عمرو چلتے ہوئے کچھ کہہ کر گئے تھے؟ انھوں نے عرض کیا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا کی تھی "اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ"۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی وجہ سے یہ اونٹ اس طرف نہیں جاتا۔ [قرۃ]

فائدہ: اسی کا نام ہے جنت کا شوق اور یہی ہے وہ سچا عشق اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا، جس کی وجہ سے صحابہ ؓ کہاں سے کہاں پہونچ گئے کہ ان کے جذبے مرنے کے بعد بھی ویسے ہی رہتے، بہتیری کوشش کی کہ اونٹ چلے، مگر وہ یا تو بیٹھ جاتا یا اُحد کی طرف چلتا تھا۔

⑤ حضرت مُصْعَب بن عُمَیر ؓ کی شہادت

حضرت مُصْعَب بن عُمَیر ؓ اسلام لانے سے پہلے بڑے ناز[3] کے پلے ہوئے اور مالدار لڑکوں میں تھے، ان کے باپ ان کے لیے دو دو سو درم کا جوڑا خرید کر پہناتے تھے، نوعمر تھے، بہت زیادہ ناز و نعمت[4] میں پرورش پاتے تھے۔ اسلام کے شروع ہی زمانے میں گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہوگئے، اور اسی حالت میں رہتے۔ کسی نے ان کے گھر والوں کو بھی خبر کر دی، انھوں نے ان کو باندھ کر قید کر دیا، کچھ روز اسی حالت میں گذرے اور جب موقع ملا تو چھپ کر بھاگ گئے اور جو لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے ان کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے، وہاں سے واپس آ کر مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی اور زہد و فقر[5] کی زندگی بسر کرنے لگے، اور ایسی تنگی کی حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے، حضرت مصعب ؓ سامنے سے گذرے، ان کے پاس صرف ایک چادر تھی، جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور ایک جگہ بجائے کپڑے کے چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا، حضور ﷺ ان کی اِس حالت اور اُس پہلی حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ غزوۂ اُحد میں مہاجرین کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں تھا، جب مسلمان نہایت پریشانی کی حالت میں منتشر ہو رہے تھے، تو یہ جمے ہوئے کھڑے تھے، ایک کافر اُن کے قریب آیا اور تلوار سے ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جاوے اور مسلمانوں کو گویا کھلی شکست ہو جائے، انھوں نے فوراً دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ اُس نے دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ ڈالا، انھوں نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر سینہ سے جھنڈے کو چمٹا لیا کہ گرنے نہیں، اُس نے ان کے تیر مارا جس سے شہید ہوگئے، مگر زندگی میں جھنڈے کو نہ گرنے دیا، اس کے بعد جھنڈا گرا، جس کو فوراً دوسرے شخص نے اُٹھا لیا، جب اُن کو دفن کرنے کی نوبت

حل لغات: ① شوق رکھتا ہوں۔ ② مشکل۔ ③ لاڈ۔ ④ لاڈ و پیار، عیش و آرام۔ ⑤ غربت۔

آئی تو صرف ایک چادر ان کے پاس تھی، جو پورے بدن پر نہیں آتی تھی، اگر سر کی طرف سے ڈھانکا جاتا، تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کی جاتی، تو سر کھل جاتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چادر کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اِذخر کے پتے ڈال دیے جائیں۔ [قرۃ، اصابہ]

فائدہ: یہ آخری زندگی ہے، اس نازک اور نازوں پر پلے ہوئے کی، جو دو سو درم کا جوڑا پہنتا تھا کہ آج اُس کو کفن کی ایک چادر بھی پوری نہیں ملتی اور اس پر ہمت یہ کہ زندگی میں جھنڈا نہ گرنے دیا، دونوں ہاتھ کٹ گئے، مگر پھر بھی اُس کو نہ چھوڑا، بڑے نازوں کے پلے ہوئے تھے، مگر ایمان اُن لوگوں کے دلوں میں کچھ ایسی طرح سے جمتا تھا کہ پھر وہ اپنے سوا کسی چیز کا بھی نہ چھوڑتا تھا، روپیہ پیسہ راحت آرام ہر قسم کی چیز سے ہٹا کر اپنے میں لگا لیتا تھا۔

⑥ یرمُوک کی لڑائی میں حضرت سعد ﷺ کا خط

عراق کی لڑائی کے وقت حضرت عمر ﷺ کا ارادہ خود لڑائی میں شرکت فرمانے کا تھا، عوام اور خواص دونوں قسم کے مجمعوں سے کئی روز تک اس میں مشورہ ہوتا رہا کہ حضرت عمر ﷺ کا خود شریک ہونا زیادہ مناسب ہے یا مدینہ رہ کر لشکروں کے روانہ کرتے رہنے کا انتظام زیادہ مناسب ہے۔ عوام کی رائے تھی کہ خود شرکت مناسب ہے، خواص کی رائے تھی کہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔

مشوروں کی گفتگو میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ﷺ کا بھی تذکرہ آ گیا، اُن کو سب نے پسند کر لیا کہ ان کو اگر بھیجا جاوے تو بہت مناسب ہے، پھر حضرت عمر ﷺ کے جانے کی ضرورت نہیں، حضرت سعد ﷺ بڑے بہادر اور عرب کے شیروں میں شمار ہوتے تھے، غرض یہ تجویز[1] ہوگئی اور اُن کو بھیج دیا گیا، جب قادسیہ[2] پر حملہ کے لیے پہونچے، تو شاہِ کسریٰ نے اُن کے مقابلہ کے لیے رستم کو جو مشہور پہلوان تھا تجویز[3] کیا۔ رستم نے ہر چند[4] کوشش کی اور بادشاہ سے بار بار اس کی درخواست کی کہ مجھے اپنے پاس رہنے دیں، خوف کا غلبہ تھا، مگر اظہار اس کا کرتا تھا کہ میں یہاں سے لشکروں کے بھیجنے میں اور صلاح مشورہ میں مدد دوں گا، مگر بادشاہ نے جس کا نام یزدجرد تھا، قبول نہ کیا اور اُس کو مجبوراً جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ [اشہر] حضرت سعد ﷺ جب روانہ ہونے لگے، تو حضرت عمر ﷺ نے اُن کو وصیت فرمائی، جس کے الفاظ کا مختصر ترجمہ یہ ہے: ”سعد! تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تم حضور ﷺ کے ماموں کہلاتے ہو اور حضور ﷺ کے صحابی ہو، اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی سے نہیں دھوتے، بلکہ بُرائی کو بھلائی سے دھوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے، اُس کے یہاں صرف اُس کی بندگی مقبول ہے، اللہ کے یہاں شریف رذیل[5] سب برابر ہیں، سب ہی اس کے بندے ہیں اور وہ سب کا رب ہے، اُس کے انعامات بندگی سے حاصل

حل لغات: ① طے کرنا۔ ② عراق میں کوفہ کے قریب ایک گاؤں۔ ③ چُننا۔ ④ بہت۔ ⑤ ذلیل۔

ہوتے ہیں، ہر اَمر[1] میں اس چیز کو دیکھنا جو حضور ﷺ کا طریقہ تھا، وہی عمل کی چیز ہے، میری اِس نصیحت کو یاد رکھنا، تم ایک بہت بڑے کام کے لیے بھیجے جارہے ہو، اس سے چُھٹکارا صرف حق کے اِتباع[2] سے ہوسکتا ہے، اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو خوبی کا عادی بنانا، اللہ کے خوف کو اختیار کرنا اور اللہ کا خوف دو باتوں میں جمع ہوتا ہے، اُس کی اطاعت میں اور گناہ سے پرہیز کرنے میں اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی، دنیا سے بُغض[3] اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی''۔ [اشہر]

اِس کے بعد حضرت سعد ﷺ نہایت بشاشت[4] سے لشکر لے کر روانہ ہوئے، جس کا اندازہ اُس خط سے ہوتا ہے، جو انھوں نے رستم کو لکھا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں: ''فَإِنَّ مَعِيَ قَوْمًا يُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا يُحِبُّوْنَ الْأَعَاجِمُ الْخَمْرَ'' بے شک میرے ساتھ ایسی جماعت ہے، جو موت کو ایسا ہی محبوب رکھتی ہے، جیسا کہ تم لوگ شراب پینے کو محبوب رکھتے ہو۔ [تفسیر عزیزی اوّل]

فائدہ: شراب کے دلدادوں[5] سے پوچھو کہ اس میں کیا مزہ ہے، جو لوگ موت کو ایسا محبوب رکھتے ہوں کامیابی کیوں نہ ان کے قدم چومے۔

⑦ حضرت وَہب بن قابوس ﷺ کی اُحد میں شہادت

حضرت وَہب بن قَابُوس ﷺ ایک صحابی ہیں، جو کسی وقت میں مسلمان ہوئے تھے اور اپنے گھر کسی گاؤں میں رہتے تھے، بکریاں چراتے تھے، اپنے بھتیجے کے ساتھ ایک رسّی میں بکریاں باندھے ہوئے مدینہ منورہ پہونچے، پوچھا کہ حضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے؟ معلوم ہوا کہ اُحد کی لڑائی پر گئے ہوئے ہیں، بکریوں کو وہیں چھوڑ کر حضور ﷺ کے پاس پہونچ گئے، اتنے میں ایک جماعت کفار کی حملہ کرتی ہوئی آئی، حضور ﷺ نے فرمایا: جو اِن کو منتشر[6] کردے وہ جنت میں میرا ساتھی ہے، حضرت وہب ﷺ نے زور سے تلوار چلانی شروع کی اور سب کو ہٹا دیا۔ دوسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش آئی، تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا، حضور ﷺ نے اُن کو جنت کی خوشخبری دی، اس کا سننا تھا کہ تلوار لے کر کفار کے جمگھٹے[7] میں گھس گئے اور شہید ہوئے، حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے وہب ﷺ جیسی دلیری اور بہادری کسی کی بھی کسی لڑائی میں نہیں دیکھی، اور شہید ہونے کے بعد حضور ﷺ کو میں نے دیکھا کہ وہب ﷺ کے سرہانے کھڑے تھے، اور ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تم سے راضی ہو، میں تم سے راضی ہوں، اس کے بعد حضور ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے دفن فرمایا، باوجود یہ کہ اس لڑائی میں حضور اقدس ﷺ خود بھی زخمی تھے۔ حضرت عمر ﷺ فرماتے تھے کہ مجھے کسی کے عمل پر بھی اتنا رشک نہیں آیا، جتنا وہب ﷺ کے عمل پر آیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے یہاں ان جیسا اعمال نامہ لے کر پہونچوں۔ [اِصابہ، قرۃ]

حل لغات: ① معاملہ۔ ② پیروی۔ ③ نفرت۔ ④ خوش دلی۔ ⑤ عاشقوں۔ ⑥ بکھیر دے۔ ⑦ مجمع۔

فائدہ: ان پر رشک اس خاص کارنامہ کی وجہ سے ہے کہ جان کو جان نہیں سمجھا، ورنہ خود حضرت عمر ؓ اور دوسرے حضرات کے دوسرے کارنامے اس سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔

⑧ بیرِ مَعُوْنَہ کی لڑائی

بیرِ معونہ کی ایک مشہور لڑائی ہے، جس میں ستّر صحابہ ؓ کی ایک بڑی جماعت پوری کی پوری شہید ہوئی، جن کو ''قُرّاء'' کہتے ہیں، اس لیے کہ سب حضرات قرآن مجید کے حافظ تھے اور سوائے چند مہاجرین کے اکثر انصار تھے، حضور ﷺ کو اُن کے ساتھ بڑی محبت تھی، کیوں کہ یہ حضرات رات کا اکثر حصہ ذکر و تلاوت میں گذارتے تھے اور دن کو حضور ﷺ کی بیبیوں کے گھروں کی ضروریات لکڑی پانی وغیرہ پہونچایا کرتے تھے، اس مقبول جماعت کو نجد کا رہنے والا، قومِ بنی عامر کا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک اور کنیت ابو براء تھی، اپنے ساتھ اپنی پناہ میں تبلیغ اور وعظ کے نام سے لے گیا تھا، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد بھی فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اصحاب کو مُضرّت[1] نہ پہونچے، مگر اُس شخص نے بہت زیادہ اطمینان دلایا۔ آپ ﷺ نے ان ستّر صحابہ ؓ کو ہمراہ[2] کر دیا اور ایک والا نامہ[3] عامر بن طفیل کے نام جو بنی عامر کا رئیس تھا تحریر[4] فرمایا، جس میں اسلام کی دعوت تھی، یہ حضرات مدینہ سے رُخصت ہو کر بیرِ معونہ پہونچے، تو ٹھہر گئے، اور دو ساتھی ایک حضرت عمر بن اُمیہ ؓ، دوسرے حضرت منذر بن عمر ؓ سب کے اونٹوں کو لے کر چرانے کے لیے تشریف لے گئے اور حضرت حرام ؓ اپنے ساتھ دو حضرات کو ساتھیوں میں سے لے کر عامر بن طفیل کے پاس حضور ﷺ کا والا نامہ دینے کے لیے تشریف لے گئے، قریب پہونچ کر حضرت حرام ؓ نے اپنے دو ساتھیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہر جاؤ میں آگے جاتا ہوں، اگر میرے ساتھ کوئی دغا[5] نہ کی گئی تو تم بھی چلے آنا، ورنہ یہیں سے واپس ہو جانا کہ تین کے مارے جانے سے ایک کا مارا جانا بہتر ہے، عامر بن طفیل اس عامر بن مالک کا بھتیجا تھا، جو اُن صحابہ ؓ کو اپنے ساتھ لایا تھا، اُس کو اسلام اور مسلمانوں سے خاص عداوت[6] تھی۔ حضرت حرام ؓ نے والا نامہ دیا، تو اس نے غصہ میں پڑھا بھی نہیں، بلکہ حضرت حرام ؓ کے ایک ایسا نیزہ مارا جو پار نکل گیا، حضرت حرام ؓ فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ (رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا) کہہ کر جاں[7] بحق ہوئے۔ اس نے نہ اس کی پرواہ کی کہ قاصد[8] کو مارنا کسی قوم کے نزدیک بھی جائز نہیں، اور نہ اس کا لحاظ کیا کہ میرا چچا ان حضرات کو اپنی پناہ میں لایا ہے، ان کو شہید کرنے کے بعد اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور اس پر آمادہ کیا کہ ان مسلمانوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑو، لیکن ان لوگوں نے ابو براء کی پناہ کی وجہ سے تردّد کیا، تو اس نے آس پاس کے اور لوگوں کو جمع کیا اور بہت بڑی جماعت کے ساتھ ان ستّر صحابہ ؓ کا مقابلہ کیا، یہ حضرات آخر کہاں تک مقابلہ کرتے اور چاروں طرف سے کفار میں گھرے ہوئے تھے، بجز ایک کعب بن زید ؓ کے جن

حل لغات: (۱) تکلیف۔ (۲) ساتھ۔ (۳) خط۔ (۴) لکھا۔ (۵) غداری۔ (۶) دشمنی۔ (۷) شہید ہوئے۔ (۸) پیغام لانے والے۔

میں کچھ زندگی کی رَمق[1] باقی تھی اور کفار ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے، باقی سب شہید ہو گئے، حضرت مُنذِر اور عمر رضی اللہ عنہما جو اونٹ چَرانے گئے ہوئے تھے، انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا، تو مُردار[2] خور جانور اڑ رہے تھے، دونوں حضرات یہ کہہ کر لوٹے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا، یہاں آ کر دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو شہید پایا اور سواروں کو خون کی بھری ہوئی تلواریں لیے ہوئے ان کے گرد چکر لگاتے دیکھا، یہ حالت دیکھ کر دونوں حضرات ٹھٹکے[3] اور باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے؟ عمر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چلو واپس چل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیں، مگر حضرت منذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خبر تو ہو ہی جاوے گی، میرا تو دل نہیں مانتا کہ شہادت کو چھوڑوں اور اس جگہ سے چلا جاؤں، جہاں ہمارے دوست پڑے سو رہے ہیں، آگے بڑھو اور ساتھیوں سے جا ملو، چنانچہ دونوں آگے بڑھے اور میدان میں کود گئے، حضرت منذر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور حضرت عمر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ گرفتار ہوئے، مگر چوں کہ عامر کی ماں کے ذمہ کسی منت کے سلسلہ میں ایک غلام کا آزاد کرنا تھا، اس لیے عامر نے اُن کو اس منت میں آزاد کیا۔ [اسلام]

اِن حضرات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فُہَیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کے قاتل جبار بن سَلمٰی کہتے ہیں کہ میں نے جب ان کے برچھا مارا اور وہ شہید ہوئے تو انھوں نے کہا: فُزْتُ وَاللّٰہِ (خدا کی قسم! میں کامیاب ہوا) اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان کو اڑی چلی گئی، میں بہت متحیر[4] ہوا اور میں نے بعد میں لوگوں سے پوچھا کہ میں نے خود برچھا مارا وہ مَرے، لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں: ''میں کامیاب ہو گیا''، تو وہ کامیابی کیا تھی؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ کامیابی جنت کی تھی، اس پر میں مسلمان ہو گیا۔ [خمیس]

فائدہ: یہ ہی ہیں وہ لوگ جن پر اسلام کو بجا طور پر فخر ہے، بے شک موت ان کے لیے شراب سے زیادہ محبوب تھی اور کیوں نہ ہوتی؟ جب دنیا میں کام ہی ایسے کیے تھے، جن پر اللہ کے یہاں کی سُرخ روئی[5] یقینی تھی، اسی لیے جو مرتا تھا وہ کامیاب ہوتا تھا۔

⑨ حضرت عُمیر رضی اللہ عنہ کا قول کہ کھجوریں کھانا طویل[6] زندگی ہے

غزوۂ بدر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ اُٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف، جس کی چوڑائی آسمان وزمین سے کہیں زیادہ ہے اور مُتقیوں کے واسطے بنائی گئی ہے۔ حضرت عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، وہ بھی سن رہے تھے کہنے لگے: واہ واہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واہ واہ کس بات پر کہا؟ عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے یہ تمنا ہے کہ میں بھی ان میں سے ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی ان میں سے ہو، اس کے بعد جھولی میں سے چند کھجوریں نکال کر

حل لغات: (۱) تھوڑی سی جان۔ (۲) مُردے کھانے والے۔ (۳) حیرت کے مارے رک گئے۔ (۴) حیران۔ (۵) کامیابی۔ (۶) لمبی۔

کھانے لگے، اس کے بعد کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار جو ہاتھ میں ہے، بڑی لمبی زندگی ہے، کہاں تک انتظار کروں گا؛ یہ کہہ کر ان کو پھینک دیا اور تلوار لے کے مجمع میں گھس گئے اور شہید ہونے تک لڑتے رہے۔ [طبقات ابن سعد]

فائدہ: حقیقت میں یہی لوگ جنت کے قدر دان[1] ہیں اور اس پر یقین رکھنے والے۔ ہم لوگوں کو بھی اگر یقین نصیب ہو جائے تو ساری باتیں سہل ہو جائیں۔

⑩ حضرت عمر ﷺ کی ہجرت

حضرت عمر ﷺ کا تو ذکر ہی کیا ہے، بچہ بچہ ان کی بہادری سے واقف اور شجاعت[2] کا معترف[3] ہے۔ اسلام کے شروع میں جب مسلمان سب ہی ضعف[4] کی حالت میں تھے، حضور ﷺ نے خود اسلام کی قوت کے واسطے عمر ﷺ کے مسلمان ہونے کی دعا کی اور قبول ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کعبہ کے قریب اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، جب تک کہ عمر مسلمان نہیں ہوئے، حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ اول اول ہر شخص نے ہجرت چھپ کر کی، مگر جب عمر ﷺ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی، کمان[5] ہاتھ میں لی اور بہت سے تیر ساتھ لیے، اوّل مسجد میں گئے، طواف اطمینان سے کیا، پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی، اس کے بعد کفار کے مجمعوں میں گئے اور فرمایا کہ جس کا دل یہ چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی بیوی رانڈ[6] ہو، اس کے بچے یتیم ہوں، وہ مکہ سے باہر آ کر میرا مقابلہ کرے۔ یہ الگ الگ جماعتوں کو سنا کر تشریف لے گئے۔ کسی ایک شخص کی بھی ہمت نہ پڑی کہ پیچھا کرتا۔ [اُسد الغابہ]

⑪ غزوۂ مُوتہ کا قصہ

حضور اقدس ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے پاس تبلیغی دعوت نامے ارسال[7] فرمائے تھے، ان میں ایک خط حضرت حارث بن عُمَیر اَزْدِی ﷺ کے ہاتھ بصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھی بھیجا تھا۔ جب یہ مُوتہ پہونچے تو شرحبیل غسانی نے، جو قیصر کے حُکّام[8] میں سے ایک شخص تھا، ان کو قتل کر دیا۔ قاصدوں[9] کا قتل کسی کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں۔ حضور ﷺ کو یہ بات بہت گراں[10] ہوئی اور آپ ﷺ نے تین ہزار کا ایک لشکر تجویز فرما کر حضرت زید بن حارثہ ﷺ کو ان پر امیر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں، تو جعفر بن ابی طالب امیر بنائے جائیں، وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رَوَاحہ ﷺ امیر ہوں، وہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر مسلمان جس کو دل چاہے امیر بنالیں۔ ایک یہودی اس گفتگو کو سن رہا تھا، اس نے کہا: یہ تینوں تو ضرور شہید ہوں گے، پہلے انبیاء کی اس قسم کے کلام کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک سفید جھنڈا بنا کر حضرت زید ﷺ کے حوالے فرمایا

حل لغات: ① قدر کرنے والے۔ ② بہادری۔ ③ اقرار کرنے والا۔ ④ کمزوری۔ ⑤ تیر چلانے کا آلہ۔ ⑥ بیوہ۔ ⑦ بھیجنا۔ ⑧ افسروں۔ ⑨ پیغام لے جانے والا۔ ⑩ ناپسند۔

اور خود مع[1] ایک جماعت کے ان حضرات کو رخصت فرمانے تشریف لے گئے۔ شہر کے باہر جب پہونچانے والے واپس آنے لگے، تو ان مجاہدین کے لیے دعا کی کہ حق تعالیٰ شانہٗ تم کو سلامتی کے ساتھ، کامیابی کے ساتھ واپس لائے اور ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ نے اس کے جواب میں تین شعر پڑھے، جن کا مطلب یہ تھا کہ میں تو اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسی تلوار ہو، جس سے میرے خون کے فوّارے چھوٹنے لگیں یا ایسا بَرچھا[2] ہو جو آنتوں اور کلیجہ کو چیرتا ہوا نکل جائے اور جب لوگ میری قبر پر گذریں، تو یہ کہیں کہ اللہ تجھ غازی کو رشید[3] اور کامیاب کرے، واقعی تُو تو رشید اور کامیاب تھا۔ اس کے بعد یہ حضرات روانہ ہو گئے، شُرحبیل کو بھی ان کی روانگی کا علم ہوا، وہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار ہوا۔ یہ حضرات کچھ آگے چلے، تو معلوم ہوا کہ خود ہرقل، روم کا بادشاہ بھی ایک لاکھ فوج ساتھ لیے ہوئے مقابلہ کے لیے آرہا ہے۔ ان حضرات کو اس خبر سے تردّد[4] ہوا کہ اتنی بڑی جمعیت[5] کا مقابلہ کیا جاوے، یا حضور اقدس ﷺ کو اطلاع دی جاوے؟ حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ نے للکار کر فرمایا: اے لوگو! تم کس بات سے گھبرا رہے ہو، تم کس چیز کے ارادہ سے نکلے ہو، تمہارا مقصود شہید ہو جانا ہے، ہم لوگ کبھی بھی قوت[6] اور آدمیوں کی کثرت کے زور پر نہیں لڑے، ہم صرف اس دین کی وجہ سے لڑے ہیں، جس کی وجہ سے اللہ نے ہمیں اکرام نصیب فرمایا ہے، آگے بڑھو، دو کامیابیوں میں سے ایک تو ضروری ہے، یا شہادت یا غلبہ۔ یہ سن کر مسلمانوں نے ہمت کی اور آگے بڑھ گئے، حتیٰ کہ مُوتہ پر پہونچ کر لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت زید ﷺ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور میدان میں پہونچے، گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی، شُرحبیل کا بھائی بھی مارا گیا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے، خود شُرحبیل بھی بھاگ کر ایک قلعہ میں چھپ گیا اور ہرقل کے پاس مدد کے لیے آدمی بھیجا، اس نے تقریباً دو لاکھ فوج بھیجی اور لڑائی زور سے ہوتی رہی، حضرت زید ﷺ شہید ہوئے، تو حضرت جعفر ﷺ نے جھنڈا لیا اور اپنے گھوڑے کے خود ہی پاؤں کاٹ دیے، تاکہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اے لوگو! کیا ہی اچھی ہے جنت اور کیا ہی اچھا ہے اس کا قریب ہونا، کتنی بہترین چیز ہے اور کتنا ٹھنڈا ہے اس کا پانی، اور ملک روم کے لوگوں پر عذاب کا وقت آ گیا، مجھ پر بھی لازم ہے کہ ان کو ماروں''۔ یہ اشعار پڑھے اور اپنے گھوڑے کے پاؤں خود ہی کاٹ چکے تھے کہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آوے اور تلوار لے کر کافروں کے مجمع میں گھس گئے، امیر ہونے کی وجہ سے جھنڈا بھی اُنہی کے پاس تھا، اول جھنڈا دائیں ہاتھ میں لیا، کافروں نے دایاں ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جائے، انھوں نے فوراً بائیں ہاتھ میں لیا، انھوں نے وہ بھی کاٹا، تو انھوں نے دونوں بازوؤں سے اُس کو تھاما اور منہ سے مضبوط پکڑ لیا، ایک شخص نے

حل لغات: (۱) ساتھ۔ (۲) نیزہ۔ (۳) ہدایت پایا ہوا۔ (۴) فکر۔ (۵) فوج۔ (۶) طاقت۔

پیچھے سے ان کے دو ٹکڑے کر دیے، جس سے یہ گر پڑے، اُس وقت اُن کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کہتے ہیں کہ ہم نے بعد میں نعشوں میں سے حضرت جعفر ﷺ کو جب اُٹھایا، تو ان کے بدن کے اگلے حصہ میں نوّے زخم تھے۔ جب یہ شہید ہو گئے، تو لوگوں نے عبداللہ بن رَوَاحہ ﷺ کو آواز دی، وہ لشکر کے ایک کونہ میں گوشت کا ٹکڑا کھا رہے تھے کہ تین دن سے کچھ چکھنے کو بھی نہ ملا تھا، وہ آواز سنتے ہی گوشت کے ٹکڑے کو پھینک کر اپنے آپ کو ملامت[1] کرتے ہوئے کہ جعفر تو شہید ہو جائیں اور تو دنیا میں مشغول رہے، آگے بڑھے اور جھنڈا لے کر قتال شروع کر دیا، انگلی میں زخم آیا وہ لٹک گئی، تو انھوں نے پاؤں سے اس کٹی ہوئی انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا وہ الگ ہو گئی، اُس کو پھینک دیا اور آگے بڑھے، اس گھمسان[2] اور پریشانی کی حالت میں تھوڑا سا تردّد[3] بھی پیش آیا کہ نہ ہمت نہ مقابلہ کی طاقت، لیکن اس تردّد کو تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ اپنے دل کو مخاطب بنا کر کہا: او دل! کس چیز کا اب اشتیاق[4] باقی ہے، جس کی وجہ سے تردّد ہے، کیا بیوی کا ہے تو اس کو تین طلاق، یا غلاموں کا ہے تو وہ سب آزاد، یا باغ کا ہے تو وہ اللہ کے راستہ میں صدقہ۔ اس کے بعد چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''قسم ہے او دل! تجھے اُترنا ہوگا، خوشی سے اُتر یا ناگواری سے اُتر، تجھے اطمینان کی زندگی گذارتے ہوئے ایک زمانہ گذر چکا، سوچ تو آخر تُو ایک قطرۂ منی ہے، دیکھ کافر لوگ مسلمانوں پر کھنچے ہوئے آرہے ہیں، تجھے کیا ہوا کہ جنت کو پسند نہیں کرتا، اگر تو قتل نہ ہوا تو ویسے بھی آخر مرے گا ہی۔'' اس کے بعد گھوڑے سے اُترے، ان کے چچازاد بھائی گوشت کا ایک ٹکڑا لائے کہ ذرا سا کھالو، کمر سیدھی کرلو، کئی دن سے کچھ نہیں کھایا۔ انھوں نے لے لیا، اتنے میں ایک جانب سے حملے[5] کی آواز آئی، اس کو پھینک دیا اور تلوار لے کر جماعت میں گھس گئے اور شہید ہونے تک تلوار چلاتے رہے۔ [خمیس]

فائدہ: صحابہ ﷺ کی پوری زندگی کا یہی نمونہ ہے، ان کا ہر ہر قصہ دنیا کی بے ثباتی[6] اور آخرت کے شوق کا سبق دیتا ہے۔ صحابہ کرام ﷺ کا تو پوچھنا ہی کیا، تابعین پر بھی یہی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ایک قصہ پر اس باب کو ختم کرتا ہوں، جو دوسرے رنگ کا ہے۔ دشمن سے مقابلہ کے نمونے تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں، اب حکومت کے سامنے کا منظر بھی دیکھ لیجیے۔

⑫ سعید بن جُبیرؒ اور حجّاج کی گفتگو

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ ''بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے''۔ حجّاج کا ظلم وستم دنیا میں مشہور ہے، گو اُس زمانہ کے بادشاہ باوجود ظلم وستم کے دین کی اشاعت کا کام بھی کرتے رہتے تھے؛ لیکن پھر بھی دین دار اور عادل[7] بادشاہوں کے لحاظ سے وہ

حل لغات: (۱) برا بھلا کہنا۔ (۲) سخت لڑائی۔ (۳) ہچکچاہٹ۔ (۴) شوق۔ (۵) حملہ، شور۔ (۶) باقی نہ رہنا۔ (۷) انصاف پسند۔

بدترین شمار ہوتے تھے اور اس وجہ سے لوگ ان سے بیزار[1] تھے۔ سعید بن جُبیرؒ نے بھی ابنُ الاَشعَث کے ساتھ مل کر حَجّاج کا مقابلہ کیا۔ حَجّاج عبدُالمَلِک بن مَروان کی طرف سے حاکم تھا۔ سعید بن جُبیرؒ مشہور تابعی ہیں اور بڑے علماء میں سے ہیں۔ حکومت اور بالخصوص حَجّاج کو ان سے بُغض وعداوت[2] تھی اور چونکہ مقابلہ کیا تھا، اس لیے عداوت کا ہونا بھی ضروری تھا۔ مقابلہ میں حَجّاج اُن کو گرفتار نہ کرسکا، یہ شکست کے بعد چھپ کر مکہ مکرمہ چلے گئے، حکومت نے اپنے ایک خاص آدمی کو مکہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلالیا، اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا، جس کے اخیر میں عبدُالمَلِک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم بھی سنایا کہ جو شخص سعید بن جبیر کو ٹھکانا دے اس کی خیر نہیں، اس کے بعد اُس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں وہ ملے گا، اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کے گھر کو، نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو ڈھاؤں گا۔ غرض بڑی دِقّت[3] سے مکہ کے حاکم نے ان کو گرفتار کر کے حَجّاج کے پاس بھیج دیا، اُس کو غصہ نکالنے اور ان کو قتل کرنے کا موقع مل گیا، سامنے بلایا اور پوچھا۔ حَجّاج: تیرا کیا نام ہے؟ سعیدؒ: میرا نام سعید ہے۔ حَجّاج: کس کا بیٹا ہے؟ سعید: جُبیر کا بیٹا ہوں (سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنیٰ: اصلاح کی ہوئی چیز) اگرچہ ناموں میں معنیٰ اکثر مقصود نہیں ہوتے؛ لیکن حَجّاج کو ان کے نام کا اچھے معنی والا ہونا پسند نہیں آیا، اس لیے کہا: نہیں تو شَقی بن کَسیر ہے (شقی کہتے ہیں بد بخت کو اور کسیر: ٹوٹی ہوئی چیز)۔ سعیدؒ: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔ حَجّاج: تُو بھی بد بخت، تیری ماں بھی بد بخت۔ سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور کوئی ہے (یعنی عَلّامُ الغُیُوب)۔ حَجّاج: دیکھ میں اب تجھے موت کے گھاٹ اُتارتا ہوں۔ سعید: تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا۔ حَجّاج: اب میں تجھ کو زندگی کے بدلہ کیسا جہنم رسید کرتا ہوں۔ سعید: اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنالیتا۔ حَجّاج: حضور اقدس ﷺ کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے؟ سعید: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے، جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔ حَجّاج: خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے؟ سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں، ہر شخص اپنے کیے کا ذمہ دار ہے۔ حَجّاج: میں ان کو بُرا کہتا ہوں یا اچھا؟ سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں ہے، میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے۔ حَجّاج: ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے؟ سعید: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے کہ ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔ حَجّاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا؟ سعید: اُس کو وہی جانتا ہے، جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔ حَجّاج: حضرت علی رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟ سعید: اگر میں جنت اور جہنم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں تو بتلا سکتا ہوں۔ حَجّاج: میں

حل لغات: (۱) ناراض، پریشان۔ (۲) دشمنی۔ (۳) دشواری۔

قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا؟ سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع[1] کیا جاؤں۔ حجّاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا؟ سعید: میں نے جھوٹ بھی نہیں کہا۔ حجّاج: تُو کبھی ہنستا کیوں نہیں؟ سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہو اور قیامت میں اس کو جانا ہو اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔ حجّاج: میں تو ہنستا ہوں۔ سعید: اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں میں ہم کو بنایا ہے۔ حجّاج: میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔ سعید: میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔ حجّاج: میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔ سعید: اللہ پر کوئی بھی جرأت نہیں کرسکتا، جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کرلے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔ حجّاج: میں کیوں نہیں جرأت کرسکتا حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تُو باغیوں[2] کی جماعت کے ساتھ ہے؟ سعید: میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ حجّاج: ہم جو کچھ امیر المؤمنین کے لیے جمع کرتے ہیں، اس کو تو کیسا سمجھتا ہے؟ سعید: میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا۔ حجّاج نے سونا چاندی کپڑے وغیرہ منگا کر اُن کے سامنے رکھ دیے۔ سعید: یہ اچھی چیزیں ہیں، اگر اپنی شرط کے موافق ہوں۔ حجّاج: شرط کیا ہے؟ سعید: یہ کہ تو اُن سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن اَمن پیدا کرنے والی ہوں، ورنہ ہر دودھ پلانے والی دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔ حجّاج: ہم نے جو جمع کیا، یہ اچھی چیز نہیں؟ سعید: تُو نے جمع کیا تُو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔ حجّاج: کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے؟ سعید: میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں، جس کو اللہ پسند کرے۔ حجّاج: تیرے لیے ہلاکت ہو۔ سعید: ہلاکت اس شخص کے لیے ہے، جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کردیا جائے۔ حجّاج: (دِق[3] ہو کر) بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں؟ سعید: جس طرح سے قتل ہونا اپنے لیے پسند ہو۔ حجّاج: کیا تجھے معاف کردوں؟ سعید: معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے، تیرا معاف کرنا کوئی چیز نہیں۔ حجّاج نے جلّاد[4] کو حکم دیا کہ اس کو قتل کردو۔ سعید: باہر لائے گئے اور ہنسے۔ حجّاج کو اس کی اطلاع دی گئی پھر بلایا اور پوچھا۔ حجّاج: تُو کیوں ہنسا؟ سعید: تیری اللہ پر جرأت اور اللہ تعالیٰ کے تجھ پر حلم سے۔ حجّاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق[5] کی، پھر جلّاد سے خطاب کرکے کہا: میرے سامنے اس کی گردن اُڑاؤ۔ سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں، نماز پڑھی، پھر قبلہ رُخ ہو کر ﴿وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ [سورۂ انعام] پڑھا، یعنی میں نے اپنا منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان وزمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر اُدھر متوجہ ہوا اور نہیں ہوں

حل لغات: (۱) خبر دینا۔ (۲) حکومت کے مخالف لوگ۔ (۳) پریشان۔ (۴) مجرموں کو قتل کرنے والا۔ (۵) دشمنی پیدا کرنا۔

مشرکین سے۔ حجّاج: اس کا منھ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو کہ انھوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا، چنانچہ فوراً پھیر دیا گیا۔ سعید: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ الْكَافِي بِالسَّرَائِرِ جدھر تم منھ پھیرو اُدھر بھی خدا ہے، جو بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ حجّاج: اَوندھا ڈال دو، (یعنی زمین کی طرف منھ کر دو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ سعید: ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ﴿٥٥﴾﴾ [سورۂ طٰہٰ] ''ہم نے زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ اُٹھائیں گے۔'' حجّاج: اس کو قتل کر دو۔ سعید: میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں، ((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)) تو اس کو محفوظ رکھنا، جب میں تجھ سے قیامت کے دن ملوں گا تو لے لوں گا۔ اس کے بعد وہ شہید کر دیے گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون بہت زیادہ نکلا، جس سے حجّاج کو بھی حیرت ہوئی، اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ ان کا دل نہایت مطمئن تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا، اس لیے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا، بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے اُن کا خون پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے۔ [علمائے سلف کتاب الامامت والسیاست]

فائدہ: اس قصہ کے سوال جواب میں کتب میں کمی زیادتی بھی ہے اور بھی بعض سوال جواب نقل کیے گئے ہیں، ہمیں تو نمونہ ہی دکھانا تھا، اس لیے اسی پر اکتفا کیا گیا، تابعین کے اس قسم کے قصے بہت زیادہ ہیں۔ حضرت امام اعظم، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ حضرات اسی حق گوئی کی وجہ سے ہمیشہ مشقتیں برداشت فرماتے رہے، لیکن حق کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

آٹھواں باب: علمی ولولہ اور اس کا انہماک

چوں کہ اصل دین کلمۂ توحید ہے اور وہی سب کمالات کی بنیاد ہے، جب تک وہ نہ ہو کوئی کارِ خیر بھی مقبول نہیں۔ اس لیے صحابۂ کرام ؓ کی ہمت بالخصوص ابتدائی زمانہ میں زیادہ تر کلمۂ توحید کے پھیلانے اور کفار سے جہاد کرنے میں مشغول تھی اور وہ علمی انہماک کے لیے فارغ و یکسو نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان مشاغل کے ساتھ ان کا انہماک اور شوق و شغف جس کا ثمرہ آج چودہ سو برس تک علوم قرآن و حدیث کا بقا ہے؛ ایک کھلی ہوئی چیز ہے۔ ابتدائے اسلام کے بعد جب کچھ فراغت ان حضرات کو میسر ہو سکی اور جماعت میں بھی کچھ اضافہ ہوا تو آیت کلام اللہ ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن

حل لغات: ① سچ بات کہنا۔ ② شوق۔ ③ بہت زیادہ مشغولی۔ ④ نیک کام۔ ⑤ پورے طور پر فرصت میں نہ تھے۔ ⑥ محبت۔ ⑦ پھل۔ ⑧ باقی رہنا۔

كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ [سورۂ توبہ] نازل ہوئی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ[1] لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ وہ قوم کو جب وہ اُن کے پاس واپس آویں ڈراویں تاکہ وہ احتیاط رکھیں۔ [بیان القرآن]

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ [سورۂ توبہ:۴۱] اور ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ [سورۂ توبہ:۳۹] سے جو عموم[2] معلوم ہوتا ہے اس کو ﴿مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ [سورۂ توبہ:۱۲۲] نے منسوخ[3] کر دیا۔ صحابۂ کرام ؓ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جامعیت[4] عطا فرمائی تھی اور اس وقت کے لیے یہ چیز نہایت ہی ضروری تھی، کہ وہی ایک مختصر سی جماعت دین کے سارے کام سنبھالنے والی تھی، مگر تابعین کے زمانہ میں جب اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی بڑی جماعت اور جمعیت ہوگئی، نیز صحابۂ کرام ؓ جیسی جامعیت بھی باقی نہ رہی، تو ہر ہر شعبۂ دین کے لیے پوری توجہ سے کام کرنے والے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے۔ مُحدِّثین کی مستقل جماعت بننی شروع ہوگئی، جن کا کام احادیث کا ضبط[5] اور ان کا پھیلانا تھا۔ فُقَہاء کی علیحدہ[6] جماعت ہوئی۔ صوفیا، قرّاء، مجاہدین غرض دین کے ہر ہر شعبہ کو مستقل سنبھالنے والے پیدا ہوئے، اُس وقت کے لیے یہ ہی چیز مناسب اور ضروری تھی، اگر یہ صورت نہ ہوتی تو ہر شعبہ میں کمال اور ترقی دُشوار تھی، اس لیے کہ ہر شخص تمام چیزوں میں انتہائی کمال پیدا کرلے یہ بہت دشوار ہے، یہ صفت حق تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، بالخصوص سید الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ہی کو عطا فرمائی تھی، اس لیے اس باب میں صحابۂ کرام ؓ کے علاوہ اور دیگر حضرات کے واقعات بھی ذکر کیے جائیں گے۔

① فتوے کا کام کرنے والی جماعت کی فہرست

اگرچہ صحابۂ کرام ؓ جہاد اور اعلاء[7] کلمۃ اللہ کی مشغولی کے باوجود سب ہی علمی مشغلہ[8] میں ہر وقت مُنہمک[9] تھے اور ہر شخص ہر وقت جو کچھ حاصل کر لیتا تھا، اس کو پھیلانا پہونچانا یہی اس کا مشغلہ تھا، لیکن ایک جماعت فتوے کے ساتھ مخصوص تھی، جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں بھی فتوے کا کام کرتی تھی۔ وہ حضرات ذیل ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، اُبَی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، مُعاذ بن جَبَل، عمّار بن یاسر، حُذیفہ، سلمان فارسی، زید بن ثابت، ابوموسیٰ، اَبُوالدَّرْدَاء رضی اللہ عنہم اجمعین۔ [تلقیح]

حل لغات: ① باقی بچے ہوئے۔ ② عام ہونا۔ ③ ختم۔ ④ ہر طرح کی خوبی۔ ⑤ حفاظت۔ ⑥ الگ۔ ⑦ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا۔ ⑧ کام۔ ⑨ بہت زیادہ مشغول۔

فائدہ: یہ ان حضرات کے کمالِ علم کی بات ہے کہ حضور ﷺ کی موجودگی میں یہ لوگ اہلِ فتویٰ شمار کیے جاتے تھے۔

② حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا مجموعۂ احادیث کو جلا دینا

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پانچ سو[۵۰۰] احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں، کروٹیں بدل رہے ہیں۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف ہے؟ یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے؟ غرض تمام رات اس بے چینی میں گذری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوا رکھی ہیں، اٹھالا۔ میں لے کر آئی۔ آپ ؓ نے اُن کو جلا دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا؟ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ[۱] ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مَر جاؤں اور یہ میرے پاس ہوں، ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہو، اور وہ واقع[۲] میں معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو، جس کا وبال[۳] مجھ پر ہو۔ [تذکرۃ الحفاظ]

فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا یہ علمی کمال اور شغف[۴] تھا کہ انھوں نے پانچ سو[۵۰۰] احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمالِ احتیاط تھا۔ اکابر صحابہ ؓ کا حدیث کے بارے میں احتیاط کا یہی حال تھا، اسی وجہ سے اکثر صحابہ ؓ سے روایتیں بہت کم نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے، جو منبروں پر بیٹھ کے بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہر وقت کے حاضر[۵] باش، سفر حضر کے ساتھی، ہجرت کے رفیق۔ صحابہ ؓ کہتے ہیں کہ ہم میں بڑے عالم حضرت ابوبکر ؓ تھے، حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال[۶] کے بعد جب بیعت کا قصہ پیش آیا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے تقریر فرمائی، تو کوئی آیت اور کوئی حدیث ایسی نہیں چھوڑی؛ جس میں انصار کی فضیلت آئی ہو اور حضرت ابوبکر ؓ نے اپنی تقریر میں نہ فرمادی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک پر کتنا عبور[۷] تھا اور احادیث کس قدر یاد تھیں، مگر پھر بھی بہت کم روایتیں حدیث کی آپ سے منقول ہیں۔ یہی راز ہے کہ حضرت امام اعظم ؒ سے بھی حدیث کی روایتیں بہت کم نقل کی گئی ہیں۔

③ تبلیغ حضرت مُصعَب بن عُمَیر ؓ

مُصعَب بن عُمَیر ؓ جن کا ایک قصہ ساتویں باب کے نمبر پانچ پر بھی گذر چکا ہے، ان کو حضور اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ کی اس جماعت کے ساتھ، جو سب سے پہلے منیٰ کی گھاٹی میں مسلمان ہوئی تھی، تعلیم اور دین کے سکھانے کے لیے بھیج دیا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ میں ہر وقت تعلیم اور تبلیغ میں مشغول رہتے، لوگوں کو قرآن

حل لغات: ① فکر۔ ② حقیقت۔ ③ عذاب۔ ④ شوق۔ ⑤ ساتھ رہنے والے۔ ⑥ انتقال۔ ⑦ مہارت۔

شریف پڑھاتے اور دین کی باتیں سکھلاتے تھے۔ اسعد بن زُرارہ ﷺ کے پاس ان کا قیام تھا اور مُقْرِئ (پڑھانے والا، مُدرِّس) کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔ سعد بن مُعاذ ﷺ اور اُسید بن حُضیر ﷺ یہ دونوں سرداروں میں تھے۔ ان کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ سعد ﷺ نے اُسید ﷺ سے کہا کہ تم اسعد کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ تم کسی پردیسی کو اپنے ساتھ لے آئے ہو، جو ہمارے ضعیف لوگوں کو بیوقوف بناتا ہے، بہکاتا ہے۔ وہ اسعد ﷺ کے پاس گئے اور اُن سے سختی سے یہ گفتگو کی۔ اسعد ﷺ نے کہا کہ تم اُن کی بات سن لو، اگر تمہیں پسند آئے قبول کرلو، اگر سننے کے بعد ناپسند ہو، تو روکنے کا مضاؔ لقہ نہیں۔ اُسید ﷺ نے کہا کہ یہ انصاف کی بات ہے، سننے لگے۔ حضرت مصعب ﷺ نے اسلام کی خوبیاں سنائیں اور کلامُ اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کیں۔ حضرت اُسید ﷺ نے کہا کہ کیا ہی اچھی باتیں ہیں اور کیا ہی بہتر کلام ہے، جب تم اپنے دین میں کسی کو داخل کرتے ہو، تو کس طرح داخل کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ تم نہاؤ، پاک کپڑے پہنو، اور کلمۂ شہادت پڑھو۔ حضرت اُسید ﷺ نے اسی وقت سب کام کیے اور مسلمان ہوگئے۔ اس کے بعد یہ سعد کے پاس گئے اور ان کو بھی اپنے ہمرا ؔہ لائے، ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔ سعد ابن مُعاذ ﷺ بھی مسلمان ہوگئے اور مسلمان ہوتے ہی اپنی قوم بَنُوالْاَشْہَلْ کے پاس گئے۔ ان سے جاکر کہا کہ میں تم لوگوں کی نگاہ میں کیسا آدمی ہوں؟ انھوں نے کہا کہ ہم میں سب سے افضل اور بہتر ہو، اس پر سعد ﷺ نے کہا کہ مجھے تمہارے مردوں اور عورتوں سے کلام حرام ہے، جب تک تم مسلمان نہ ہوجاؤ اور محمد ﷺ پر ایمان نہ لاؤ۔ ان کے اس کہنے سے قبیلۂ اَشْہَل کے سب مرد عورت مسلمان ہوگئے اور حضرت مصعب ﷺ ان کو تعلیم دینے میں مشغول ہوگئے۔ [تلقیح]

فائدہ: صحابۂ کرام ﷺ کا یہ عام دستور تھا کہ جو شخص بھی مسلمان ہوجاتا، وہ مستقل ایک مُبَلِّغ ہوتا اور جو بات اسلام کی اس کو آتی تھی، اس کا پھیلانا اور دوسروں تک پہونچانا، اُس کی زندگی کا ایک مستقل کام تھا، جس میں نہ کھیتی مانؔع تھی، نہ تجارت، نہ پیشہ، نہ ملازمت۔

۴ حضرت اُبَیّ بن کَعْب ﷺ کی تعلیم

حضرت اُبَیّ بن کَعْب ﷺ مشہور صحابہ اور مشہور قاریوں میں ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، عرب میں لکھنے کا عام دستو ؔر نہیں تھا، اسلام کے بعد سے اس کا چرچا ہوا؛ لیکن یہ پہلے سے واقف تھے۔ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر رہ کر وحی بھی لکھا کرتے تھے، قرآن شریف کے بڑے ماہر تھے اور ان لوگوں میں تھے، جنھوں نے حضور ﷺ کی زندگی ہی میں تمام قرآن شریف حفظ کرلیا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بڑے قاری اُبَیّ بن کَعْب ہیں۔ تہجد میں آٹھ راتوں میں قرآن پاک کے ختم

حل لغات: ① حرج۔ ② ساتھ۔ ③ روکنے والی۔ ④ رواج۔

کرنے کا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہیں قرآن شریف سناؤں۔ عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں تمہارا نام لے کر کہا۔ یہ سن کر فرطِ[1] خوشی سے رونے لگے۔ ع

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

جُنْدُب بن عبداللہ ﷺ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا، تو مسجدِ نبوی میں حدیث پڑھانے والے متعدد حضرات تھے اور شاگردوں کے حلقے متفرق طور پر علیحدہ علیحدہ، ہر استاد کے پاس موجود تھے۔ میں اُن حلقوں پر گذرتا ہوا ایک حلقہ پر پہونچا، جس میں ایک صاحب مُسافرانہ[2] ہیئت کے ساتھ صرف دو کپڑے بدن پر ڈالے ہوئے بیٹھے حدیث پڑھا رہے تھے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ بتایا کہ مسلمانوں کے سردار اُبَی بن کعب ہیں۔ میں ان کے حلقۂ درس میں بیٹھ گیا۔ جب حدیث سے فارغ ہوئے تو گھر جانے لگے، میں بھی پیچھے ہولیا، وہاں جا کر دیکھا ایک پُرانا سا گھر، خستہ[3] حالت، نہایت معمولی سامان، زاہدانہ زندگی۔ [طبقات]

حضرت اُبَی ﷺ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے (میرا امتحان لیا) ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف میں سب سے بڑی آیت (برکت اور فضل کے اعتبار سے) کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے دوبارہ سوال فرمایا، مجھے ادب مانع ہوا، میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا، میں نے عرض کیا: آیۃ الکُرسی۔ حضور ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا: اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نماز پڑھا رہے تھے، ایک آیت چھوٹ گئی، حضرت اُبَی ﷺ نے نماز میں لقمہ دیا، حضور ﷺ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ کس نے بتایا؟ حضرت اُبَی ﷺ نے عرض کیا: میں نے بتایا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا بھی یہ گمان تھا کہ تم نے ہی بتایا ہوگا۔ [مُسند احمد]

فائدہ: یہ حضرت ابی ﷺ باوجود اس علمی شَغَف[4] اور قرآن پاک کی مخصوص خدمات کے حضور ﷺ کے ساتھ ہر غزوہ میں شریک ہوئے ہیں، حضور ﷺ کا کوئی جہاد ایسا نہیں جس میں ان کی شرکت نہ ہوئی ہو۔

⑤ حضرت حذیفہ ﷺ کا فتنوں کے معلوم کرنے کا اہتمام

حضرت حذیفہ ﷺ مشہور صحابہ میں ہیں، صاحبُ السِّر (بھیدی) اُن کا لقب ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے منافقین اور فتنوں کا علم ان کو بتایا تھا، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے قیامت تک جتنے فتنے آنے والے ہیں، سب کو نمبروار بتایا تھا، کوئی ایسا فتنہ جس میں تین سو[5] آدمیوں کے بقدر لوگ شریک ہوں، حضور ﷺ نے نہیں چھوڑا، بلکہ اس فتنہ کا حال اور اس کے مقتدا[6] کا حال

حل لغات: ① بہت زیادہ خوشی۔ ② مسافروں جیسی حالت۔ ③ بُری حالت۔ ④ شوق ⑤ لیڈر، پیشوا۔

مع اس کے نام کے، نیز اس کی ماں کا نام، اس کے باپ کا نام، اس کے قبیلہ کا نام صاف صاف بتادیا تھا، حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ لوگ حضور ﷺ سے خیر کی باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں بُرائی کی باتیں دریافت کیا کرتا تھا، تاکہ اس سے بچا جائے، ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ خیر وخوبی جس پر آج کل آپ کی برکت سے ہم لوگ ہیں، اس کے بعد بھی کوئی بُرائی آنے والی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! بُرائی آنے والی ہے، میں نے عرض کیا کہ اس بُرائی کے بعد پھر بھلائی لوٹ کر آئے گی یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حذیفہ! اللہ کا کلام پڑھ اور اس کے معانی پر غور کر، اس کے احکام کی اتباع کر، (مجھے فکر سوار تھا) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اُس بُرائی کے بعد بھلائی ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! پھر بھلائی ہوگی، لیکن دل ایسے نہیں ہوں گے، جیسے پہلے تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس بھلائی کے بعد پھر بُرائی ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! ایسے لوگ پیدا ہوجائیں گے، جو آدمیوں کو گمراہ کریں گے اور جہنم کی طرف لے جائیں گے، میں نے عرض کیا کہ اگر میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر مسلمانوں کی کوئی مُتَّحِدہ[1] جماعت ہو اور ان کا کوئی بادشاہ ہو، تو اس کے ساتھ ہوجانا، ورنہ ان سب فرقوں کو چھوڑ کر ایک کونہ میں علیحدہ بیٹھ جانا یا کسی درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ جانا اور مرنے تک وہیں بیٹھے رہنا، چوں کہ ان کو منافقوں کا حال حضور ﷺ نے سب کا بتلادیا تھا، اس لیے حضرت عمر ؓ ان سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ میرے حُکّام[2] میں کوئی منافق تو نہیں؟ ایک مرتبہ انھوں نے عرض کیا کہ ایک منافق ہے، مگر میں نام نہیں بتاؤں گا۔ حضرت عمر ؓ نے ان کو معزول[3] کر دیا، غالباً اپنی فراست[4] سے پہچان لیا ہوگا، جب کوئی شخص مرجاتا تو حضرت عمر ؓ تحقیق فرماتے کہ حذیفہ ؓ ان کے جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں، اگر حذیفہ ؓ شریک ہوتے، تو حضرت عمر ؓ بھی نماز پڑھتے، ورنہ وہ بھی نہ پڑھتے۔ حضرت حُذَیفہ ؓ کا جب انتقال ہونے لگا، تو نہایت گھبراہٹ اور بے چینی میں رو رہے تھے، لوگوں نے دریافت کیا، فرمایا کہ دنیا کے چھوٹنے پر نہیں رو رہا ہوں، بلکہ موت تو مجھے محبوب ہے، البتہ اس پر رو رہا ہوں کہ مجھے اس کی خبر نہیں کہ میں اللہ کی ناراضی پر جارہا ہوں یا خوشنودی[5] پر، اس کے بعد کہا کہ یہ میری دنیا کی آخری گھڑی ہے، یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے، اس لیے اپنی ملاقات میں برکت عطا فرما۔ [ابوداؤد واُسد الغابہ]

⑥ حضرت اَبُوہُرَیرہ ؓ کا احادیث کو حفظ کرنا

حضرت ابوہریرہ ؓ نہایت مشہور اور جلیل[6] القدر صحابی ہیں اور اتنی کثرت سے ان سے حدیثیں نقل ہیں کہ کسی دوسرے صحابی سے اتنی زیادہ نقل کی ہوئی موجود نہیں، اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ ۷ھ میں یہ مسلمان ہوکر تشریف لائے اور ۱۱ھ میں حضور اقدس ﷺ کا وصال[7] ہوگیا۔ اتنی قلیل مدت میں، جو

حل لغات: (۱) اتفاق رکھنے والی۔ (۲) افسروں۔ (۳) ہٹادیا۔ (۴) سمجھداری۔ (۵) خوشی۔ (۶) بڑی شان والے۔ (۷) انتقال۔

تقریباً چار برس ہوتی ہے، اتنی زیادہ حدیثیں کیسے یاد ہوئیں؟ خود ابوہریرہ ﷺ اس کی وجہ بتاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت روایتیں نقل کرتے ہیں، میرے مہاجر بھائی تجارت پیشہ[1] تھے، بازار میں آنا جانا پڑتا تھا اور میرے انصاری بھائی کھیتی کا کام کرتے تھے، اس کی مشغولی ان کو درپیش رہتی تھی اور ابوہریرہ اصحاب صفہ کے مساکین میں سے ایک مسکین تھا، جو حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں جو کچھ کھانے کو مل جاتا تھا، اُس پر قناعت[2] کیے پڑا رہتا تھا، ایسے اوقات میں موجود ہوتا تھا، جس میں وہ نہیں ہوتے تھے اور ایسی چیزیں یاد کر لیتا تھا جن کو وہ یاد نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے حضور ﷺ سے حافظہ[3] کی شکایت کی، حضور ﷺ نے فرمایا: چادر بچھا، میں نے چادر بچھائی، حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ اشارہ فرمایا، اس کے بعد فرمایا، اس چادر کو ملا لے، میں نے اپنے سینہ سے ملا لیا، اس کے بعد سے کوئی چیز نہیں بھولا۔ [بخاری]

فائدہ: اصحابِ صُفّہ وہ لوگ کہلاتے ہیں، جو حضور اقدس ﷺ کی گویا خانقاہ کے رہنے والے تھے، ان حضرات کے اخراجات[4] کا کوئی خاص نظم نہیں تھا، گویا حضور ﷺ کے مہمان تھے، جو کہیں سے کچھ ہدیہ یا صدقہ کے طور پر آتا، اس پر ان کا زیادہ تر گذر تھا، حضرت ابوہریرہ ﷺ بھی ان ہی لوگوں میں تھے، بسا اوقات کئی کئی وقت کے فاقے بھی اُن پر گذر جاتے تھے، بعض اوقات بھوک کی وجہ سے جنون[5] کی سی حالت ہو جاتی تھی، جیسا کہ تیسرے باب کے قصہ نمبر ۳۷ میں گذرا، لیکن اس کے باوجود احادیث کا کثرت سے یاد کرنا ان کا مشغلہ تھا، جس کی بدولت آج سب سے زیادہ احادیث انہی کی بتائی جاتی ہیں۔ ابن جوزیؒ نے تلقیح[6] میں لکھا ہے کہ پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ ﷺ نے جنازہ کے متعلق ایک حدیث بیان کی کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص جنازہ کی نماز پڑھ کر واپس آجائے، اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک شریک رہے، اس کو دو قیراط ثواب ملتا ہے اور ایک قیراط کی مقدار اُحد کے پہاڑ سے بھی زیادہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کو اس حدیث میں کچھ تردُّد[7] ہوا، انھوں نے فرمایا: ابوہریرہ ﷺ سوچ کر کہو، ان کو غصہ آگیا، سیدھے حضرت عائشہ ﷺ کے پاس گئے اور جا کر عرض کیا، کہ میں آپ ﷺ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں، یہ قیراط والی حدیث آپ نے حضور ﷺ سے سنی؟ انھوں نے فرمایا: ہاں سنی ہے، ابوہریرہ ﷺ فرمانے لگے کہ مجھے حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تو باغ میں کوئی درخت لگانا تھا، نہ بازار میں مال بیچنا تھا، میں تو حضور ﷺ کے دربار میں پڑا رہتا تھا اور صرف یہ کام تھا کہ کوئی بات یاد کرنے کو مل جائے یا کچھ کھانے کو مل جائے، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے فرمایا: بے شک تم ہم لوگوں سے زیادہ

حل لغات: (۱) تجارت کرنے والے۔ (۲) تھوڑی چیز پر راضی ہونا۔ (۳) یاد رکھنے کی قوت۔ (۴) خرچ۔ (۵) پاگل پن۔ (۶) شک۔

حاضر باش[1] تھے اور احادیث کو زیادہ جاننے والے۔ [مسند احمد] اس کے ساتھ ہی ابو ہریرہ ؓ کہتے کہ میں بارہ ہزار مرتبہ روزانہ استغفار پڑھتا ہوں اور ایک تاگہ ان کے پاس تھا، جس میں ایک ہزار گرہ لگی ہوئی تھیں، رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے، جب تک اس کو سبحان اللہ کے ساتھ پورا نہ کر لیتے تھے۔ [تذکرہ]

⑦ قتلِ مُسَیلَمہ و قرآن کا جمع کرنا

حضور اقدس ﷺ کے وصال[2] کے بعد مسیلمہ کذاب کا، جس نے حضور ﷺ کے سامنے ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، اثر بڑھنے لگا اور چوں کہ عرب میں اِرتداد[3] بھی زور شور سے شروع ہو گیا تھا، اس سے اس کو اور بھی تقویت[4] پہونچی، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس سے لڑائی کی، حق تعالیٰ شانہٗ نے اسلام کو قوت عطا فرمائی اور مسیلمہ قتل ہوا؛ لیکن اس لڑائی میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی، بالخصوص قرآن پاک کے حافظوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہوئی، حضرت عمر ؓ، امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس لڑائی میں قاری بہت شہید ہو گئے، اگر اسی طرح ایک دو لڑائی میں اور شہید ہو گئے، تو قرآن پاک کا بہت سا حصہ ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لیے اس کو ایک جگہ لکھوا کر محفوظ کر لیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا: ایسے کام کی کیسے جرأت[5] کرتے ہو، جس کو حضور اقدس ﷺ نے نہیں کیا، حضرت عمر ؓ اس پر اصرار فرماتے رہے اور ضرورت کا اظہار کرتے رہے، بالآخر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی رائے بھی موافق ہو گئی، تو حضرت زید بن ثابت کو، جن کا قصہ باب: ۱۱ر قصہ: ۱۸ر پر آ رہا ہے بلایا، زید ؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضرت عمر ؓ بھی تشریف رکھتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اول اپنی اور حضرت عمر ؓ کی ساری گفتگو نقل فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم جوان ہو اور دانشمند[6]، تم پر کسی قسم کی بدگمانی بھی نہیں اور ان سب باتوں کے علاوہ یہ کہ خود حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں بھی تم وحی کے لکھنے پر مامور[7] رہ چکے ہو، اس لیے اس کام کو تم کرو، لوگوں کے پاس سے قرآن پاک جمع کرو اور اس کو ایک جگہ نقل کر دو۔ زید ؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر مجھے یہ حکم فرماتے کہ فلاں پہاڑ کو توڑ کر اِدھر سے اُدھر منتقل کر دو، تو یہ حکم بھی میرے لیے قرآن پاک جمع کرنے کے حکم سے سہل[8] تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات ایسا کام کس طرح کر رہے ہیں، جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا؟ وہ حضرات مجھے سمجھاتے رہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے زید ؓ سے کہا کہ اگر تم عمر ؓ کی موافقت[9] کرو، تو میں اس کا حکم دوں اور نہیں تو پھر میں بھی ارادہ نہ کروں۔ زید بن ثابت ؓ کہتے ہیں کہ طویل[10] گفتگو کے بعد، حق تعالیٰ شانہٗ نے میرا بھی اسی

حل لغات: ① حاضر رہنے والے۔ ② انتقال۔ ③ اسلام سے پھر جانا۔ ④ طاقت۔ ⑤ دلیری، ہمت۔ ⑥ سمجھدار۔ ⑦ متعین۔ ⑧ آسان۔ ⑨ اتفاق۔ ⑩ لمبی۔

جانب شرحِ صدر[1] فرمادیا کہ قرآن پاک کو یک جا[2] جمع کیا جائے، چنانچہ میں نے تعمیلِ ارشاد میں لوگوں کے پاس، جو قرآن شریف متفرق[3] طور پر لکھا ہوا تھا، اور جو اُن حضرات صحابۂ کرام ﷺ کے سینوں میں بھی محفوظ تھا، سب کو تلاش کر کے جمع کیا۔ [بخاری]

فائدہ: اس قصہ میں اوّل تو ان حضرات کے اتباع کا اہتمام معلوم ہوتا، کہ پہاڑ کا منتقل[4] کرنا ان کے لیے اس سے سہل[5] تھا کہ کوئی ایسا کام کیا جائے، جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا، اس کے بعد کلام پاک کا جمع کرنا، جو دین کی اصل ہے، اللہ نے ان حضرات کے اعمال نامہ میں رکھا تھا، پھر حضرت زید ﷺ نے اتنا اہتمام اس کے جمع فرمانے میں کیا کہ کوئی آیت بغیر لکھی ہوئی نہیں لیتے تھے، جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں، اُن ہی سے جمع کرتے تھے اور حُفّاظ[6] کے سینوں سے اُس کا مقابلہ کرتے تھے، اور چوں کہ تمام قرآن شریف متفرق جگہوں میں لکھا ہوا تھا، اس لیے اُس کی تلاش میں، گو[7] محنت ضرور کرنا پڑی، مگر سب مل گیا۔ اُبی بن کعب ﷺ جن کو خود حضور ﷺ نے قرآن پاک کا سب سے زیادہ ماہر بتایا، ان کی اعانت[8] کرتے تھے اس محنت سے کلام اللہ شریف کو ان حضرات نے سب سے پہلے جمع فرمایا۔

⑧ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی احتیاط روایتِ حدیث میں

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ بڑے مشہور صحابہ میں ہیں اور ان صحابہ ﷺ میں شمار ہے جو فتوے کے مالک تھے، ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہوگئے تھے اور حبشہ[9] کی ہجرت بھی کی تھی، تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک رہے ہیں اور مخصوص خادم ہونے کی وجہ سے صاحبُ النّعل، صاحبُ الوِسادہ، صاحبُ المُطَہِّرۃ، جوتے والے، تکیہ والے، وضو کے پانی والے، یہ القاب بھی ان کے ہیں؛ اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کی یہ خدمتیں اکثر ان کے سپرد[10] رہتی تھیں۔ حضور ﷺ کا ان کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ امیر بناؤں، تو عبداللہ بن مسعود کو بناؤں۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد تھا کہ تمہیں ہر وقت حاضری کی اجازت ہے، حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف بالکل ایسی طرح پڑھنا ہو جس طریقہ سے اُترا ہے، تو عبداللہ بن مسعود ﷺ کے طریقہ کے موافق پڑھے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ابن مسعود ﷺ جو حدیث تم سے بیان کریں اس کو سچ سمجھو۔ ابو موسیٰ اشعری ﷺ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب یمن سے آئے، تو ایک زمانہ تک ابن مسعود ﷺ کو اہلِ بیت[11] میں سے سمجھتے رہے، اس لیے کہ اتنی کثرت سے ان کی اور ان کی والدہ کی آمد و رفت حضور ﷺ کے گھر میں تھی، جیسی گھر کے آدمیوں کی ہوتی ہے۔ [بخاری]

حل لغات: ① دل کا اطمینان۔ ② ایک جگہ۔ ③ الگ الگ۔ ④ ہٹانا۔ ⑤ آسان۔ ⑥ حافظ کی جمع۔ ⑦ اگرچہ۔ ⑧ مدد۔ ⑨ ایک ملک۔ ⑩ ذمے۔ ⑪ گھر والے۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود ابوعمرو شیبانی ﷺ کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعود ﷺ کے پاس رہا، میں نے کبھی ان کو حضور ﷺ کی طرف منسوب[1] کر کے بات کرتے نہیں سنا، لیکن کبھی اگر حضور ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتے تھے، تو بدن پر کپکپی آجاتی تھی۔ عمرو بن میمون ﷺ کہتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کو ایک سال تک ابن مسعود ﷺ کے پاس آتا رہا، میں نے کبھی حضور ﷺ کی طرف نسبت کر کے بات کرتے نہیں سنا۔ ایک مرتبہ حدیث بیان فرماتے ہوئے زبان پر یہ جاری ہوگیا کہ حضور ﷺ نے یہ اِرشاد فرمایا: تو بدن کانپ گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پیشانی پر پسینہ آگیا، رگیں پھول گئیں اور فرمایا ان شاء اللہ یہی فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب تھا یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم۔ [مقدمہ اوجز، مسند احمد]

فائدہ: یہ تھی ان حضرات صحابۂ کرام ﷺ کی احتیاط حدیث شریف کے بارہ میں، اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے، اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے؛ اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجود یہ کہ مسائل حضور ﷺ کے ارشادات اور حالات ہی سے بتاتے تھے، مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے، کہ خدانخواستہ جھوٹ نہ نکل جائے۔ اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک بے تحقیق حدیث نقل کر دیتے ہیں۔ ذرا بھی نہیں جھجکتے، حالانکہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے، فقہ حنفی انہی عبداللہ بن مسعود ﷺ سے زیادہ تر لیا گیا ہے۔

⑨ حضرت اَبُوالدَّرْدَاء ﷺ کے پاس حدیث کے لیے جانا

کثیر بن قیسؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداء ﷺ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص ان کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں مدینہ منورہ سے صرف ایک حدیث کی وجہ سے آیا ہوں، میں نے سنا ہے کہ وہ آپ نے حضور اقدس ﷺ سے سنی ہے، ابوالدرداء ﷺ نے پوچھا کوئی اور تجارتی کام نہیں تھا؟ انھوں نے کہا نہیں، ابوالدرداء ﷺ نے پھر پوچھا کہ کوئی دوسری غرض تو نہ تھی، کہا: نہیں صرف حدیث ہی معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں، ابوالدرداء ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کوئی راستہ علم حاصل کرنے کے لیے چلتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لیے جنت کا راستہ سہل[2] فرما دیتے ہیں، اور فرشتے اپنے پَر طالب علم کی خوشنودی کے واسطے بچھا دیتے ہیں، اور طالب علم کے لیے آسمان زمین کے رہنے والے استغفار کرتے ہیں، حتّٰی کہ مچھلیاں جو پانی میں رہتی ہیں وہ بھی استغفار کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے، جیسا کہ چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جو شخص علم کو حاصل کرتا ہے، وہ ایک بڑی دولت کو حاصل کرتا ہے۔ [ابن ماجہ]

حل لغات: ① نسبت۔ ② آسان۔

فائدہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں، حکیم الاُمت کہلاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی نبوت کے وقت میں تجارت کیا کرتا تھا، میں نے مسلمان ہونے کے بعد چاہا کہ تجارت اور عبادت دونوں کو جمع کروں، مگر دونوں اکٹھی نہ رہ سکیں، تو مجھے تجارت چھوڑنا پڑی، اب میرا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ بالکل دروازہ ہی پر دکان ہو، جس کی وجہ سے ایک بھی نماز فوت[1] نہ ہو اور روزانہ چالیس دینار کا نفع ہو اور میں ان سب کو صدقہ کردوں، کسی نے پوچھا کہ ایسی تجارت سے کیوں خفا ہوئے کہ نماز بھی نہ جائے اور اتنا نفع روزانہ کا اللہ کے راستہ میں خرچ ہو، پھر بھی پسند نہیں کرتے؟ فرمایا: حساب تو دینا ہی پڑے گا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے موت سے محبت ہے، اپنے مولیٰ سے ملاقات کے شوق میں اور فقر سے محبت ہے تواضع کے واسطے اور بیماری سے محبت ہے گناہ دُھلنے کے واسطے۔ [تذکرہ]

اوپر کے قصہ میں ایک حدیث کی خاطر اتنا طویل سفر کیا ہے، ان حضرات کے یہاں حدیث حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا کچھ اہم نہیں تھا، ایک ایک حدیث سننے اور معلوم کرنے کے لیے دور دور کا سفر طے کر لینا ان حضرات کو بہت سہل تھا، شعبیؒ ایک مشہور محدث ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں، اپنے کسی شاگرد کو ایک مرتبہ حدیث سنائی اور فرمایا کہ لے گھر بیٹھے مفت مل گئی، ورنہ اس سے کم کے لیے بھی مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا کہ ابتداء میں حدیث کا مخزن[2] مدینہ طیبہ ہی تھا، علمی شغف[3] رکھنے والے حضرات نے بڑے بڑے طویل[4] سفر علم کی خاطر اختیار فرمائے ہیں۔ سعید بن المسیبؒ جو ایک مشہور تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر راتوں اور دنوں پیدل چلا ہوں۔ امام الائمہ امام بخاریؒ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، ۲۰۵ھ میں یعنی گیارہ سال کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی۔ عبداللہ بن مبارکؒ کی سب تصانیف[5] بچپن ہی میں حفظ کرلی تھیں، اپنے شہر میں جتنی احادیث مل سکیں ان کو حاصل کرلینے کے بعد ۲۱۶ھ میں سفر شروع کیا، والد کا انتقال ہو چکا تھا، اس وجہ سے یتیم تھے، والدہ سفر میں ساتھ تھیں، اس کے بعد بلخ، بغداد، مکہ مکرمہ، بصرہ، کوفہ، شام، عسقلان، حمص، دمشق ان شہروں میں گئے اور ہر جگہ جو ذخیرہ حدیث کا مل سکا، حاصل فرمایا اور ایسی نوعمری میں استاد حدیث بن گئے تھے کہ منہ پر داڑھی کا ایک بال بھی نہیں نکلا تھا۔ کہتے ہیں کہ میری اٹھارہ برس کی عمر تھی، جب میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے فیصلے تصنیف[6] کیے۔ حاشدؒ اور ان کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ ہم لوگوں کے ساتھ اُستاد کے پاس جایا کرتے، ہم لوگ لکھتے اور بخاریؒ ویسے ہی واپس آجاتے، ہم نے کئی روز گزر جانے پر ان سے کہا کہ تم وقت ضائع کرتے ہو، وہ چُپ ہو گئے، جب کئی مرتبہ کہا تو کہنے لگے کہ تم نے دِق[7] ہی کر دیا، لاؤ تم نے کیا لکھا ہے، ہم نے اپنا مجموعہ[8] احادیث نکالا جو پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) حدیثوں سے زیادہ مقدار میں تھا، انھوں نے ان سب کو حفظ سنا دیا، ہم دنگ رہ گئے۔

حل لغات: (۱) نہ چھوٹے۔ (۲) خزانہ۔ (۳) شوق۔ (۴) لمبے۔ (۵) لکھی ہوئی کتابیں۔ (۶) لکھا۔ (۷) پریشان۔ (۸) ذخیرہ۔

⑩ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا انصاری کے پاس جانا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے وِصال[1] کے بعد، میں نے ایک انصاری سے کہا کہ حضور ﷺ کا تو وصال ہوگیا، ابھی تک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت موجود ہے، آؤ اُن سے پوچھ پوچھ کر مسائل یاد کریں۔ اُن انصاری نے کہا: کیا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ہوتے ہوئے بھی لوگ تم سے مسئلہ پوچھنے آئیں گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت موجود ہے، غرض ان صاحب نے تو ہمت کی نہیں، میں مسائل کے پیچھے پڑ گیا اور جن صاحب کے متعلق بھی مجھے علم ہوتا کہ فلاں حدیث انھوں نے حضور ﷺ سے سُنی ہے ان کے پاس جاتا اور تحقیق کرتا۔ مجھے مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ انصار سے ملا۔ بعض لوگوں کے پاس جاتا اور معلوم ہوتا کہ وہ سو رہے ہیں، تو اپنی چادر وہیں چوکھٹ پر رکھ کر انتظار میں بیٹھ جاتا، گو ہَوا سے منہ پر اور بدن پر مٹی بھی پڑتی رہتی، مگر میں وہیں بیٹھا رہتا، جب وہ اُٹھتے تو جس بات کو معلوم کرنا تھا وہ دریافت کرتا۔ وہ حضرات کہتے بھی کہ تم نے حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہو کر کیوں تکلیف کی؟ مجھے بُلا لیتے، مگر میں کہتا کہ میں علم حاصل کرنے والا ہوں، اس لیے میں ہی حاضر ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔ بعض حضرات پوچھتے کہ تم کب سے بیٹھے ہو؟ میں کہتا: بہت دیر سے، وہ کہتے کہ تم نے بُرا کیا، مجھے اطلاع کر دیتے۔ میں کہتا: میرا دل نہ چاہا کہ تم میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آؤ، حتیٰ کہ ایک وقت میں یہ نوبت[2] بھی آئی کہ لوگ علم حاصل کرنے کے واسطے میرے پاس جمع ہونے لگے، تب اُن انصاری صاحب کو بھی قلق[3] ہوا، کہنے لگے کہ یہ لڑکا ہم سے زیادہ ہوشیار تھا۔ [دارمی]

فائدہ: یہی چیز تھی، جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے وقت میں ''حِبْرُ الْاُمَّۃ'' اور ''بَحْرُ الْعِلم'' کا لقب دلوایا۔ جب اُن کا وصال ہوا تو طائف میں تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ ''محمدؒ'' نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ اس امت کا امام ربّانی آج رخصت ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آیتوں کے شانِ نزول[4] جاننے میں سب سے ممتاز[5] ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کو علماء کی ممتاز صف میں جگہ دیتے تھے۔ یہ سب اسی جاں[6] فشانی کا ثمرہ تھا، ورنہ اگر یہ صاحبزادگی[7] کے زعم[8] میں رہتے، تو یہ مراتب[9] کیسے حاصل ہوتے۔

⑪ علم کی عظمت اور اس کے آداب

خود آقائے نامدار نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جن سے علم حاصل کرو، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ''۔

بخاری میں مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص پڑھنے میں حیا کرے یا تکبر کرے، وہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔

حل لغات: ① انتقال۔ ② حالت۔ ③ افسوس۔ ④ قرآن کی آیتوں کے اترنے کا موقع۔ ⑤ جداء الگ۔ ⑥ کوشش۔ ⑦ بڑے کی اولاد۔ ⑧ گھمنڈ، غرور۔ ⑨ مرتبے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ایک حرف بھی پڑھا دیا، میں اس کا غلام ہوں، خواہ وہ مجھے آزاد کردے یا بیچ دے۔ یحییٰ بن کثیرؒ کہتے ہیں کہ علم تن پروری[1] کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم کو بے دلی اور استغنا[2] کے ساتھ حاصل کرے، وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہاں! جو شخص خاکساری[3] اور تنگ دستی[4] کے ساتھ حاصل کرنا چاہے، وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ مغیرہؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے استاد ابراہیمؒ سے ایسے ڈرتے تھے، جیسا کہ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔ یحییٰ بن معینؒ بہت بڑے محدّث ہیں، امام بخاریؒ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ محدثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے، اتنا کسی دوسرے کو کرتے میں نے نہیں دیکھا۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو استاد کی قدر نہیں کرتا، وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس قصہ میں جہاں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے اساتذہ کے ساتھ تواضع[5] اور انکساری معلوم ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی علم کا شغف[6] اور اہتمام بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس کسی حدیث کا ہونا معلوم ہوتا، فوراً جاتے، اس کو حاصل فرماتے، خواہ اس میں کتنی ہی مشقت، محنت اور تکلیف اُٹھانا پڑتی۔ اور حق یہ ہے کہ بے محنت اور مشقت کے علم تو درکنار، معمولی سی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی اور یہ تو ضرب المثل[7] ہے: "مَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَهِرَ اللَّیَالِیَ" جو شخص بلند مرتبوں کا طالب ہوگا، راتوں کو جاگے گا۔

⑫ متفرق علمی کارنامے

حارث بن یزید، ابن شُبرُمہ، قَعْقاع، مُغیرہ رحمہم اللہ، چاروں حضرات عشاء کی نماز کے بعد علمی بحث شروع کرتے، صبح کی اذان تک ایک بھی جدا نہ ہوتا۔ لیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ امام زہریؒ عشاء کے بعد باوضو بیٹھ کر حدیث کا سلسلہ شروع فرماتے، تو صبح کردیتے۔ [دارمی]

دَراوَردیؒ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کو میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد سے ایک مسئلہ میں بحث شروع فرماتے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ کوئی طعن تشنیع[8] ہوتی، نہ تغلیط[9] اور اسی حالت میں صبح ہوجاتی اور اسی جگہ صبح کی نماز پڑھتے۔ [مقدمہ]

ابنِ فُرات بغدادیؒ ایک محدّث ہیں، جب انتقال ہوا، تو اٹھارہ صندوق[10] کتابوں کے چھوڑے؛ جن میں سے اکثر خود اپنے قلم کی لکھی ہوئی تھیں اور کمال یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک صحت[11] نقل اور عمدگی ضبط[12] کے اعتبار سے ان کا لکھا ہوا حجت[13] بھی ہے۔ ابن جوزیؒ مشہور محدث ہیں، تین سال کی عمر میں باپ نے مفارقت[14] کی، یتیمی کی حالت میں پرورش پائی؛ لیکن محنت کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دُور

حل لغات: (۱) عیش وآرام۔ (۲) بے پرواہی۔ (۳) عاجزی۔ (۴) غربت۔ (۵) عاجزی۔ (۶) شوق۔ (۷) کہاوت۔ (۸) بُرا بھلا کہنا۔ (۹) کسی کو غلط کہنا۔ (۱۰) پیٹی۔ (۱۱) صحیح لکھنا۔ (۱۲) اچھے طریقے سے محفوظ کرنا۔ (۱۳) دلیل۔ (۱۴) انتقال ہوگیا۔

نہیں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں، ڈھائی سو سے زیادہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں۔ کہتے ہیں کہ کوئی وقت ضائع نہیں جاتا تھا، چار جُز روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ درس کا یہ عالم تھا کہ مجلس میں بعض مرتبہ ایک لاکھ سے زیادہ شاگردوں کا اندازہ کیا گیا، اُمَراء[1]، وُزَراء[2]، سلاطین[3] تک مجلسِ درس میں حاضر ہوتے تھے۔ ابن جوزیؒ خود کہتے ہیں کہ ایک لاکھ آدمی مجھ سے بیعت ہوئے اور بیس ہزار میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔ اس سب کے باوجود شیعوں کا زور تھا، اس وجہ سے تکلیفیں بھی اُٹھانا پڑیں۔ [تذکرہ] احادیث لکھنے کے وقت میں قلموں کا تراشہ جمع کرتے رہتے تھے۔ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ صرف غسلِ میت کے پانی گرم کرنے ہی کے لیے کافی نہ تھا، بلکہ گرم کرنے کے بعد بچ بھی گیا تھا۔

یحییٰ بن مَعینؒ حدیث کے مشہور استاذ ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ ابنِ جریر طبریؒ مشہور مؤرخ ہیں، صحابہ ؓ اور تابعین رحمہم اللہ کے احوال[4] کے ماہر، چالیس[5] سال تک ہمیشہ چالیس[6] ورق روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ ان کے انتقال پر شاگردوں نے روزانہ کی لکھائی کا حساب لگایا، تو بلوغ کے بعد سے مرنے تک چودہ ورق روزانہ کا اوسط[7] نکلا۔ ان کی تاریخ مشہور ہے، عام طور سے ملتی ہے، جب اس کی تصنیف[8] کا ارادہ ظاہر کیا، تو لوگوں سے پوچھا کہ تمام عالم کی تاریخ سے تو تم لوگ بہت خوش ہوگے؟ لوگوں نے پوچھا کہ اندازاً کتنی بڑی ہوگی؟ کہنے لگے کہ تقریباً تیس ہزار ورق پر آئے گی۔ لوگوں نے کہا: اس کے پورا کرنے سے پہلے عمریں فنا[9] ہوجائیں گی۔ کہنے لگے کہ إِنَّا لِلّٰہِ ہمتیں پست ہوگئیں۔ اس کے بعد مختصر کیا اور تقریباً تین ہزار[10] ورق پر لکھی۔ اسی طرح ان کی تفسیر کا بھی قصہ ہوا، وہ بھی مشہور ہے اور عام طور سے ملتی ہے۔

دارِ قطنیؒ حدیث کے مشہور مُصنّف ہیں۔ حدیث حاصل کرنے کے لیے بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط، مصر اور شام کا سفر کیا۔ ایک مرتبہ استاذ کی مجلس میں بیٹھے تھے، استاذ پڑھ رہے تھے اور یہ کوئی کتاب نقل کر رہے تھے؛ ایک ساتھی نے اعتراض کیا کہ تم دوسری طرف متوجہ ہو، کہنے لگے کہ میری اور تمہاری توجہ میں فرق ہے۔ بتاؤ استاذ نے اب تک کتنی حدیثیں سنائیں؟ وہ سوچنے لگے، دارقطنیؒ نے کہا کہ شیخ نے اٹھارہ[18] حدیثیں سنائی ہیں، پہلی یہ تھی، دوسری یہ تھی، اسی طرح ترتیب[8] وار سب کی سب مع[9] سند کے سُنادیں۔

حافظ اثرمؒ ایک محدّث ہیں۔ احادیث کے یاد کرنے میں بڑے مشّاق[10] تھے۔ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے، وہاں خراسان کے دو بڑے استاذِ حدیث آئے ہوئے تھے اور حرم شریف میں دونوں علیحدہ علیحدہ

حل لغات: ① مالدار لوگ۔ ② وزیر لوگ۔ ③ بادشاہ۔ ④ حالات۔ ⑤ درمیانی حساب۔ ⑥ لکھنا۔ ⑦ ختم۔ ⑧ ایک کے بعد دوسری۔ ⑨ ساتھ۔ ⑩ ماہر۔

درس دے رہے تھے، ہر ایک کے پاس پڑھنے والوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا، یہ دونوں کے درمیان میں بیٹھ گئے اور دونوں کی حدیثیں ایک ہی وقت میں لکھ ڈالیں۔

عبداللہ بن مبارکؒ مشہور محدّث ہیں۔ حدیثیں حاصل کرنے میں ان کی محنتیں مشہور ہیں۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے چار ہزار[۴۰۰۰] اُستاذوں سے حدیث حاصل کی ہے۔ علی بن الحسنؒ کہتے ہیں کہ ایک رات سخت سردی تھی، میں اور ابن مبارکؒ مسجد سے عشاء کے بعد نکلے، دروازہ پر ایک حدیث میں گفتگو شروع ہوگئی، میں بھی کچھ کہتا رہا، وہ بھی فرماتے رہے۔ وہیں کھڑے کھڑے صبح کی اذان ہوگئی۔ حُمیدیؒ ایک مشہور محدث ہیں، جنھوں نے بخاری اور مسلم کی احادیث کو ایک جگہ جمع بھی کیا ہے، رات بھر لکھتے تھے اور گرمی کے موسم میں جب گرمی بہت ستاتی، تو ایک لگن[۱] میں پانی بھر لیتے اور اس میں بیٹھ کر لکھتے، سب سے الگ رہتے تھے، شاعر بھی ہیں، ان کے شعر ہیں:

لِقَاءُ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيْدُ شَيْئًا ۔۔۔ سِوَى الْهِذْيَانِ مِنْ قِيْلٍ وَّقَالٍ

فَأَقْلِلْ مِنْ لِقَاءِ النَّاسِ إِلَّا ۔۔۔ لِأَخْذِ الْعِلْمِ أَوْ إِصْلَاحِ حَالٍ

ترجمہ: لوگوں کی ملاقات کچھ فائدہ نہیں دیتی، بجز[۲] قیل[۳] وقال کی بکواس کے، اس لیے لوگوں کی ملاقات کم کر، بجز اس کے کہ علم حاصل کرنے کے واسطے استاذ سے یا اصلاحِ نفس کے واسطے کسی شیخ سے ملاقات ہو۔

امام طبرانیؒ مشہور محدث ہیں۔ بہت سی تصانیف فرمائی ہیں۔ کسی نے ان کی کثرتِ[۴] تصانیف کو دیکھ کر پوچھا کہ کس طرح لکھیں؟ کہنے لگے کہ تیس[۳۰] برس بوریے پر گزار دیے، یعنی رات دن بوریے پر پڑے رہتے تھے۔ ابوالعبّاس شیرازیؒ کہتے ہیں کہ میں نے طبرانیؒ سے تین لاکھ[۳۰۰۰۰۰] حدیثیں لکھی ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ بڑی شدت[۵] کے ساتھ ناسخ اور منسوخ احادیث کی تحقیق فرماتے تھے۔ کوفہ جو اس زمانہ میں علم کا گھر کہلاتا تھا، اس میں جتنے محدثین تھے، سب کی احادیث کو جمع فرمایا تھا اور جب کوئی باہر سے محدث آتے، تو شاگردوں کو حکم فرماتے کہ ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہو، جو اپنے پاس نہ ہو تو اس کی تحقیق کرو۔ ایک علمی مجلس امام صاحبؒ کے یہاں تھی، جس میں محدث، فقیہ، اہلِ لغت کا مجمع تھا۔ جب کوئی مسئلہ درپیش[۶] ہوتا، تو اس مجلس میں اس پر بحث ہوتی اور بعض مرتبہ ایک ایک مہینہ بحث رہتی، اس کے بعد جب کوئی بات طے ہوتی، تو وہ مذہب قرار دی جاتی اور لکھ لی جاتی۔

امام ترمذیؒ کے نام سے کون ناواقف ہوگا۔ احادیث کا کثرت سے یاد کرنا اور یاد رکھنا، ان کی خصوصی شان تھی اور قوتِ حافظہ میں ضَرْبُ[۷] المثل تھے۔ بعض محدثین نے اُن کا امتحان لیا اور چالیس[۴۰] حدیثیں ایسی

حل لغات: ① بڑا برتن۔ ② سِوائے۔ ③ اِدھر اُدھر کی بات۔ ④ بہت ساری کتابیں۔ ⑤ بڑی محنت۔ ⑥ پیش آنا۔ ⑦ مشہور۔

سنائیں جو غیر معروف[1] تھیں، امام ترمذیؒ نے فوراً سنادیں۔ خود امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ کے راستے میں ایک شیخ کی احادیث کے دو جُزو نقل کیے تھے، اتفاق سے خود ان شیخ سے ملاقات ہوگئی، میں نے درخواست کی کہ وہ دونوں جُزو احادیث کے، استاذ سے سُن بھی لوں، انھوں نے قبول کرلیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جزو میرے پاس ہیں، مگر استاد کی خدمت میں گیا تو بجائے ان کے دو سادے جُزو ہاتھ میں تھے۔ استاذ نے سنانا شروع کیا اتفاقاً ان کی نظر پڑی تو میرے ہاتھ میں دو سادے جزو تھے، ناراض ہوکر فرمایا: تمہیں شرم نہیں آتی؟ میں نے قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ آپ جو سناتے ہیں وہ مجھے یاد ہوجاتا ہے۔ اُستاد کو یقین نہ آیا، فرمایا: اچھا سناؤ، میں نے سب حدیثیں سنادیں۔ فرمایا کہ یہ تم کو پہلے سے یاد ہوں گی۔ میں نے عرض کیا کہ اور نئی حدیثیں سنا دیجیے، انھوں نے چالیس[40] حدیثیں اور سنادیں میں نے ان کو بھی فوراً سنادیا اور ایک بھی غلطی نہیں کی۔

مُحدِّثینؒ نے جو جو محنتیں احادیث کے یاد کرنے میں، ان کو پھیلانے میں کی ہیں، اُن کا اِتباع تو درکنار؛ ان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ قرطمہؒ ایک مُحدِّث ہیں، زیادہ مشہور بھی نہیں ہیں، ان کے ایک شاگرد داؤدؒ کہتے ہیں کہ لوگ ابوحاتمؒ وغیرہ کے حافظہ کا ذکر کرتے ہیں، میں نے قرطمہؒ سے زیادہ حافظہ نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ میں ان کے پاس گیا، کہنے لگے کہ ان کتب میں سے جونسی دل چاہے اُٹھالو، میں سنادوں گا۔ میں نے کتابُ الاَشربہ اُٹھائی، وہ ہر باب کے اخیر سے اوّل کی طرف پڑھتے گئے اور پوری کتاب سنادی۔

ابوزُرعہؒ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کو دس لاکھ[1000000] حدیثیں یاد تھیں۔ اسحاق بن راہویہؒ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ[100000] حدیثیں میں نے جمع کی ہیں اور تیس ہزار[30000] مجھے ازبر[2] یاد ہیں۔ خُفافؒ کہتے ہیں کہ اسحاقؒ نے گیارہ ہزار[11000] حدیثیں اپنی یاد سے ہمیں لکھوائیں اور پھر ان کو نمبروار سنایا، نہ کوئی حرف کم ہوا، نہ زیادہ۔

اَبوسعد اَصبہانی بغدادیؒ سولہ[16] سال کی عمر میں اَبُونَصرؒ کی احادیث سننے کے لیے بغداد پہونچے، راستے میں اُن کے انتقال کی خبر سنی، بے ساختہ رو پڑے، چیخیں نکل گئیں کہ ان کی سَند کہاں ملے گی؟ اتنا رنج کہ رونے میں چیخیں نکل جائیں، جب ہی ہوسکتا ہے، جب کسی چیز کا عشق ہوجائے۔ ان کو مسلم شریف پوری حفظ یاد تھی اور حفظ ہی طلبہ کو لکھوایا کرتے تھے، گیارہ[11] حج کیے، جب کھانا کھانے بیٹھتے، تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ ابوعمر ضریرؒ پیدائشی نابینا تھے، مگر حُفّاظِ حدیث میں شمار ہے، علم فقہ، تاریخ، فرائض، حساب میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

ابوالحسینؒ اصبہانی کو بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں یاد تھیں، بالخصوص بخاری شریف کا تو یہ حال تھا کہ جو کوئی سَنَد پڑھتا، اس کا مَتن یعنی حدیث پڑھ دیتے اور جو متن پڑھتا، اس کی سند پڑھ دیتے

حل لغات: (۱) جس کو عام طور پر لوگ نہیں جانتے۔ (۲) زبانی۔

تھے۔ شیخ تقی الدین بَعْلَبَکِیؒ نے چار مہینے میں مسلم شریف تمام حفظ کر لی تھی اور جمع بَیْنَ الصَّحِیْحَیْن کے بھی حافظ تھے۔ صاحبِ کرامات بزرگ تھے، قرآن پاک کے بھی حافظ تھے۔ کہتے ہیں کہ سورۂ انعام ساری ایک دن میں حفظ کر لی تھی۔ ابنُ السُّنِّیؒ امام نسائیؒ کے مشہور شاگرد ہیں۔ حدیث لکھنے میں اخیر تک مشغول رہے۔ اُن کے صاحب زادے کہتے ہیں کہ میرے والدؒ نے لکھتے لکھتے دوات میں قلم رکھا اور دونوں ہاتھ دُعا کے واسطے اُٹھائے اور اسی حال میں انتقال ہوگیا۔ علامہ ساجیؒ نے بچپن میں فقہ حاصل کیا، اس کے بعد علم حدیث کا شغل رہا۔ ''ہَرَات'' میں دس۱۰ برس قیام کیا، جس میں چھ۶ مرتبہ ترمذی شریف اپنے ہاتھ سے لکھی۔ ابن مَنْدَہؒ سے غرائبِ شُعبہ پڑھ رہے تھے کہ اسی حال میں ابن مَنْدَہؒ کا عشاء کی نماز کے بعد انتقال ہوا، پڑھنے والے سے پڑھانے والے کا ولولہ علمی ہے کہ اخیر وقت تک پڑھاتے رہے۔

ابوعَمرو خَفَافؒ کو ایک لاکھ۱۰۰۰۰۰ حدیثیں ازبر تھیں۔ امام بخاریؒ کے استاذ عاصم بن علیؒ جب بغداد پہونچے، تو شاگردوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اکثر ایک لاکھ۱۰۰۰۰۰ سے زائد ہوجاتے تھے۔ ایک مرتبہ اندازہ لگایا گیا، تو ایک لاکھ بیس ہزار۱۲۰۰۰۰ ہوئے۔ اسی وجہ سے بعض الفاظ کو کئی کئی مرتبہ کہنا پڑتا۔ ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ کو چودہ۱۴ مرتبہ کہنا پڑا۔ ظاہر بات ہے کہ سوا لاکھ۱۲۵۰۰۰ آدمیوں کو آواز پہونچانے کے واسطے بعض لفظوں کو کئی کئی مرتبہ کہنا ہی پڑے گا۔ ابومُسلِم بَصْرِیؒ جب بغداد پہونچے، تو ایک بڑے میدان میں حدیث کا درس شروع ہوا، سات۷ آدمی کھڑے ہوکر لکھواتے تھے، جس طرح عید کی تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ سبق کے بعد دواتیں شمار کی گئیں تو چالیس۴۰ ہزار سے زیادہ تھیں اور جو لوگ صرف سننے والے تھے وہ ان سے علیٰحدہ۔ فِرَیابِیؒ کی مجلس میں اسی طرح لکھوانے والے تین سو سولہ۳۱۶ تھے، اس سے مجمع کا اندازہ اپنے آپ ہوجاتا ہے۔ اس محنت اور مشقت سے یہ پاک علم آج تک زندہ ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے چھ لاکھ۶۰۰۰۰۰ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے بخاری شریف لکھی ہے، جس میں سات ہزار دو سو پچھتر۷۲۷۵ حدیثیں ہیں اور ہر حدیث لکھتے وقت دو۲ رکعت نفل نماز پڑھ کر حدیث لکھی ہے۔ جب یہ بغداد پہونچے، تو وہاں کے محدثین نے ان کا امتحان لیا؛ اس طرح کہ دس۱۰ آدمی متعین ہوئے، ان میں سے ہر شخص نے دس۱۰ دس۱۰ حدیثیں چھانٹیں، جن کو بدل بدل کر ان سے پوچھا۔ یہ ہر سوال کے جواب میں ''مجھے معلوم نہیں'' کہتے رہے، جب دس۱۰ کے دس۱۰ پوچھ چکے، تو انھوں نے سب سے پہلے پوچھنے والے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے سب سے پہلی حدیث یہ پوچھی تھی، تم نے اس طرح بیان کی یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔ دوسری حدیث یہ پوچھی تھی، وہ اس طرح تم نے بیان کی، یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے، غرض اسی طرح سو۱۰۰ کی سو۱۰۰ حدیثیں ترتیب وار بیان فرمادیں کہ ہر حدیث کو اوّل اس طرح

حل لغات: ① زبانی یاد۔

پڑھتے، جس طرح امتحان لینے والے نے پڑھا تھا، پھر کہتے کہ یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔

امام مسلمؒ نے چودہ[۱۴] برس کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی، اسی میں اخیر تک مشغول رہے۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے تین[۳] لاکھ احادیث میں سے چھانٹ[۱] کر مسلم شریف تصنیف[۱] کی ہے، جس میں بارہ[۱۲] ہزار حدیثیں ہیں۔ امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ[۵] لاکھ احادیث سنی ہیں، جن میں سے انتخاب[۲] کر کے سنن ابوداؤد شریف تصنیف کی ہے، جس میں چار[۴] ہزار آٹھ سو[۸۰۰] حدیثیں ہیں۔ یوسف مزیؒ مشہور محدث ہیں، اسماءِ رجال[۳] کے امام ہیں۔ اول اپنے شہر میں فقہ اور حدیث حاصل کیا، اس کے بعد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، حلب، حماۃ، بعلبک وغیرہ کا سفر کیا۔ بہت سی کتابیں اپنے قلم سے لکھیں۔ ''تہذیب الکمال'' دو سو[۲۰۰] جلدوں میں تصنیف کی اور ''کتاب الأطراف'' اسّی جلدوں سے زیادہ میں۔ ان کی عادتِ شریفہ تھی کہ اکثر چپ رہتے، بات کسی سے بہت ہی کم کرتے تھے، اکثر اوقات کتاب دیکھنے میں مشغول رہتے تھے، حاسدوں کی عداوت[۴] کا شکار بھی بنے؛ مگر انتقام[۵] نہیں لیا۔

ان حضرات کے حالات کا احاطہ دشوار ہے۔ بڑی بڑی کتابیں ان کے حالات اور جاں فشانیوں[۶] کا احاطہ نہیں کرسکیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر چند حضرات کے دو[۲] چار[۴] واقعات کا ذکر اس لیے کیا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ علم حدیث جو آج ساڑھے[۱۳۵۰] تیرہ سو برس تک نہایت آب[۷] و تاب[۷] سے باقی ہے، وہ کس محنت اور جاں فشانی سے باقی رکھا گیا ہے اور جو لوگ علم حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اپنے آپ کو ''طالب علم'' کہتے ہیں، وہ کتنی محنت اور مشقت اس کے لیے گوارا کرتے ہیں۔ اگر ہم لوگ یہ چاہیں کہ ہم اپنی عیش و عشرت، راحت و آرام، سیر و تفریح اور دنیا کے دوسرے مشاغل[۸] میں لگے رہیں اور حضور ﷺ کے پاک کلام کا یہ شیوع[۹] اسی طرح باقی رہے؛ تو ''ایں خیال است و محال است و جنوں'' کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟۔

نوّاں[۹] باب: حضور ﷺ کی فرماں برداری اور امتثالِ حکم[۱۱] اور یہ دیکھنا کہ حضور ﷺ کا منشا[۱۲] مبارک کیا ہے

ویسے تو صحابۂ کرام ؓ کا ہر فعل[۱۳] فرمانبرداری تھا اور گزشتہ قصوں سے بھی یہ بات خوب روشن ہے، لیکن خاص طور پر چند قصے اس باب میں اس لیے ذکر کیے جاتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی حالتوں کا، اس باب سے خاص طور سے مقابلہ کر کے دیکھیں کہ ہم اللہ کی اور اس کے رسول پاک ﷺ کے احکام کی فرماں

حل لغات: ① لکھنا۔ ② چھانٹنا۔ ③ حدیث کے راویوں کی جانچ کا فن۔ ④ دشمنی۔ ⑤ بدلہ۔ ⑥ کوششوں۔ ⑦ چمک دمک۔ ⑧ کاموں۔ ⑨ پھیلنا۔ ⑩ یہ صرف خیال ہے، ناممکن ہے اور پاگل پن ہے۔ ⑪ حکم بجالانا۔ ⑫ چاہت۔ ⑬ کام۔

برداری کہاں تک کرتے ہیں؟ جس پر ہم لوگ ہر وقت اس کے بھی منتظر رہتے ہیں کہ وہ برکات، ترقیات اور ثمرات[1] جو صحابہ کرام ﷺ کو حاصل ہوتے تھے، ہمیں بھی حاصل ہوں؛ اگر واقعی ہم لوگ اس چیز کے متمنّی[2] ہیں، تو ہمیں بھی وہ کرنا چاہیے جو وہ حضرات کر کے دکھلا گئے ہیں۔

① حضرت عبداللہ بن عَمرو ﷺ کا چادر کو جلا دینا

حضرت عبداللہ بن عَمرو بن العاص ﷺ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے اوپر ایک چادر تھی، جو کُسُم[3] کے رنگ میں ہلکی سی رنگی ہوئی تھی، حضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: یہ کیا اوڑھ رکھا ہے؟ مجھے اس سوال سے حضور ﷺ کی ناگواری کے آثار معلوم ہوئے، گھر والوں کے پاس واپس ہوا، تو انھوں نے چولھا جلا رکھا تھا، میں نے وہ چادر اس میں ڈال دی۔ دوسرے روز جب حاضری ہوئی، تو حضور ﷺ نے فرمایا: وہ چادر کیا ہوئی؟ میں نے قصہ سنا دیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنا دی؟ عورتوں کے پہننے میں تو مضائقہ[4] نہ تھا۔ [ابوداؤد]

فائدہ: اگرچہ چادر کے جلا دینے کی ضرورت نہ تھی، مگر جس کے دل میں کسی کی ناگواری اور ناراضی کی چوٹ لگی ہوئی ہو، وہ اتنی سوچ کا متحمل[5] ہی نہیں ہوتا کہ اس کی کوئی اور صورت بھی ہو سکتی ہے۔ ہاں! مجھ جیسا نالائق ہوتا، تو نہ معلوم کتنے احتمالات[6] پیدا کر لیتا کہ یہ ناگواری کس درجہ کی ہے اور دریافت تو کر لوں اور کوئی صورت اجازت کی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور حضور ﷺ نے پوچھا ہی تو ہے، منع تو نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

② انصاری کا مکان کو ڈھا دینا

حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ دولت[7] کدہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک قُبّہ (گنبد دار حُجرہ) دیکھا، جو اونچا بنا ہوا تھا۔ ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری نے قُبّہ بنایا ہے۔ حضور ﷺ سن کر خاموش ہو رہے۔ کسی دوسرے وقت وہ انصاری حاضرِ خدمت ہوئے اور سلام کیا، حضور ﷺ نے اِعراض[8] فرمایا، سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ انھوں نے اس خیال سے کہ شاید خیال نہ ہوا ہو، دوبارہ سلام کیا، حضور اقدس ﷺ نے پھر بھی اعراض فرمایا اور جواب نہیں دیا، وہ اس کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے؟ صحابہ ﷺ سے جو وہاں موجود تھے، دریافت کیا، پوچھا، تحقیق کیا کہ میں آج حضور ﷺ کی نظروں کو پھرا ہوا پاتا ہوں، خیر تو ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضور ﷺ باہر تشریف لے گئے تھے، راستے میں تمہارا قُبّہ دیکھا تھا اور دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ یہ سن کر وہ انصاری فوراً گئے اور اس کو توڑ کر ایسا زمین کی برابر کر دیا کہ نام و نشان بھی نہ رہا اور پھر آ کر عرض بھی نہیں کیا۔ اتفاقاً حضور ﷺ ہی کا اس جگہ کسی دوسرے موقع پر گزر ہوا، تو دیکھا کہ وہ

حل لغات: ① فائدے۔ ② تمنا کرنے والے، خواہش کرنے والے۔ ③ ایک سرخ رنگ کا پھول جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔ ④ حرج۔ ⑤ برداشت کرنے والا۔ ⑥ شک و شبہ۔ ⑦ مکان۔ ⑧ منہ پھیر لیا۔

قُبّہ وہاں نہیں ہے۔ دریافت فرمایا۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ انصاری نے آنحضرت ﷺ کے اِعْراض کا، کئی روز ہوئے ذکر کیا تھا، ہم نے کہہ دیا تھا کہ تمہارا قُبّہ دیکھا ہے، انھوں نے آکر اس کو بالکل توڑ دیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر تعمیر[1] آدمی پر وبال ہے، مگر وہ تعمیر جو سخت ضرورت اور مجبوری کی ہو۔ [ابوداؤد]

فائدہ: یہ کمالِ عشق کی باتیں ہیں، ان حضرات کو اس کا تحمل ہی نہیں تھا کہ چہرۂ انور کو رنجیدہ[2] دیکھیں یا کوئی شخص اپنے سے حضور ﷺ کی گرانی[3] کو محسوس کرے۔ اُن صحابی نے قُبّہ کو گرایا اور پھر یہ بھی نہیں کہ گرانے کے بعد جتانے کے طور پر آکر کہتے کہ آپ کی خوشی کے واسطے گرادیا، بلکہ جب حضور ﷺ کا خود ہی اتفاق سے اُدھر کو تشریف لے جانا ہوا، تو ملاحظہ[4] فرمایا۔ حضور ﷺ کو تعمیر میں روپے کا ضائع کرنا خاص طور سے ناگوار[5] تھا۔ بہت سی احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ خود ازواجِ مُطہّرات کے مکانات کھجور کی ٹہنیوں کے بنے[6] تھے، جن پر ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے، تاکہ اجنبی نگاہ اندر نہ جاسکے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کہیں سفر میں تشریف لے گئے، حضرت اُم سلمہ ؓ کو کچھ ثروت[7] حاصل تھی، انھوں نے اپنے مکان پر بجائے ٹٹوں کے کچّی اینٹیں لگالیں۔ واپسی پر جب حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا، تو دریافت کیا کہ یہ کیا کیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ اس میں بے پردگی کا احتمال[8] رہتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بدترین چیز جس میں آدمی کا روپیہ خرچ ہو، تعمیر ہے۔ عبداللہ بن عمرو ؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مَیں اور میری والدہ اپنے مکان کی ایک دیوار کو جو خراب ہوگئی تھی، درست کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ موت اس دیوار کے گرنے سے زیادہ قریب ہے۔ [ابوداؤد]

۳ صحابہ ؓ کا سُرخ[9] چادروں کو اُتارنا

حضرت رافع ؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ سفر میں حضور اقدس ﷺ کے ہمرکاب[10] تھے اور ہمارے اونٹوں پر چادریں پڑی ہوئی تھیں، جن میں سرخ ڈورے[11] تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ یہ سرخی تم پر غالب ہوتی جاتی ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ہم لوگ ایک دم ایسے گھبرا کے اُٹھے کہ ہمارے بھاگنے سے اونٹ بھی اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور ہم نے فوراً سب چادریں اونٹوں سے اتارلیں۔ [ابوداؤد]

فائدہ: صحابۂ کرام ؓ کی زندگی میں اس قسم کے واقعات کوئی اہمیت نہیں رکھتے، ہاں ہماری زندگی کے اعتبار سے ان پر تعجب ہوتا ہے۔ اُن حضرات کی عام زندگی ایسی ہی تھی۔ عُروہ بن مسعود ؓ جب صُلحِ حُدَیبیہ میں جس کا قصہ باب:۱ رکے:۳۰ پر گزرا، کفّار کی طرف سے قاصد کی حیثیت سے آئے تھے، تو مسلمانوں کی حالت کا بڑی غور سے مطالعہ کیا تھا اور مکّہ واپس جاکر کفّار سے کہا تھا کہ میں بڑے بڑے بادشاہوں کے

حل لغات: ① عمارت۔ ② ناراض۔ ③ ناراضگی۔ ④ دیکھا۔ ⑤ ناپسند۔ ⑥ کھجور کی ٹہنیوں سے بنے ہوئے چھپر۔ ⑦ مالداری۔ ⑧ خوف۔ ⑨ لال رنگ۔ ⑩ ساتھ۔ ⑪ دھاگے۔

یہاں قاصد[1] بن کر گیا ہوں، فارس و رُوم اور حبشہ کے بادشاہوں سے ملا ہوں، میں نے کسی بادشاہ کے یہاں یہ بات نہیں دیکھی کہ اس کے درباری، اس کی اس قدر تعظیم[2] کرتے ہوں، جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت اُن کی تعظیم کرتی ہے، کبھی اُن کا بلغم زمین پر نہیں گرنے دیتی، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو منہ اور بدن پر مَل لیتا ہے، جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو ہر شخص دوڑتا ہے کہ تعمیل کرے، جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی بدن پر ملنے اور لینے کے واسطے ایسے دوڑتے ہیں، گویا آپس میں جنگ[3] و جدل ہو جاوے گا اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب چُپ ہو جاتے ہیں، کوئی شخص ان کی طرف عظمت[4] کی وجہ سے نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

④ حضرت وائل ﷺ کا ذُباب کے لفظ سے بال کٹوا دینا

وائل بن حُجر ﷺ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا، میرے سر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے، میں سامنے آیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذُباب ذُباب. میں یہ سمجھا کہ میرے بالوں کو ارشاد فرمایا۔ میں واپس گیا اور ان کو کٹوا دیا۔ جب دوسرے دن خدمت میں حاضری ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا، لیکن یہ اچھا کیا۔ [ابوداؤد]

فائدہ: ذُباب کے معنیٰ منحوس کے بھی ہیں اور بُری چیز کے بھی، یہ اشاروں پر مرمٹنے کی بات ہے کہ منشا[5] سمجھنے کے بعد خواہ وہ غلط ہی سمجھا ہو، اس کی تعمیل[6] میں دیر نہ ہوتی تھی۔ یہاں حضور ﷺ نے ارشاد ہی فرما دیا کہ تم کو نہیں کہا تھا، مگر یہ چونکہ اپنے متعلق سمجھے، اس لیے کیا مجال تھی کہ دیر ہوتی۔

ابتدائے[7] اسلام میں نماز میں بولنا جائز تھا، پھر منسوخ[8] ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ حاضرِ خدمت ہوئے، حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، انھوں نے حسبِ[9] معمول سلام کیا، چونکہ نماز میں بولنا منسوخ ہو چکا تھا، حضور نے جواب نہ دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے جواب نہ دینے سے نئی اور پرانی باتیں یاد آ کر مختلف خیالات نے مجھے آگھیرا، کبھی سوچتا: فلاں بات سے ناراضی ہوئی، کبھی خیال کرتا کہ فلاں بات پیش آئی۔ آخر حضور ﷺ نے جب سلام پھیرا اور ارشاد فرمایا کہ نماز میں کلام کرنا منسوخ ہو گیا ہے، اس لیے میں نے سلام کا جواب نہیں دیا تھا، تب جان میں جان[10] آئی۔

⑤ حضرت سُہیل بن حنظلیہ ﷺ کی عادت اور خُرَیم ﷺ کا بال کٹوا دینا

دمشق میں سہیل بن حنظلیہ ﷺ نامی ایک صحابی رہا کرتے تھے، جو نہایت یکسو[11] تھے، بہت کم کسی سے ملتے جلتے تھے اور کہیں آتے جاتے نہ تھے، دن بھر نماز میں مشغول رہتے یا تسبیح اور وظائف میں، مسجد میں آتے جاتے۔ راستے میں حضرت ابُوالدَّرداء ﷺ پر جو مشہور صحابی ہیں؛ گذر

حل لغات: ① پیغام لے جانے والا۔ ② عزت۔ ③ لڑائی جھگڑا۔ ④ بزرگی۔ ⑤ چاہت۔ ⑥ حکم پورا کرنا۔ ⑦ شروع۔ ⑧ ختم۔ ⑨ عادت کے مطابق۔ ⑩ اطمینان ہوا۔ ⑪ لوگوں سے الگ رہنے والے۔

ہوتا۔ ابوالدرداء ؓ فرماتے کہ کوئی کلمۂ خیر سناتے جاؤ، تمہیں کوئی نقصان نہیں، ہمیں نفع ہو جائے گا، تو وہ کوئی واقعہ حضور ﷺ کے زمانہ کا یا کوئی حدیث سنا دیتے۔ ایک مرتبہ اسی طرح جا رہے تھے۔ ابوالدرداء ؓ نے معمول کے موافق درخواست کی کہ کوئی کلمۂ خیر سناتے جائیں۔ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خُرَیم اَسَدی اچھا آدمی ہے، اگر دو باتیں نہ ہوں، ایک: سر کے بال بہت بڑھے رہتے ہیں، دوسرے: لنگی ٹخنوں سے نیچے باندھتا ہے۔ ان کو حضور ﷺ کا یہ ارشاد پہونچا، فوراً چاقو لے کر بال کانوں کے نیچے سے کاٹ دیے اور لنگی آدھی پنڈلی تک باندھنا شروع کر دی۔ [ابوداؤد]

فائدہ: بعض روایات میں آیا ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ نے ان سے ان دونوں باتوں کو ارشاد فرمایا اور انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ اب سے نہ ہوں گی، مگر دونوں روایتوں میں کچھ اشکال[1] نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ خود ان سے بھی ارشاد فرمایا ہو اور غیبت[2] میں بھی ارشاد فرمایا ہو، جو سننے والے نے ان سے جا کر عرض کر دیا۔

⑥ حضرت ابن عمر ؓ کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو۔ ابنِ عمر ؓ کے ایک صاحبزادہ نے عرض کیا کہ ہم تو اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ اس کو آئندہ چل کر بہانہ بنالیں گی آزادی اور فساد و آوارگی[3] کا۔ حضرت ابنِ عمر ؓ بہت ناراض ہوئے، برا بھلا کہا اور فرمایا کہ میں تو حضور ﷺ کا ارشاد سناؤں اور تو کہے کہ اجازت نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے ان صاحبزادہ سے بولنا چھوڑ دیا۔ [مسلم، ابوداؤد]

فائدہ: صاحبزادہ کا یہ کہنا کہ فساد کا حیلہ[4] بنالیں گی، اپنے زمانہ کی حالت کو دیکھ کر تھا۔ اسی وجہ سے خود حضرت عائشہ ؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ اگر حضور ﷺ اس زمانہ کی عورتوں کا حال دیکھتے، تو ضرور عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے، حالانکہ حضرت عائشہ ؓ کا زمانہ حضور اقدس ﷺ کے کچھ زیادہ بعد کا نہیں، لیکن اس کے باوجود حضرت ابنِ عمر ؓ کو اس کا تحمّل[5] نہیں ہو سکا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کو سن کر اس میں کوئی تردّد[6] یا تأمّل[7] کیا جائے اور صرف اس بات پر کہ حضور ﷺ کے ارشاد پر انھوں نے انکار کیا، عمر بھر نہیں بولے۔ اور حضرات صحابۂ کرام ؓ کو بھی اس میں دِقّتیں[8] اٹھانا پڑیں کہ حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد کی اہمیت کی وجہ سے، جو ان کی جان تھی؛ مسجد سے روکنا بھی مشکل تھا اور زمانہ کے فساد کی وجہ سے جس کا اندیشہ اُسی وقت سے شروع ہو گیا تھا، اجازت بھی مشکل تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ ؓ جن کے کئی نکاح ہوئے، جن میں سے حضرت عمر ؓ سے بھی ہوا، وہ مسجد میں تشریف لے جاتی تھیں اور حضرت عمر ؓ کو

حل لغات: ① اعتراض۔ ② غیر موجودگی۔ ③ بے حیائی۔ ④ بہانہ۔ ⑤ انکار۔ ⑥ سوچ بچار۔ ⑦ مشکلیں۔

گراں[1] ہوتا تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ عمر ﷺ کو گراں ہوتا ہے، انھوں نے کہا کہ اگر ان کو گراں ہے، تو منع کردیں۔ حضرت عمر ﷺ کے وِصال[2] کے بعد حضرت زبیر ﷺ سے نکاح ہوا، اُن کو بھی یہ چیز گراں تھی، مگر روکنے کی ہمت نہ ہوئی، تو ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے لیے یہ جہاں کو جاتی تھیں راستہ میں بیٹھ گئے اور جب یہ پاس کو گزریں تو ان کو چھیڑا، خاوند تھے اس لیے ان کو تو جائز تھا ہی، مگر ان کو خبر نہ ہوئی، اندھیرا تھا کہ یہ کون ہیں؟ اس کے بعد سے انھوں نے جانا چھوڑ دیا۔ دوسرے وقت حضرت زبیر ﷺ نے پوچھا کہ مسجد میں کیوں جانا چھوڑ دیا؟ کہنے لگیں کہ اب زمانہ نہیں رہا۔

⑦ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کہ نمازِ قصر قرآن میں نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن شریف میں مقیم کی نماز کا بھی ذکر ہے اور خوف کی نماز کا بھی، مسافر کی نماز کا ذکر نہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ برادر[3] زادہ! اللہ جلّ شانہٗ نے حضور اقدس ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا، ہم لوگ انجان تھے، کچھ نہیں جانتے تھے، بس جو ہم نے اُن کو کرتے دیکھا ہے وہ کریں گے۔ [شفا]

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا صراحۃً[4] قرآن شریف میں ہونا ضروری نہیں، عمل کے واسطے حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہوجانا کافی ہے۔ خود حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے قرآن شریف عطا ہوا اور اس کے برابر اور احکام دیے گئے، عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ پیٹ بھرے لوگ اپنے گدّوں پر بیٹھ کر کہیں گے کہ بس قرآن شریف کو مضبوط پکڑلو، جو اس میں احکام ہیں ان پر عمل کرو۔ [ابوداؤد]

فائدہ: پیٹ بھرے سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے فاسد[5] خیال، دولت کے نشہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

⑧ حضرت ابنِ مُغَفَّل ﷺ کا خَذف کی وجہ سے کلام چھوڑ دینا

عبداللہ بن مُغَفَّل ﷺ کا ایک نوعمر بھتیجا[3] ''خَذف'' سے کھیل رہا تھا۔ انھوں نے دیکھا اور فرمایا کہ برادر زادہ! ایسا نہ کرو، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے فائدہ کچھ نہیں، نہ شکار ہوسکتا ہے، نہ دشمن کو نقصان پہونچایا جاسکتا ہے اور اتفاقاً کسی کے لگ جائے تو آنکھ پھوٹ جائے، دانت ٹوٹ جائے۔ بھتیجا کم عمر تھا، اس نے جب چچا کو غافل دیکھا تو پھر کھیلنے لگا، انھوں نے دیکھ لیا، فرمایا کہ میں تجھے حضور ﷺ کا ارشاد سناتا ہوں، تو پھر اسی کام کو کرتا ہے، خدا کی قسم! تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا، ایک دوسرے قصہ میں اس کے بعد ہے: خدا کی قسم! نہ تیرے جنازہ میں شریک ہوں گا، نہ تیری عیادت[6] کروں گا۔ [ابن ماجہ، دارمی]

فائدہ: ''خذف'' اس کو کہتے ہیں کہ انگوٹھے پر چھوٹی سی کنکری رکھ کر اس کو انگلی سے پھینک دیا جائے۔

حل لغات: ① ناپسند۔ ② انتقال۔ ③ بھتیجا۔ ④ صاف صاف۔ ⑤ غلط۔ ⑥ بیمار کی دیکھ بھال۔

بچوں میں عام طور سے اس طرح کھیلنے کا مرض ہوتا ہے، وہ ایسا تو ہوتا نہیں کہ اس سے شکار ہو سکے، ہاں آنکھ میں کسی کے اتفاقاً لگ جائے تو اُس کو زخمی کر ہی دے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ کو اس کا تحمل[1] نہ ہو سکا کہ حضور ﷺ کا ارشاد سنانے کے بعد بھی، وہ بچہ اس کام کو کرے۔ ہم لوگ صبح سے شام تک حضور ﷺ کے کتنے ارشادات سنتے ہیں اور ان کا کتنا اہتمام کرتے ہیں؟ ہر شخص خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے۔

⑨ حضرت حکیم بن حزام ؓ کا سوال سے عہد

حکیم بن حزام ؓ ایک صحابی ہیں، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ طلب کیا، حضور ﷺ نے عطا فرمایا، پھر کسی موقع پر کچھ مانگا، حضور ﷺ نے پھر مرحمت[2] فرما دیا، تیسری دفعہ پھر سوال کیا، حضور ﷺ نے عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ حکیم! یہ مال سبز[3] باغ ہے، ظاہر میں بڑی میٹھی چیز ہے، مگر اس کا دستور[4] یہ ہے کہ اگر یہ دل کے استغنا[5] سے ملے، تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر طمع اور لالچ سے حاصل ہو، تو اس میں برکت نہیں ہوتی، ایسا ہو جاتا ہے (جیسے جُوعُ البَقَر کی بیماری ہو) کہ ہر وقت کھائے جائے اور پیٹ نہ بھرے۔ حکیم ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے بعد اب کسی کو نہیں ستاؤں گا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حکیم ؓ کو بیت المال سے کچھ عطا فرمانے کا ارادہ کیا، انھوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بار بار اصرار کیا، مگر انھوں نے انکار ہی فرما دیا۔ [بخاری]

فائدہ: یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں کے مالوں میں برکت نہیں ہوتی کہ لالچ اور طمع میں گھرے رہتے ہیں۔

⑩ حضرت حذیفہ ؓ کا جاسوسی کے لیے جانا

حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں ہماری ایک طرف تو مکّہ کے کفار اور اُن کے ساتھ دوسرے کافروں کے بہت سے گروہ تھے، جو ہم پر چڑھائی کر کے آئے تھے اور حملہ کے لیے تیار تھے، اور دوسری طرف خود مدینہ منوّرہ میں بنُو قُرَیظہ کے یہود ہماری دشمنی پر تُلے ہوئے تھے، جن سے ہر وقت اندیشہ تھا کہ کہیں مدینہ منورہ کو خالی دیکھ کر وہ ہمارے اہل وعیال کو بالکل ختم نہ کر دیں۔ ہم لوگ مدینہ منورہ سے باہر لڑائی کے سلسلہ میں پڑے ہوئے تھے۔ منافقوں کی جماعت گھر کے خالی اور تنہا ہونے کا بہانہ کر کے اجازت لے کر اپنے گھروں کو واپس جا رہی تھی اور حضور اقدس ﷺ ہر اجازت مانگنے والے کو اجازت مرحمت فرما دیتے تھے۔ اسی دوران میں ایک رات آندھی اس قدر شدت[6] سے آئی کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنی آئی، نہ اس کے بعد، اندھیرا اس قدر زیادہ کہ آدمی کو پاس والا آدمی تو کیا، اپنا ہاتھ بھی نظر نہ آتا تھا اور ہَوا اتنی سخت کہ اس کا شور بجلی کی طرح گرج رہا تھا۔ منافقین اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ہم

حل لغات: (۱) برداشت۔ (۲) دینا۔ (۳) ہرا بھرا۔ (۴) قاعدہ۔ (۵) بے پروائی۔ (۶) تیزی۔

تین سو[۳] کا مجمع اسی جگہ تھا، حضور اقدس ﷺ ایک ایک کا حال دریافت فرمارہے تھے اور اس اندھیری میں ہر طرف تحقیقات فرمارہے تھے۔ اتنے میں میرے پاس کو حضور ﷺ کا گزر ہوا، میرے پاس نہ تو دشمن سے بچاؤ کے واسطے کوئی ہتھیار، نہ سردی سے بچاؤ کے لیے کوئی کپڑا، صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی جو اوڑھنے میں گھٹنوں تک آتی تھی اور وہ بھی میری نہیں، بیوی کی تھی؛ میں اس کو اوڑھے ہوئے گھٹنوں کے بَل زمین سے چمٹا ہوا بیٹھا تھا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: حذیفہ، مگر مجھ سے سردی کے مارے اٹھا بھی نہ گیا اور شرم کے مارے زمین سے چمٹ گیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کے جتھے[۱] میں جا کر ان کی خبر لا کہ کیا ہو رہا ہے؟ میں اس وقت گھبراہٹ، خوف اور سردی کی وجہ سے سب سے زیادہ خستہ[۲] حال تھا، مگر تعمیلِ ارشاد[۳] میں اُٹھ کر فوراً چل دیا، جب میں جانے لگا تو حضور ﷺ نے دعا دی: اَللّٰھُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَمِنْ فَوْقِهٖ وَمِنْ تَحْتِهٖ "یا اللہ! آپ اس کی حفاظت فرمائیں سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے"۔ حذیفہ ؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا، گویا مجھ سے خوف اور سردی بالکل ہی جاتی رہی اور ہر ہر قدم پر یہ معلوم ہوتا تھا، گویا گرمی میں چل رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے چلتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی حرکت نہ کر کے آئیو، چپ چاپ دیکھ کر آجاؤ کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں وہاں پہونچا، تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے اور لوگ سینک رہے ہیں، ایک شخص آگ پر ہاتھ سینکتا ہے اور کوہنی[۴] پر پھیرتا ہے اور ہر طرف سے "واپس چل دو، واپس چل دو" کی آوازیں آرہی ہیں، ہر شخص اپنے قبیلہ والوں کو آواز دے کر کہتا ہے کہ واپس چلو اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے چاروں طرف سے پتھر ان کے خیموں پر برس رہے تھے، خیموں کی رسیاں ٹوٹتی جاتی تھیں اور گھوڑے وغیرہ جانور ہلاک ہو رہے تھے، ابوسفیان جو ساری جماعتوں کا اس وقت گویا سردار بن رہا تھا، آگ پر سینک رہا تھا، میرے دل میں آیا کہ موقع اچھا ہے اس کو گھُٹنا تا چلوں، ترکش[۵] سے تیر نکال کر کمان[۶] میں بھی رکھ لیا، مگر پھر حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا کوئی حرکت نہ کیجیو، دیکھ کر چلے آنا، اس لیے میں نے تیر کو ترکش میں رکھ دیا، ان کو شبہ ہو گیا، کہنے لگے: تم میں کوئی جاسوس ہے، ہر شخص اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ لے، میں نے جلدی سے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا: تو کون؟ وہ کہنے لگا سبحان اللہ! تو مجھے نہیں جانتا؟ میں فلاں ہوں، میں وہاں سے واپس آیا، جب آدھے راستہ پر تھا، تو تقریباً بیس[۲۰] سوار عمامہ باندھے ہوئے مجھے ملے، انھوں نے کہا: اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اللہ نے دشمنوں کا انتظام کر دیا، بے فکر رہیں، میں واپس پہونچا تو حضور ﷺ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے، یہ ہمیشہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کی بات پیش آتی، تو حضور ﷺ نماز کی طرف متوجہ ہو جایا

حل لغات: (۱) مجمع۔ (۲) پریشان۔ (۳) حکم پورا کرنا۔ (۴) پیٹ۔ (۵) تیر رکھنے کے تھیلے۔ (۶) تیر چلانے کا آلہ۔

کرتے تھے، نماز سے فراغت پر میں نے وہاں کا جو منظر دیکھا تھا عرض کر دیا، جاسوس کا قصہ سن کر دندانِ مبارک چمکنے لگے، حضور ﷺ نے مجھے اپنے پاؤں مبارک کے قریب لٹالیا اور اپنی چادر کا ذرا سا حصہ مجھ پر ڈال دیا، میں نے اپنے سینے کو حضور ﷺ کے تلوؤں سے چمٹالیا۔ [درمنثور]

فائدہ: ان ہی حضرات کا یہ حصہ تھا اور ان ہی کو زیبا[1] تھا کہ اس قدر سختیوں اور دِقتوں[2] کی حالت میں بھی تعمیلِ ارشاد، تن من، جان مال، سب سے زیادہ عزیز تھی، اللہ جلّ شانہٗ بلا استحقاق[3] اور بلا اہلیت[4] مجھ ناپاک کو بھی ان کے اِتباع کا کوئی حصہ نصیب فرمادیں، تو زہے قسمت۔

دسواں باب: عورتوں کا دینی جذبہ

حقیقت یہ ہے کہ اگر عورتوں میں دین کا شوق اور نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہو جائے، تو اولاد پر اس کا اثر ضروری ہے، اس کے برخلاف ہمارے زمانہ میں اولاد کو شروع ہی سے ایسے ماحول میں رکھا جاتا ہے، جس میں اس پر دین کے خلاف اثر پڑے یا کم از کم یہ کہ دین کی طرف سے بے توجہی پیدا ہو جائے، جب ایسے ماحول میں ابتدائی[5] زندگی گذرے گی، تو اس سے جو نتائج پیدا ہوں گے، وہ ظاہر ہیں۔

① تسبیحاتِ حضرت فاطمہ ؓ

حضرت علی ؓ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا اور فاطمہ ؓ کا، جو حضور ﷺ کی سب سے زیادہ لاڈلی بیٹی تھیں، قصہ سناؤں؟ شاگرد نے کہا: ضرور، فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے چکّی پیستی تھیں، جس کی وجہ سے ہاتھ میں نشان پڑ گئے تھے اور خود پانی کی مشک بھر کر لاتی تھیں، جس کی وجہ سے سینے پر مشک کی رسّی کے نشان پڑ گئے تھے اور گھر کی جھاڑو وغیرہ بھی خود ہی دیتی تھیں، جس کی وجہ سے تمام کپڑے میلے کچیلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کچھ غلام باندیاں آئیں، میں نے فاطمہ سے کہا کہ تم بھی جا کر حضور ﷺ سے ایک خدمتگار[6] مانگ لو، تاکہ تم کو کچھ مدد مل جاوے، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، وہاں مجمع تھا اور شرم مزاج میں بہت زیادہ تھی، اس لیے شرم کی وجہ سے سب کے سامنے باپ سے بھی مانگتے ہوئے شرم آئی، واپس آگئیں، دوسرے دن حضور اقدس ﷺ خود تشریف لائے، ارشاد فرمایا کہ فاطمہ! کل تم کس کام کے لیے گئی تھیں، وہ شرم کی وجہ سے چُپ ہوگئیں، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان کی یہ حالت ہے کہ چکّی کی وجہ سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے اور مشک کی وجہ سے سینہ پر رسّی کے نشان ہو گئے، ہر وقت کے کاروبار کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے ہیں، میں نے ان سے کل کہا تھا کہ آپ کے پاس خادم آئے ہوئے

حل لغات: ① لائق۔ ② پریشانیوں۔ ③ بغیر حق کے۔ ④ بغیر صلاحیت کے۔ ⑤ شروع کی۔ ⑥ خادم، نوکر۔

ہیں، ایک یہ بھی مانگ لیں، اس لیے گئی تھیں۔ بعض روایات میں آیا ہے: حضرت فاطمہ ؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے اور علی کے پاس ایک ہی بستر ہے اور وہ بھی مینڈھے کی ایک کھال ہے، رات کو اس کو بچھا کر سو جاتے ہیں، صبح کو اُسی پر گھاس دانہ ڈال کر اونٹ کو کھلاتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹی صبر کر، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی بیوی کے پاس دس برس تک ایک ہی بچھونا (بستر ہ) تھا، وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چُونغہ تھا، رات کو اسی کو بچھا کر سو جاتے تھے، تُو تقویٰ حاصل کر اور اللہ سے ڈر اور اپنے پروردگار کا فریضہ ادا کرتی رہ اور گھر کے کاروبار کو انجام دیتی رہ اور جب سونے کے واسطے لیٹا کرے، تو سبحان اللہ تینتیس ۳۳ مرتبہ، الحمدللہ تینتیس ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر چونتیس ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کر، یہ خادم سے زیادہ اچھی چیز ہے۔ حضرت فاطمہ ؓ نے عرض کیا: میں اللہ سے اور اس کے رسول سے راضی ہوں۔ [ابوداؤد]

فائدہ: یعنی جو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی رضا میرے بارے میں ہو، مجھے بخوشی منظور ہے، یہ تھی زندگی دو جہان کے بادشاہ کی بیٹی کی، آج ہم لوگوں میں سے کسی کے پاس دو پیسہ ہو جائیں، تو اس کے گھر والے گھر کا کام کاج درکنار، اپنا کام بھی نہ کرسکیں، پاخانہ میں لوٹا بھی ماما ہی رکھ کر آئے، اس واقعہ میں جو اوپر ذکر کیا گیا، صرف سونے کے وقت کا ذکر ہے۔ دوسری حدیثوں میں ہر نماز کے بعد تینتیس ۳۳ مرتبہ یہ تینوں کلمے اور ایک مرتبہ "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ، لَاشَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" بھی آیا ہے۔

۴ حضرت عائشہ ؓ کا صدقہ

حضرت عائشہ ؓ کی خدمت میں دو ۲ گونیں درہموں کی بھر کر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ ۱۰۰۰۰۰ سے زیادہ درہم تھے، حضرت عائشہ ؓ نے طبّاق ۳ منگایا اور ان کو بھر بھر کر تقسیم فرمانا شروع کر دیا اور شام تک سب ختم کر دیے، ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑا، خود روزہ دار تھیں، افطار کے وقت باندی سے کہا کہ افطار کے لیے کچھ لے آؤ، وہ ایک روٹی اور زیتون کا تیل لائیں اور عرض کرنے لگیں: کیا اچھا ہوتا کہ ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیتیں، آج ہم روزہ گوشت سے افطار کر لیتے، فرمانے لگیں: اب طعن ۴ دینے سے کیا ہو، اس وقت یاد دلاتی تو میں منگا لیتی۔ [تذکرہ]

فائدہ: حضرت عائشہ ؓ کی خدمت میں اس نوع ۵ کے نذرانے، امیر مُعاویہ ؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ وغیرہ حضرات کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے، کیونکہ وہ زمانہ فُتُوحات ۶ کی کثرت کا تھا، مکانوں میں غلّہ کی طرح سے اشرفیوں کے اَنبار ۷ پڑے رہتے تھے اور اس کے باوجود اپنی زندگی نہایت سادہ اور نہایت معمولی گزاری جاتی تھی، حتیٰ کہ افطار کے واسطے بھی ماما کے یاد دِلانے کی ضرورت تھی۔ پچیس ہزار ۲۵۰۰۰

حل لغات: (۱) جُبّہ۔ (۲) خادم۔ (۳) بڑی تھالی۔ (۴) ملامت کرنا۔ (۵) قسم، طرح۔ (۶) آمدنیوں، وُسعت۔ (۷) ڈھیر۔

روپے کے قریب تقسیم کر دیا اور یہ بھی خیال نہ آیا کہ میرا روزہ ہے اور گوشت بھی منگانا ہے۔ آج کل اس قسم کے واقعات اتنے دور ہو گئے ہیں کہ خود واقعہ کے سچا ہونے میں تردّد[1] ہونے لگا، لیکن اس زمانہ کی عام زندگی جن لوگوں کی نظر میں ہے، اُن کے نزدیک یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات کچھ بھی تعجب کی چیز نہیں۔ خود حضرت عائشہ ؓ کے بہت سے واقعات اس کے قریب قریب ہیں۔ ایک دفعہ روزہ دار تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا، ایک فقیر نے آکر سوال کیا، خادمہ سے فرمایا کہ وہ روٹی اس کو دے دو، اس نے عرض کیا کہ افطار کے لیے گھر میں کچھ بھی نہیں، فرمایا: کیا مضائقہ[2] ہے؟ وہ روٹی اس کو دے دو، اس نے دے دی۔ [موطا] ایک مرتبہ ایک سانپ مار دیا، خواب میں دیکھا: کوئی کہتا ہے کہ تم نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ فرمایا: اگر وہ مسلمان ہوتا، تو حضور ﷺ کی بیویوں کے یہاں نہ آتا، اس نے کہا: مگر پردے کی حالت میں آیا تھا، اس پر گھبرا کر آنکھ کھل گئی اور بارہ ہزار[12000] درہم، جو ایک آدمی کا خون بہا[3] ہوتے ہیں، صدقہ کیے۔ عُرْوَہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ستر ہزار[70000] درہم صدقہ کیے اور اپنے کرتہ میں پیوند[4] لگ رہا تھا۔ [طبقات]

۳ حضرت ابن زبیر ؓ کا حضرت عائشہ ؓ کو صدقہ سے روکنا

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ حضرت عائشہ ؓ کے بھانجے تھے اور وہ ان سے بہت محبت فرماتی تھیں، انھوں نے ہی گویا بھانجے کو پالا تھا، حضرت عائشہ ؓ کی اس فیاضی[5] سے پریشان ہو کر کہ خود تکلیفیں اُٹھائیں اور جو آئے وہ فوراً خرچ کر دیں، ایک دفعہ کہہ دیا کہ ”خالہ کا ہاتھ کسی طرح روکنا چاہیے“، حضرت عائشہ ؓ کو بھی یہ فقرہ[6] پہونچ گیا، اس پر ناراض ہو گئیں کہ میرا ہاتھ روکنا چاہتا ہے اور ان سے ”نہ بولنے کی“ نذر[7] کے طور پر قسم کھالی، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو خالہ کی ناراضی کا بہت صدمہ ہوا، بہت سے لوگوں سے سفارش کرائی، مگر انھوں نے اپنی قسم کا عذر فرما دیا۔ آخر جب عبداللہ ابن زبیر ؓ بہت ہی پریشان ہوئے، تو حضور اقدس ﷺ کی ننھیال کے دو حضرات کو سفارشی بنا کر ساتھ لے گئے، وہ دونوں حضرات اجازت لے کر اندر گئے، یہ بھی چھپ کر ساتھ ہو لیے، جب وہ دونوں پردہ کے پیچھے بیٹھے اور حضرت عائشہ ؓ پردہ کے اندر بیٹھ کر بات چیت فرمانے لگیں، تو یہ جلدی سے پردہ میں چلے گئے اور جا کر خالہ سے لپٹ گئے اور بہت روئے اور خوشامد[8] کی، وہ دونوں حضرات بھی سفارش کرتے رہے اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے کے متعلق، حضور ﷺ کے ارشادات یاد دِلاتے رہے اور احادیث میں جو ممانعت اس کی آئی ہے، وہ سناتے رہے، جس کی وجہ سے حضرت عائشہ ؓ ان احادیث میں جو ممانعت اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے پر جو عتاب[9] وارد ہوا ہے، اس کی تاب[10] نہ لاسکیں اور رونے لگیں، آخر معاف فرما دیا اور

حل لغات: (۱) شک۔ (۲) حرج۔ (۳) وہ رقم جو قاتل کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو دی جائے۔ (۴) وہ ٹکڑا جو پھٹے ہوئے کپڑے میں لگایا جائے۔ (۵) سخاوت۔ (۶) جملہ۔ (۷) منت۔ (۸) منانا۔ (۹) وعید۔ (۱۰) برداشت نہ کرسکنا۔

بولنے لگیں؛ لیکن اپنی اس قسم کے کفّارہ میں بار بار غلام آزاد کرتی تھیں، حتیٰ کہ چالیس غلام آزاد کیے اور جب بھی اس قسم کے توڑنے کا خیال آجاتا، اتنا روتیں کہ دوپٹہ تک آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔ [بخاری]

فائدہ: ہم لوگ صبح سے شام تک کتنی قسمیں ایک سانس میں کھالیتے ہیں اور پھر اس کی کتنی پرواہ کرتے ہیں؟ اس کا جواب اپنے ہی سوچنے کا ہے، دوسرا شخص کون ہر وقت پاس رہتا ہے جو بتاوے؛ لیکن جن لوگوں کے یہاں اللہ کے نام کی وقعت ہے اور اللہ سے عہد کر لینے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے؛ ان سے پوچھو کہ عہد کے پورا نہ ہونے سے دل پر کیا گزرتی ہے، اسی وجہ سے حضرت عائشہ ؓ کو جب یہ واقعہ یاد آتا تھا، تو بہت زیادہ روتی تھیں۔

④ حضرت عائشہ ؓ کی حالت اللہ کے خوف سے

حضرت عائشہ ؓ سے حضور اقدس ﷺ کو جتنی محبت تھی، وہ کسی سے مخفی[1] نہیں، حتیٰ کہ جب حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا: عائشہ سے۔ اس کے ساتھ ہی مسائل سے اتنی زیادہ واقف[2] تھیں کہ بڑے بڑے صحابہ ؓ، مسائل کی تحقیق کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کو سلام کرتے تھے۔ جنت میں بھی حضرت عائشہ ؓ کو حضور ﷺ کی بیوی ہونے کی بشارت[3] دی گئی ہے۔ منافقوں نے آپ پر تہمت لگائی، تو قرآن شریف میں آپ کی براءۃ[4] نازل ہوئی، خود حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ دس[10] خصوصیات مجھ میں ایسی ہیں کہ کوئی دوسری بیوی ان میں شریک نہیں۔ ابنِ سعدؒ نے ان کو مفصّل[5] نقل کیا ہے۔ صدقہ کی کیفیت پہلے قصّوں سے معلوم ہو ہی چکی، لیکن ان سب باتوں کے باوجود اللہ کے خوف کا یہ حال تھا: فرمایا کرتیں کہ کاش! میں درخت ہی ہو جاتی کہ تسبیح کرتی رہتی اور کوئی آخرت کا مطالبہ مجھ سے نہ ہوتا، کاش! میں پتھر ہوتی، کاش میں مٹی کا ڈلا[6] ہوتی، کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی، کاش میں درخت کا پتہ ہوتی، کاش میں کوئی گھاس ہوتی۔ [ابن سعد]

فائدہ: اللہ کے خوف کا یہ منظر دوسرے باب کے پانچویں، چھٹے قصہ میں بھی گزر چکا ہے، ان حضرات کی یہ عام حالت تھی، اللہ سے ڈرنا انھیں کا حصہ تھا۔

⑤ حضرت اُمّ سلمہ ؓ کے خاوند[7] کی دعا اور ہجرت

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ ؓ، حضور اقدس ﷺ سے پہلے حضرت ابو سلمہ صحابی ؓ کے نکاح میں تھیں، دونوں میں بہت ہی زیادہ محبت اور تعلق تھا، جس کا اندازہ اس قصہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ اُمّ سلمہ ؓ نے ابو سلمہ ؓ سے کہا کہ میں نے یہ سُنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی

حل لغات: ① چھپی ہوئی۔ ② ماہر۔ ③ خوشخبری۔ ④ صفائی۔ ⑤ تفصیل سے۔ ⑥ ڈھیلا۔ ⑦ شوہر۔

ہوں اور عورت مرد کے بعد، کسی سے نکاح نہ کرے، تو وہ عورت جنت میں اسی مرد کو ملے گی، (اگر عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرلے تو اس میں دو حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ دوسرے کو ملے گی اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس کو اختیار دے دیا جاوے گا کہ جس خاوند کے پاس رہنا چاہے اس کو اختیار کرلیں، یہ دوسری حدیث زیادہ مشہور ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن عورتوں کو دونوں خاوند برابر ہوں ان کے حق میں پہلی حدیث ہو اس بارہ میں بھی روایات مختلف ہیں کہ ہر شخص کو کتنی بیبیاں ملیں گی۔) اسی طرح اگر مرد دوسری عورت سے نکاح نہ کرے، تو وہی عورت اس کو ملے گی، اس لیے لاؤ ہم اور تم دونوں عہد کرلیں کہ ہم میں سے جو پہلے مر جائے؛ دوسرا نکاح نہ کرے۔ ابوسلمہ ﷺ نے کہا کہ تم میرا کہنا مان لوگی؟ اُم سلمہ ﷺ نے کہا کہ میں تو اسی واسطے مشورہ کر رہی ہوں کہ تمہارا کہنا مانوں۔ ابوسلمہ ﷺ نے کہا کہ تو میرے بعد تم نکاح کر لینا، پھر دعا کی کہ یا اللہ! میرے بعد اُم سلمہ کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما، جو نہ اس کو رنج پہونچائے، نہ تکلیف دے۔ ابتدائے[1] اسلام میں دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی ہجرت ساتھ ہی کی، اس کے بعد وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی، جس کا مفصل قصہ خود اُم سلمہ ﷺ بیان کرتی ہیں کہ جب ابوسلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو اپنے اونٹ پر سامان لادا اور مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل[2] ہاتھ میں لے کر چلے، میرے میکے کے لوگوں بنوُمغیرہ نے دیکھ لیا، انھوں نے ابوسلمہ ﷺ سے کہا کہ تم اپنی ذات کے بارے میں تو آزاد ہو سکتے ہو، مگر ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ کیوں جانے دیں؟ کہ یہ شہر در شہر پھرے، یہ کہہ کر اونٹ کی نکیل ابوسلمہ ﷺ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے زبردستی واپس لے آئے۔ میری سسرال کے لوگ بنوعبدالاسد کو جو ابوسلمہ ﷺ کے رشتہ دار تھے، جب اس قصہ کی خبر ملی، تو وہ میرے میکہ والوں بنوُمغیرہ سے جھگڑنے لگے کہ تمہیں اپنی لڑکی کا تو اختیار ہے، مگر ہم اپنے لڑکے سلمہ ﷺ کو تمہارے پاس کیوں چھوڑ دیں، جب کہ تم نے اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے پاس نہیں چھوڑا؟ اور یہ کہہ کر میرے لڑکے سلمہ ﷺ کو بھی مجھ سے چھین لیا، اب میں اور میرا لڑکا اور میرا شوہر تینوں جدا جدا ہو گئے، خاوند تو مدینہ چلے گئے، میں اپنے میکہ میں رہ گئی اور بیٹا اپنی ددھیال میں پہونچ گیا۔ میں روز میدان میں نکل جاتی اور شام تک رویا کرتی، اسی طرح پورا ایک سال مجھے روتے گزر گیا، میں نہ خاوند کے پاس جاسکی، نہ بچہ مجھے مل سکا، ایک دن میرے ایک چچازاد بھائی نے میرے حال پر ترس کھا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ تمہیں اس مسکینہ پر ترس نہیں آتا کہ اس کو بچہ اور خاوند سے تم نے جدا کر رکھا ہے، اس کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ غرض میرے چچازاد بھائی نے کہہ سُن کر اس بات پر ان سب کو راضی کرلیا، انھوں نے مجھے اجازت دے دی کہ تُو اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا، یہ دیکھ کر بنوعبدالاسد نے بھی مجھے لڑکا

حل لغات: (۱) شروع زمانہ۔ (۲) ناک میں ڈالی ہوئی رسی۔

دے دیا۔ میں نے ایک اونٹ تیار کیا اور بچہ گود میں لے کر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر مدینہ کو چل دی، تین[۳]، چار[۴] میل چلی تھی کہ تنعیم میں عثمان بن طلحہ مجھے ملے، مجھ سے پوچھا کہ اکیلی کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا کہ اپنے خاوند کے پاس مدینہ جا رہی ہوں، انھوں کہا: کوئی تمہارے ساتھ نہیں؟ میں نے کہا: اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے، انھوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آگے آگے چل دیے، خدا پاک کی قسم! مجھے عثمان سے زیادہ شریف آدمی کوئی نہیں ملا، جب اُترنے کا وقت ہوتا، وہ میرے اونٹ کو بٹھا کر خود علیحدہ درخت کی آڑ میں ہو جاتے، میں اُتر جاتی اور جب سوار ہونے کا وقت ہوتا، اونٹ کو سامان وغیرہ لاد کر میرے قریب بٹھا دیتے، میں اس پر سوار ہو جاتی اور وہ آ کر اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلنے لگتے، اسی طرح ہم مدینہ منورہ پہونچے، جب قبا[۱] میں پہونچے، تو انھوں نے کہا کہ تمہارا خاوند یہیں ہے، اس وقت تک ابوسلمہ ﷺ قبا ہی میں مقیم تھے، عثمان مجھے وہاں پہونچا کر خود مکہ مکرمہ واپس ہو گئے، پھر کہا کہ خدا کی قسم! عثمان بن طلحہ ﷺ سے زیادہ کریم اور شریف آدمی میں نے نہیں دیکھا اور اس سال میں جتنی مشقت اور تکلیف میں نے برداشت کی ہے، شاید ہی کسی نے کی ہو۔ [اُسدالغابہ]

فائدہ: اللہ پر بھروسہ کی بات تھی کہ تنہا ہجرت کے ارادہ سے چل دیں، اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے فضل سے ان کی مدد کا سامان مہیّا[۲] کر دیا، جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے اللہ جلّ شانہٗ اس کی مدد فرماتا ہے، بندوں کے دل اسی کے قبضہ میں ہیں۔ ہجرت کا سفر اگر کوئی محرم نہ ہو، تو تنہا بھی جائز ہے، بشرطیکہ ہجرت فرض ہو، اس لیے ان کے تنہا سفر پر شرعی اشکال نہیں۔

⑥ حضرت اُمِّ زیاد ﷺ کی چند عورتوں کے ساتھ خیبر میں شرکت

حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں مردوں کو تو جہاد کی شرکت کا شوق تھا ہی، جس کے واقعات کثرت سے نقل کیے جاتے ہیں، عورتیں بھی اس چیز میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں، ہمیشہ مشتاق رہتی تھیں اور جہاں موقع مل جاتا، پہونچ جاتیں، اُمِّ زیاد ﷺ کہتی ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں ہم چھ[۱] عورتیں جہاد میں شرکت کے لیے چل دیں، حضور اقدس ﷺ کو اطلاع ملی تو ہم کو بلایا، حضور ﷺ کے چہرۂ انور پر غصہ کے آثار تھے، ارشاد فرمایا کہ تم کس کی اجازت سے آئیں اور کس کے ساتھ آئیں؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کو اُون بُننا آتا ہے اور جہاد میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، زخموں کی دوائیں بھی ہمارے پاس ہیں اور کچھ نہیں تو مجاہدین کو تیر ہی پکڑانے میں مدد دے دیں گے اور جو بیمار ہوگا اس کی دوا دارو کی مدد ہو سکے گی، ستّو وغیرہ گھولنے اور پلانے میں کام دے دیں گے؛ حضور ﷺ نے ٹھہر جانے کی اجازت دے دی۔ [ابوداؤد]

حل لغات: ① مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام۔ ② حاضر۔

فائدہ: حق تعالیٰ شانہٗ نے اس وقت عورتوں میں بھی کچھ ایسا وَلولہ[1] اور جرأت[2] پیدا فرمائی تھی، جو آج کل مردوں میں بھی نہیں ہے، دیکھیے یہ سب اپنے شوق سے خود ہی پہونچ گئیں اور کتنے کام اپنے کرنے کے تجویز کر لیے۔ حُنین کی لڑائی میں اُم سلیم ؓ باوجودیکہ حاملہ تھیں، عبداللہ بن ابی طلحہ ؓ پیٹ میں تھے؛ شریک ہوئیں اور ایک خنجر ساتھ لیے رہتی تھیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کس لیے ہے؟ عرض کیا کہ اگر کوئی کافر میرے پاس آئے گا، تو اس کے پیٹ میں بھونک دوں گی۔ اس سے پہلے اُحد وغیرہ کی لڑائی میں بھی یہ شریک ہوتی تھیں، زخمیوں کی دوادارو، بیماروں کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ اور اُم سلیم ؓ کو دیکھا کہ نہایت مستعدی[3] سے مشک بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور جب خالی ہو جاتی، تو پھر بھر لاتیں۔

⑦ حضرت اُمِّ حرام ؓ کی غزوۂ البحر میں شرکت کی تمنا

حضرت اُم حرام ؓ حضرت انس ؓ کی خالہ تھیں، حضور اقدس ﷺ کثرت سے ان کے گھر تشریف لے جاتے اور کبھی دوپہر وغیرہ کو وہیں آرام بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ان کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ مسکراتے ہوئے اُٹھے، اُم حرام ؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کس بات پر آپ مسکرا رہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے کچھ لوگ مجھے دکھلائے گئے، جو سمندر پر لڑائی کے ارادہ سے اس طرح سوار ہوئے، جیسے تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوں، اُمِّ حرام ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! دعا فرما دیجیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے بھی ان میں شامل فرما دیں، حضور ﷺ نے فرمایا: تم بھی ان میں شامل ہوگی، اس کے بعد پھر حضور ﷺ نے آرام فرمایا اور پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے، اُمّ حرام ؓ نے پھر مسکرانے کا سبب پوچھا، آپ ﷺ نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا، اُم حرام ؓ نے پھر وہی درخواست کی کہ یارسول اللہ! آپ دعا فرما دیں کہ میں بھی اُن میں ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم پہلی جماعت میں ہوگی، چنانچہ حضرت عثمان ؓ کے زمانۂ خلافت میں امیر مُعاویہ ؓ نے جو شام کے حاکم تھے، جزائر قُبرص پر حملہ کی اجازت چاہی، حضرت عثمان ؓ نے اجازت دے دی، امیر مُعاوِیہ ؓ نے ایک لشکر کے ساتھ حملہ فرمایا، جس میں اُم حرام ؓ بھی اپنے خاوند[4] حضرت عُبادہ ؓ کے ساتھ لشکر میں شریک ہوئیں اور واپسی پر ایک خچّر پر سوار ہو رہی تھیں کہ وہ بِدکا[5] اور یہ اس پر سے گر گئیں، جس سے گردن ٹوٹ گئی اور انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن کی گئیں۔ [بخاری]

فائدہ: یہ ولولہ تھا جہاد میں شرکت کا کہ ہر لڑائی میں شرکت کی دعا کراتی تھیں، مگر چونکہ ان دونوں لڑائیوں میں سے پہلی لڑائی میں انتقال فرمانا متعین تھا، اس لیے دوسری لڑائی میں شرکت نہ ہو سکی؛ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اس میں شرکت کی دعا بھی نہ فرمائی تھی۔

حل لغات: ① شوق۔ ② ہمت۔ ③ چستی۔ ④ شوہر۔ ⑤ چونکا۔

⑧ حضرت اُمِّ سُلَیم ؓ کی لڑکے کے مرنے پر خاوند سے ہم بستری

اُم سلیم ؓ حضرت انس ؓ کی والدہ تھیں، جو اپنے پہلے خاوند یعنی حضرت انس ؓ کے والد کی وفات کے بعد بیوہ ہوگئی تھیں اور حضرت انس ؓ کی پرورش کے خیال سے کچھ دنوں تک نکاح نہیں کیا تھا، اس کے بعد حضرت ابوطلحہ ؓ سے نکاح کیا، جن سے ایک صاحبزادہ ابوعُمیر ؓ پیدا ہوئے، جن سے حضور اقدس ﷺ جب ان کے گھر تشریف لے جاتے، تو ہنسی بھی فرمایا کرتے تھے، اتفاق سے ابوعمیر ؓ کا انتقال ہوگیا، اُمِّ سُلَیم ؓ نے ان کو نہلایا دھلایا، کفن پہنایا اور ایک چارپائی پر لٹا دیا، ابوطلحہ ؓ کا روزہ تھا، اُمِّ سُلَیم ؓ نے ان کے لیے کھانا وغیرہ تیار کیا اور خود اپنے آپ کو بھی آراستہ کیا، خوشبو وغیرہ لگائی، رات کو خاوند آئے، کھانا وغیرہ بھی کھایا، بچہ کا حال پوچھا، تو انھوں نے کہہ دیا کہ اب تو سکون ہے، معلوم ہوتا ہے بالکل اچھا ہوگیا، وہ بے فکر ہوگئے، رات کو خاوند نے صحبت بھی کی، صبح کو جب وہ اُٹھے، تو کہنے لگیں کہ ایک بات دریافت کرنا تھی: اگر کوئی شخص کسی کو مانگی چیز دے دے، پھر وہ اسے واپس لینے لگے، تو واپس کر دینا چاہیے یا اسے روک لے، واپس نہ کرے؟ وہ کہنے لگے کہ ضرور واپس کر دینا چاہیے، روکنے کا کیا حق ہے؟ مانگی چیز کا تو واپس کرنا ہی ضروری ہے، یہ سن کر اُمِّ سُلَیم ؓ نے کہا کہ تمہارا لڑکا جو اللہ کی امانت تھا، وہ اللہ نے لے لیا، ابوطلحہ ؓ کو اس پر رنج[1] ہوا اور کہنے لگے کہ تم نے مجھ کو خبر بھی نہ کی؟ صبح کو حضور ﷺ کی خدمت میں ابوطلحہ ؓ نے اس سارے قصہ کو عرض کیا، حضور اقدس ﷺ نے دعا دی اور فرمایا کہ شاید اللہ جلّ شانہٗ اس رات میں برکت عطا فرماویں۔ ایک انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی دعا کی برکت دیکھی کہ اس رات کے حمل سے عبداللہ بن ابی طلحہ پیدا ہوئے جن کے نو بچے ہوئے، سب نے قرآن شریف پڑھا۔ [بخاری، فتح]

فائدہ: بڑے صبر اور ہمت کی بات ہے کہ اپنا بچہ مرجائے اور ایسی طرح اس کو برداشت کرے کہ خاوند کو بھی محسوس نہ ہونے دے، چونکہ خاوند کا روزہ تھا، اس لئے خیال ہوا کہ خبر ہونے پر کھانا بھی مشکل ہوگا۔

⑨ حضرت اُمِّ حَبِیبَہ ؓ کا اپنے باپ کو بستر پر نہ بٹھانا

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ ؓ حضور اقدس ﷺ سے پہلے عبداللہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں، دونوں خاوند بیوی ساتھ ہی مسلمان ہوئے اور حبشہ کی ہجرت بھی اِکٹھے ہی کی، وہاں جا کر خاوند مرتد[2] ہوگیا اور اسی حالتِ اِرتداد[3] میں انتقال کیا، حضرت اُم حبیبہ ؓ نے یہ بیوگی[4] کا زمانہ حبشہ ہی میں گذارا، حضور اقدس ﷺ نے وہیں نکاح کا پیام بھیجا اور حبشہ کے بادشاہ کی معرفت[5] نکاح

حل لغات: (۱) افسوس۔ (۲) اسلام سے پھر گیا۔ (۳) کفر کی حالت، بے دینی۔ (۴) بیوہ ہونے کی حالت۔ (۵) ذریعہ، واسطہ۔

ہوا، جیسا کہ باب کے ختم پر بیبیوں کے بیان میں آئے گا، نکاح کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائیں، صلح کے زمانہ میں اُن کے باپ ابوسفیان مدینہ طیبہ آئے کہ حضور ﷺ سے صلح کی مضبوطی کے لیے گفتگو کرنا تھی، بیٹی سے ملنے گئے، وہاں بستر بچھا ہوا تھا، اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُمِ حبیبہ ﷺ نے وہ بستر اُلٹ دیا، باپ کو تعجّب ہوا کہ بجائے بستر بچھانے کے، اس بچھے ہوئے کو بھی اُلٹ دیا، پوچھا کہ یہ بستر ہ، میرے قابل نہیں تھا، اس لیے لپیٹ دیا، یا میں بستر ہ کے قابل نہیں تھا؟ حضرت اُمِ حبیبہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پاک اور پیارے رسول ﷺ کا بستر ہے اور تم بوجہ مشرک ہونے کے ناپاک ہو، اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں؟ باپ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بُری عادتوں میں مبتلا ہوگئیں؛ مگر اُمِ حبیبہ ﷺ کے دل میں حضور ﷺ کی جو عظمت تھی، اس کے لحاظ سے وہ کب اس کو گوارا[1] کرسکتی تھیں کہ کوئی ناپاک مشرک، باپ ہو یا غیر ہو؛ حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھ سکے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے چاشت کی بارہ[12] رکعتوں کی فضیلت سُنی تو ہمیشہ ان کو پابندی سے نبھا دیا۔ ان کے والد بھی جن کا قصہ ابھی گذرا ہے، بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا، تو تیسرے دن خوشبو منگائی اور اس کو استعمال کیا اور فرمایا کہ مجھے نہ خوشبو کی ضرورت، نہ رغبت؛ مگر میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ عورت کو جائز نہیں کہ خاوند کے علاوہ کسی پر تین[3] دن سے زیادہ سوگ[2] کرے، ہاں! خاوند کے لیے چار[4] مہینہ دس[10] دن ہیں؛ اس لیے خوشبو استعمال کرتی ہوں کہ سوگ نہ سمجھا جائے۔ جب خود اپنے انتقال کا وقت ہوا، تو حضرت عائشہ ﷺ کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرا تمہارا معاملہ سوکنوں[5] کا تھا اور سوکنوں میں آپس میں کسی نہ کسی بات پر تھوڑی بہت رنجش ہو ہی جاتی ہے، اللہ مجھے بھی معاف فرمادیں اور تمہیں بھی، حضرت عائشہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تمہیں سب معاف کرے اور درگذر فرمائیں، یہ سن کر کہنے لگیں کہ تم نے مجھے اس وقت بہت خوشی پہونچائی، اللہ تمہیں بھی خوش وخُرّم رکھے، اس کے بعد اسی طرح اُمِ سلمہ ﷺ کے پاس بھی آدمی بھیجا۔ [طبقات]

فائدہ: سوکنوں کے جو تعلقات آپس میں ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہا کرتیں، مگر ان کو یہ اہتمام تھا کہ دنیا کا جو معاملہ ہو، وہ یہیں نمٹ[5] جائے، آخرت کا بوجھ سر پر نہ رہے اور حضور ﷺ کی عظمت اور محبت کا اندازہ تو اس بسترہ کے معاملہ سے ہو ہی گیا۔

⑩ حضرت زینب ﷺ کا اِفک کے معاملہ میں صفائی پیش کرنا

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش ﷺ رشتہ میں حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ شروع ہی زمانہ میں مسلمان ہو گئی تھیں، ابتداء میں آپ کا نکاح حضرت زید ﷺ سے ہوا، جو حضور ﷺ کے آزاد کیے ہوئے غلام تھے اور حضور ﷺ کے متبنّیٰ بھی تھے، جس کو ''لے پالک'' کہتے ہیں، اسی

حل لغات: ① منظور، پسند۔ ② رنج وغم۔ ③ شوہر کی دوسری بیوی۔ ④ بگاڑ۔ ⑤ ختم۔

وجہ سے زید بن محمد کہلاتے تھے؛ مگر حضرت زید ﷺ سے حضرت زینب ﷺ کا نباہ نہ ہوسکا، تو انھوں نے طلاق دے دی۔ حضور اقدس ﷺ نے اس خیال سے کہ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم ٹوٹے، وہ یہ کہ متبنّٰی بالکل ہی بیٹے جیسا ہوتا ہے اور اس کی بیوی سے نکاح بھی نہ کرنا چاہیے؛ اس لیے اپنے نکاح کا پیام بھیجا، حضرت زینب ﷺ نے جواب دیا کہ اپنے رب سے مشورہ کرلوں، یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھی کہ اللہ سے مشورہ بغیر میں کچھ جواب نہیں دیتی، جس کی برکت یہ ہوئی کہ اللہ جلّ شانہٗ نے خود حضور ﷺ کا نکاح حضرت زینب ﷺ سے کیا اور قرآن پاک کی آیت ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ [سورۂ احزاب] (پس جب زید نے اپنی حاجت کو اس سے پورا کرلیا، تو ہم نے اس کو تمہارے نکاح میں دے دیا، تاکہ نہ رہے مؤمنین پر تنگی اپنے لے پالکوں کی بیبیوں کے بارہ میں، جبکہ وہ اپنی حاجت ان سے پوری کرچکیں اور اللہ کا حکم ہوکر ہی رہا) نازل ہوئی۔ جب حضرت زینب ﷺ کو اس آیت کے نازل ہونے پر نکاح کی خوش خبری دی گئی، تو جس نے بشارت[1] دی تھی، اس کو وہ زیور نکال کر دے دیا جو وہ اس وقت پہن رہی تھیں اور خود سجدہ میں گر گئیں اور دو مہینے کے روزوں کی منّت مانی۔ حضرت زینب ﷺ کو اس بات پر بجا طور[2] پر فخر تھا کہ سب بیبیوں کا نکاح ان کے عزیز، رشتہ داروں نے کیا، مگر حضرت زینب ﷺ کا نکاح آسمان پر ہوا اور قرآن پاک میں نازل ہوا، اسی وجہ سے حضرت عائشہ ﷺ سے مقابلہ کی نوبت بھی آجاتی تھی کہ ان کو حضور اقدس ﷺ کی سب سے زیادہ محبوبہ ہونے پر ناز تھا اور ان کو آسمان کے نکاح پر ناز تھا؛ لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ ﷺ پر تہمت[3] کے قصہ میں، جب حضور اقدس ﷺ نے منجملہ اوروں کے، ان سے بھی دریافت کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ میں عائشہ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ یہ تھی سچی دینداری، ورنہ یہ وقت سوکن کے الزام لگانے کا تھا اور خاوند کی نگاہ سے گرانے کا، بالخصوص اس سوکن کے جو لاڈلی بھی تھی؛ مگر اس کے باوجود زور سے صفائی کی اور تعریف کی۔ حضرت زینب ﷺ بڑی بزرگ تھیں، روزے بھی کثرت سے رکھتی تھیں اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتی تھیں، اپنے ہاتھ سے محنت بھی کرتی تھیں اور جو حاصل ہوتا تھا، اس کو صدقہ کردیتی تھیں۔ حضور ﷺ کے وصال[4] کے وقت ازواجِ مطہّرات نے پوچھا کہ ہم میں سب سے پہلے آپ سے کون سی بیوی ملے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا ہاتھ لمبا ہو۔ وہ لکڑی لے کر ہاتھ ناپنے لگیں؛ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ہاتھ کے لمبا ہونے سے بہت زیادہ خرچ کرنا مراد تھا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت زینب ﷺ ہی کا وصال ہوا۔ حضرت عمر ﷺ نے جب ازواجِ مطہّرات کی تنخواہ مقرر فرمائی اور ان کے پاس ان کے حصے کا مال بارہ ہزار درہم بھیجے، تو یہ سمجھیں کہ یہ سب کا ہے، فرمانے لگیں کہ

حل لغات: ① خوشخبری۔ ② صحیح، درست۔ ③ غلط الزام۔ ④ انتقال۔

تقسیم کے لیے تو اور بیبیاں زیادہ مناسب تھیں، قاصد نے کہا کہ یہ سب آپ ہی کا حصہ ہے اور تمام سال کے لیے ہے، تو تعجب سے کہنے لگیں: سبحان اللہ! اور منہ پر کپڑا ڈال لیا کہ اس مال کو دیکھیں بھی نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ حُجرہ کے کونہ میں ڈال دیا جائے اور اس پر ایک کپڑا ڈلوا دیا، پھر برزہ رحمۃ اللہ علیہا سے فرمایا (جو اس قصہ کو نقل کر رہی ہیں) کہ اس میں سے ایک مُٹھی بھر کر فلاں کو دے آؤ اور ایک مٹھی فلاں کو، غرض رشتہ دار اور غریبوں، بیواؤں کو ایک ایک مٹھی تقسیم کر دیا، اس میں جب ذرا سا رہ گیا تو برزہ رحمۃ اللہ علیہا نے بھی خواہش ظاہر کی فرمایا کہ جو کپڑے کے نیچے رہ گیا، وہ تم لے جاؤ، وہ کہتی ہیں کہ میں نے جو رہ گیا تھا وہ لے لیا اور لے کر گنا تو چھیاسی[۸۶] درہم تھے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا کی کہ یا اللہ! آئندہ سال یہ مال مجھے نہ ملے کہ اس کے آنے میں بھی فتنہ ہے، چنانچہ دوسرے سال کی تنخواہ آنے سے پہلے ہی اُن کا وِصال ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی کہ وہ بارہ ہزار تو ختم کر دیے گئے، تو انھوں نے ایک ہزار اور بھیجے کہ اپنی ضرورتوں میں خرچ کریں، انھوں نے وہ بھی اُسی وقت تقسیم کر دیے۔ باوجود کثرتِ فتوحات[۱] کے، انتقال کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا نہ مال، صرف وہ گھر ترکہ[۲] تھا جس میں رہتی تھیں۔ صدقہ کی کثرت کی وجہ سے مَأوَی المَساکین (مساکین کا ٹھکانا) ان کا لقب تھا۔ [طبقات] ایک عورت کہتی ہیں کہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں تھی اور ہم گیرو[۳] سے کپڑے رنگنے میں مشغول تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، ہم کو رنگتے ہوئے دیکھ کر واپس تشریف لے گئے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو خیال پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز ناگوار ہوئی، سب کپڑوں کو جو رنگے تھے فوراً دھو ڈالا، دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، جب دیکھا کہ وہ رنگ کا منظر نہیں ہے، تو اندر تشریف لائے۔ [ابوداؤد]

فائدہ: عورتوں کو بِالخُصُوص مال سے جو محبت ہوتی ہے، وہ بھی مخفی[۴] نہیں اور رنگ وغیرہ سے جو اُنس[۵] ہوتا ہے، وہ بھی محتاج بیان نہیں؛ لیکن وہ بھی آخر عورتیں تھیں جو مال کا رکھنا جانتی ہی نہ تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولی سا اشارہ پا کر سارا رنگ دھو ڈالا۔

(۱۱) حضرت خَنساء رضی اللہ عنہا کی اپنے چار بیٹوں سمیت جنگ میں شرکت

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا مشہور شاعرہ ہیں، اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آکر مسلمان ہوئیں۔ ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی عورت نے ان سے بہتر شعر نہیں کہا، نہ ان سے پہلے، نہ ان کے بعد۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۱۶ھ میں قادسیہ کی لڑائی ہوئی، جس میں خنساء رضی اللہ عنہا اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں۔ لڑکوں کو ایک دن پہلے بہت نصیحت کی اور لڑائی کی شرکت پر بہت اُبھارا، کہنے لگیں کہ میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے

حل لغات: (۱) بہت زیادہ وسعت۔ (۲) مرنے کے بعد انسان کی چھوڑی ہوئی چیزیں۔ (۳) ایک قسم کی لال مٹی۔ (۴) چھپی ہوئی۔ (۵) محبت۔

ہو اور اپنی ہی خوشی سے تم نے ہجرت کی، اُس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو، اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو، میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی، نہ تمہارے ماموں کو رُسوا[1] کیا، نہ میں نے تمہاری شرافت میں کوئی دھبّہ لگایا، نہ تمہارے نسب کو میں نے خراب کیا، تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مسلمانوں کے لیے کافروں سے لڑائی میں کیا کیا ثواب رکھا ہے، تمہیں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آخرت کی باقی رہنے والی زندگی، دنیا کی فنا[2] ہوجانے والی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ کا پاک ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ [سورۂ آلِ عمران] (اے ایمان والو! تکالیف پر صبر کرو (اور کفار کے مقابلہ میں) صبر کرو اور مقابلہ کے لیے تیار رہو، تاکہ تم پورے کامیاب ہو)۔ [بیان القرآن] لہٰذا کل صبح کو جب تم صحیح وسالم اُٹھو، تو بہت ہوشیاری سے لڑائی میں شریک ہو اور اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد مانگتے ہوئے بڑھو اور جب تم دیکھو کہ لڑائی زور پر آگئی اور اس کے شعلے[3] بھڑکنے لگے، تو اس کی گرم آگ میں گھس جانا اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرنا، ان شاء اللہ جنت میں اکرام کے ساتھ کامیاب ہو کر رہو گے۔ چنانچہ جب صبح کو لڑائی زوروں پر ہوئی، تو چاروں لڑکوں میں سے ایک ایک نمبروار آگے بڑھتا تھا اور اپنی ماں کی نصیحت کو اشعار میں پڑھ کر اُمنگ[4] پیدا کرتا تھا اور جب شہید ہوجاتا تھا، تو اسی طرح دوسرا بڑھتا تھا اور شہید ہونے تک لڑتا رہتا تھا، بالآخر چاروں شہید ہوئے اور جب ماں کو چاروں کے مرنے کی خبر ہوئی، تو انھوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ان کی شہادت سے مجھے شرف[5] بخشا، مجھے اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ اس کی رحمت کے سایہ میں ان چاروں کے ساتھ میں بھی رہوں گی۔ [اُسد الغابہ]

فائدہ: ایسی بھی اللہ کی بندی مائیں ہوتی ہیں، جو چاروں جوان بیٹوں کو لڑائی کی تیزی اور زور میں گھس جانے کی ترغیب دیں اور جب چاروں شہید ہوجائیں اور ایک ہی وقت میں سب کام آجائیں، تو اللہ کا شکر ادا کریں۔

⑫ حضرت صَفِیَّہ ؓ کا یہودی کو تنہا مارنا

حضرت صَفِیَّہ ؓ حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی اور حضرت حمزہ ؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ اُحد کی لڑائی میں شریک ہوئیں اور جب مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی اور بھاگنے لگے، تو وہ برچھا[6] ان کے منہ پر مار مار کر واپس کرتی تھیں۔ غزوۂ خندق میں حضور اقدس ﷺ نے سب مستورات کو ایک قلعہ میں بند فرمادیا تھا اور حضرت حسان بن ثابت ؓ کو بطور محافظ[7] کے چھوڑ دیا تھا، یہود کے لیے یہ موقع بہت غنیمت تھا کہ وہ تو اندرونی دشمن تھے ہی۔ یہود کی ایک جماعت نے عورتوں پر حملہ کا ارادہ کیا اور ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لیے قلعہ پر پہونچا۔ حضرت صفیہ ؓ نے کہیں سے دیکھ لیا، حضرت حسان ؓ سے کہا کہ یہ

حل لغات: ① ذلیل۔ ② ختم۔ ③ لڑائی زور پر ہونا۔ ④ جوش۔ ⑤ عزت۔ ⑥ بھالا۔ ⑦ حفاظت کرنے والا۔

یہودی موقع دیکھنے آیا ہے، تم قلعہ سے باہر نکلو اور اس کو مار دو، وہ ضعیف[1] تھے، ضعف کی وجہ سے ان کی ہمت نہ ہوئی تو حضرت صفیہ ﷺ نے ایک خیمہ کا کھونٹا[2] اپنے ہاتھ میں لیا اور خود نکل کر اس کا سر کچل دیا، پھر قلعہ میں واپس آ کر حضرت حسان ﷺ سے کہا کہ چوں کہ وہ یہودی مرد تھا، نامحرم ہونے کی وجہ سے میں نے اس کا سامان اور کپڑے نہیں اتارے، تم اس کے سب کپڑے اُتار لاؤ اور اس کا سر بھی کاٹ لاؤ۔ حضرت حسان ﷺ ضعیف تھے، جس کی وجہ سے اس کی بھی ہمت نہ فرما سکے، تو دوبارہ تشریف لے گئیں اور اس کا سر کاٹ لائیں اور دیوار پر کو یہود کے مجمع میں پھینک دیا۔ وہ دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم تو پہلے ہی سے سمجھتے تھے کہ محمد (ﷺ) عورتوں کو بالکل تنہا نہیں چھوڑ سکتے ہیں، ضرور ان کے محافظ مرد اندر موجود ہیں۔ [اُسد الغابہ]

فائدہ: ۲۰ھ میں حضرت صفیہ ﷺ کا وصال ہوا اس وقت ان کی عمر تہتّر[3] سال کی تھی، اس لحاظ سے خندق کی لڑائی میں جو ۵ھ میں ہوئی، ان کی عمر اٹھاون[58] سال کی ہوئی۔ آج کل اس عمر کی عورتوں کو گھر کا کام بھی دوبھر[3] ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ ایک مرد کا اس طرح تنہا قتل کر دینا اور ایسی حالت میں کہ یہ تنہا عورتیں اور دوسری جانب یہود کا مجمع۔

⑬ حضرت اسماء ﷺ کا عورتوں کے اجر کے بارے میں سوال

اسماء بنت یزید انصاری صحابیہ ﷺ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور قاصد کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں، بے شک آپ کو اللہ جلّ شانہٗ نے مرد اور عورت دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا، اس لیے ہم عورتوں کی جماعت آپ پر ایمان لائی اور اللہ پر ایمان لائی؛ لیکن ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں گھری رہتی ہے، پردوں میں بند رہتی ہے، مَردوں کے گھروں میں گڑی رہتی ہے اور مردوں کی خواہشیں ہم سے پوری کی جاتی ہیں، ہم ان کی اولاد کو پیٹ میں اٹھائے رہتی ہیں اور ان سب باتوں کے باوجود مرد بہت سے ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں، جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، حج پر حج کرتے رہتے ہیں اور اس سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں اور جب وہ حج کے لیے یا عمرہ کے لیے یا جہاد کے لیے جاتے ہیں، تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں، ان کے لیے کپڑا بُنتی ہیں، ان کی اولاد کو پالتی ہیں، کیا ہم ثواب میں ان کے شریک نہیں؟ حضور اقدس ﷺ یہ سُن کر صحابہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر سوال کرنے والی کوئی سُنی؟ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال

حل لغات: ① کمزور۔ ② وہ لوہا یا لکڑی جس میں خیمہ کو باندھا جاتا ہے۔ ③ مشکل۔

کرسکتی ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ اسماء ؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ غور سے سُن اور سمجھ، اور جن عورتوں نے تجھ کو بھیجا ہے ان کو بتادے کہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی[1] کو ڈھونڈھنا اور اس پر عمل کرنا، ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اسماء ؓ یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوتی ہوئی واپس ہوگئیں۔ [اُسدالغابہ]

فائدہ: عورتوں کا اپنے خاوندوں[2] کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کرنا بہت ہی قیمتی چیز ہے، مگر عورتیں اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ صحابۂ کرام ؓ نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ عجمی[3] لوگ اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں، آپ اس کے زیادہ مستحق[4] ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں۔ حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم کرتا، تو عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں، پھر حضور ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عورت اپنے رب کا حق اداانہیں کرسکتی، جب تک کہ خاوند کا حق ادا نہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک اونٹ آیا اور حضور ﷺ کو سجدہ کیا، صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ جب یہ جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے، تو ہم زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، حضور ﷺ نے منع فرمایا اور یہی ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ کسی کو اللہ کے سوا سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت ایسی حالت میں مرے کہ خاوند اس سے راضی ہو، وہ جنت میں جائے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر عورت خاوند سے ناراض ہوکر علیحدہ رات گذارے، تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو آدمیوں کی نماز قبولیت کے لیے آسمان کی طرف اتنی بھی نہیں جاتی کہ سر سے اوپر ہی ہوجائے، ایک: وہ غلام جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا اور ایک: وہ عورت کہ جو خاوند کی نافرمانی کرتی ہو۔

⑫ حضرت اُمِّ عُمارہ ؓ کا اسلام اور جنگ میں شرکت

حضرت اُمِّ عُمارہ انصاریہ ؓ ان عورتوں میں ہیں، جو اسلام کے شروع زمانہ میں مسلمان ہوئیں اور بَیْعَۃُ الْعَقَبَہ میں شریک ہوئیں، عقبہ کے معنی گھاٹی[5] کے ہیں۔ حضور ﷺ اوّل چھپ کر مسلمان کرتے تھے، کیوں کہ مشرک وکافر لوگ نومسلموں کو سخت تکلیف پہونچاتے تھے، مدینہ کے کچھ لوگ حج کے زمانہ میں آتے تھے اور منیٰ کے پہاڑ میں ایک گھاٹی میں چھپ کر مسلمان ہوتے تھے۔ تیسری مرتبہ جو لوگ مدینہ سے آئے ہیں، ان میں یہ بھی تھیں۔ ہجرت کے بعد جب لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ اکثر لڑائیوں میں شریک ہوئیں بالخصوص اُحد، حُدَیْبِیَہ، خیبر، عُمْرَۃُ الْقَضا، حُنَین اور یَمامہ

حل لغات: ① خوشی۔ ② شوہروں۔ ③ عربی لوگوں کے علاوہ۔ ④ حق دار۔

کی لڑائی میں۔ اُحد کی لڑائی کا قصّہ خود ہی سناتی ہیں کہ میں مشکیزہ پانی کا بھر کر اُحد کو چل دی کہ دیکھوں مسلمانوں پر کیا گذری اور کوئی پیاسا زخمی ملا، تو پانی پلا دوں گی۔ اس وقت ان کی عمر تینتالیس[۴۳] برس کی تھی۔ ان کے خاوند اور دو بیٹے بھی لڑائی میں شریک تھے، مسلمانوں کو فتح اور غلبہ ہو رہا تھا، مگر تھوڑی دیر میں جب کافروں کو غلبہ ظاہر ہونے لگا، تو میں حضور ﷺ کے قریب پہنچ گئی اور جو کافر ادھر کا رخ کرتا تھا، اُس کو ہٹاتی تھی۔ ابتداءً[۱] میں ان کے پاس ڈھال بھی نہ تھی، بعد میں ملی، جس پر کافروں کا حملہ روکتی تھیں۔ کمر پر ایک کپڑا باندھ رکھا تھا، جس کے اندر مختلف چیتھڑے[۲] بھرے ہوئے تھے، جب کوئی زخمی ہو جاتا، تو ایک چیتھڑا نکال کر جلا کر اس زخم میں بھر دیتیں۔ خود بھی کئی جگہ سے زخمی ہوئیں، بارہ، تیرہ جگہ زخم آئے، جن میں ایک بہت سخت تھا۔ اُم سعید رحمۃ اللہ علیہا کہتی ہیں کہ میں نے ان کے مونڈھے پر ایک بہت گہرا زخم دیکھا، میں نے پوچھا کہ یہ کس طرح پڑا تھا؟ کہنے لگیں کہ اُحد کی لڑائی میں جب لوگ اِدھر اُدھر پریشان پھر رہے تھے، تو ابنِ قمیئہ یہ کہتا ہوا بڑھا کہ محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ مجھے کوئی بتا دو کہ کدھر ہیں؟ اگر آج وہ بچ گئے، تو میری نجات نہیں۔ مُصعب بن عُمیر ؓ اور چند آدمی اس کے سامنے آ گئے، جن میں مَیں بھی تھی، اس نے میرے مونڈھے پر وار کیا، میں نے بھی کئی وار کیے، مگر اس پر دوہری[۳] زِرہ[۴] تھی، اس لیے زرہ سے حملہ رک جاتا تھا۔ یہ زخم ایسا سخت تھا کہ سال بھر تک علاج کیا، مگر اچھا نہ ہوا۔ اسی دوران میں حضور ﷺ نے حَمْرَاءُ الْاَسَد کی لڑائی کا اعلان فرما دیا، اُم عُمارہ ؓ بھی کمر باندھ تیار ہو گئیں، مگر چوں کہ پہلا زخم بالکل ہرا تھا، اس لیے شریک نہ ہو سکیں۔ حضور ﷺ جب حمراء الاسد سے واپس آئے، تو سب سے پہلے اُم عُمارہ ؓ کی خیریت معلوم کی اور جب معلوم ہوا کہ افاقہ ہے، تو بہت خوش ہوئے۔ اس زخم کے علاوہ اُحد کی لڑائی میں اور بھی بہت سے زخم آئے تھے۔ اُمّ عُمارہ ؓ کہتی ہیں کہ اصل میں وہ لوگ گھوڑے سوار تھے اور ہم پیدل تھے، اگر وہ بھی ہماری طرح سے پیدل ہوتے جب بات تھی، اس وقت اصل مقابلہ کا پتہ چلتا، جب کوئی گھوڑے پر آتا اور مجھے مارتا، تو اس کے حملوں کو میں ڈھال پر روکتی رہتی اور جب وہ مجھ سے منھ موڑ کر دوسری طرف چلتا تو میں اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر حملہ کرتی اور وہ کٹ جاتی، جس سے وہ بھی گرتا اور سوار بھی گرتا اور جب وہ گرتا تو حضور ﷺ میرے لڑکے کو آواز دے کر میری مدد کے لیے بھیجتے، میں اور وہ دونوں مل کر اس کو نمٹا دیتے۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن زید ؓ کہتے ہیں کہ میرے بائیں بازو میں زخم آیا اور خون تھمتا[۵] نہ تھا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر پٹّی باندھ لو، میری والدہ آئیں، اپنی کمر سے کچھ کپڑا نکالا، پٹّی باندھی اور باندھ کر کہنے لگیں کہ جا کافروں سے مقابلہ کر۔ حضور اقدس ﷺ اس منظر کو دیکھ رہے تھے، فرمانے لگے: اُمّ عُمارہ! اتنی ہمت کون رکھتا ہوگا، جتنی تُو رکھتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس دوران

حل لغات: ① شروع۔ ② کپڑے کے ٹکڑے۔ ③ موٹی۔ ④ لوہے کا کرتا جو لڑائی میں پہنتے ہیں۔ ⑤ رُکتا نہ تھا۔

میں ان کو اور ان کے گھرانے کو کئی بار دُعائیں بھی دیں اور تعریف بھی فرمائی۔ اُم عمارہ ؓ کہتی ہیں کہ اسی وقت ایک کافر سامنے آیا تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ یہی ہے، جس نے تیرے بیٹے کو زخمی کیا ہے۔ میں بڑھی اور اس کی پنڈلی پر وار کیا جس سے وہ زخمی ہوا اور ایک دم بیٹھ گیا، حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ بیٹے کا بدلہ لے لیا۔ اس کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے اور اس کو نمٹا دیا[1]۔ حضور ﷺ نے جب ہم لوگوں کو دعائیں دیں، تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! دُعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جنت میں آپ کی رفاقت[2] نصیب فرمائیں، جب حضور ﷺ نے اس کی دعا فرمادی، تو کہنے لگیں کہ اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا مصیبت گذری۔ اُحد کے علاوہ اور بھی کئی لڑائیوں میں ان کی شرکت اور کارنامے ظاہر ہوئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے وصال[3] کے بعد جب ارتداد[4] کا زور[5] شور ہوا اور یمامہ میں زبردست لڑائی ہوئی، اس میں بھی امّ عُمارہ ؓ شریک تھیں، ان کا ایک ہاتھ بھی اس میں کٹ گیا تھا اور اس کے علاوہ گیارہ[11] زخم بدن پر آئے تھے، انہیں زخموں کی حالت میں مدینہ طیبہ پہونچیں۔ [طبقات]

فائدہ: ایک عورت کے یہ کارنامے ہیں، جن کی عمر اُحد کی لڑائی میں تینتالیس[43] برس کی تھی، جیسا کہ پہلے گزرا اور یمامہ کی لڑائی میں تقریباً باون[52] برس کی، اس عمر میں ایسے معرکوں[6] کی اس طرح شرکت کرامت ہی کہی جاسکتی ہے۔

⑮ حضرت اُمِّ حکیم ؓ کا اسلام اور جنگ میں شرکت

اُمّ حکیم بنت حارث ؓ جو عکرمہ ابن ابی جہل کی بیوی تھیں اور کفار کی طرف سے اُحد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئی تھیں۔ جب مکّہ مکرمہ فتح ہوگیا، تو مسلمان ہوگئیں۔ خاوند سے بہت زیادہ محبت تھی، مگر وہ اپنے باپ کے اثر کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جب مکّہ فتح ہوگیا، تو یمن بھاگ گئے تھے۔ انھوں نے حضور ﷺ سے اپنے خاوند کے لیے امن چاہا اور خود یمن پہونچیں۔ خاوند کو بڑی مشکل سے واپس آنے پر راضی کیا اور کہا کہ محمد ﷺ کی تلوار سے ان کے دامن ہی میں پناہ مل سکتی ہے، تم میرے ساتھ چلو۔ وہ مدینہ طیبہ واپس آکر مسلمان ہوئے اور دونوں میاں بیوی خوش وخُرّم رہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے زمانۂ خلافت میں جب روم کی لڑائی ہوئی، تو اس میں عکرمہ ؓ بھی شریک ہوئے اور یہ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت عکرمہ ؓ اس میں شہید ہوگئے تو خالد بن سعید ؓ نے ان سے نکاح کرلیا اور اسی سفر میں مَرْجُ الصُّفَّر ایک جگہ کا نام ہے، وہاں رخصتی کا ارادہ کیا۔ بیوی نے کہا کہ ابھی دشمنوں کا جمگھٹا[7] ہے، اس کو نمٹنے دیجیے۔ خاوند نے کہا: مجھے اس معرکہ[8] میں اپنے شہید ہونے کا یقین ہے، وہ بھی چپ ہوگئیں اور وہیں ایک منزل پر خیمہ میں رخصتی ہوئی، صبح کو ولیمہ کا انتظام ہو ہی رہا تھا کہ

حل لغات: (۱) قتل کردینا۔ (۲) ساتھ۔ (۳) انتقال۔ (۴) اسلام سے پھر جانا۔ (۵) تیزی سے پھیلنا۔ (۶) جنگوں۔ (۷) مجمع۔ (۸) لڑائی۔

رومیوں کی فوج چڑھ آئی اور گھمسان کی لڑائی ہوئی، جس میں خالد بن سعید ﷺ شہید ہوئے۔ اُم حکیم ﷺ نے اس خیمہ کو اُکھاڑا جس میں رات گذری تھی اور اپنا سب سامان باندھا اور خیمہ کا کھونٹا لے کر خود بھی مقابلہ کیا اور سات آدمیوں کو تنِ تنہا قتل کیا۔ [اُسد الغابہ]

فائدہ: ہمارے زمانہ کی کوئی عورت تو درکنار، مرد بھی ایسے وقت میں نکاح کو تیار نہ ہوتا اور اگر نکاح ہو بھی جاتا، تو اس اچانک شہادت پر روتے روتے نہ معلوم کتنے دن سوگ میں گذرتے، اس اللہ کی بندی نے خود بھی جہاد شروع کر دیا اور عورت ہو کر سات آدمیوں کو قتل کیا۔

⑯ حضرت سُمَیَّہ اُمِّ عمّار ﷺ کی شہادت

سُمَیَّہ بنت خیّاط ﷺ حضرت عمّار ﷺ کی والدہ تھیں، جن کا قصہ پہلے باب کے ساتویں نمبر پر گذر چکا ہے۔ یہ بھی اپنے لڑکے حضرت عمار ﷺ اور اپنے خاوند حضرت یاسر ﷺ کی طرح اسلام کی خاطر قسم قسم کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتی تھیں، مگر اسلام کی سچی محبت جو دل میں گھر کر چکی تھی، اس میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔ ان کو گرمی کے سخت وقت دھوپ میں کنکریوں پر ڈالا جاتا تھا اور لوہے کی زِرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کیا جاتا تھا، تاکہ دھوپ سے لوہا تپنے لگے اور اس کی گرمی سے تکلیف میں زیادتی ہو۔ حضور اقدس ﷺ کا ادھر کو گذر ہوتا، تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کا وعدہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت سُمَیَّہ ﷺ کھڑی تھیں کہ ابوجہل کا ادھر کو گذر ہوا، بُرا بھلا کہا اور غصہ میں برچھا شرمگاہ پر مارا، جس کے زخم سے انتقال فرما گئیں۔ اسلام کی خاطر سب سے پہلی شہادت انہیں کی ہوئی۔ [اُسد الغابہ]

فائدہ: عورتوں کا اس قدر صبر، ہمت اور اِستقلال قابلِ رشک ہے، لیکن بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں کوئی چیز گھر کر جاتی ہے، تو اس کو ہر بات سہل ہو جاتی ہے۔ اب بھی عشق کے بیسیوں قصے اس قسم کے سننے میں آتے ہیں کہ جان دے دی، مگر یہی جان دینا اگر اللہ کے راستہ میں ہو، دین کی خاطر ہو، تو دوسری زندگی میں جو مرنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے، سُرخ رُوئی کا سبب ہے اور اگر کسی دنیاوی غرض سے ہو، تو دنیا تو گئی تھی ہی، آخرت بھی برباد ہوئی۔

⑰ حضرت اَسماء بنت ابوبکر ﷺ کی زندگی اور تنگی

حضرت اَسماء بنت ابی بکر ﷺ، حضرت ابوبکر ﷺ کی بیٹی اور عبداللہ بن زبیر ﷺ کی والدہ اور حضرت عائشہ ﷺ کی سوتیلی بہن، مشہور صحابیات میں ہیں۔ شروع ہی میں مسلمان ہو گئیں تھیں۔ کہتے ہیں کہ سترہ آدمیوں کے بعد یہ مسلمان ہوئی تھیں۔ ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں اور جب حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہونچ گئے، تو حضرت زید ﷺ وغیرہ کو

حل لغات: (۱) زبردست۔ (۲) غم۔ (۳) بسنا۔ (۴) لوہے کا لباس۔ (۵) جماؤ۔ (۶) تمنا کیے جانے کے لائق۔ (۷) کامیابی۔

بھیجا کہ ان دونوں حضرات کے اہل[1] وعیال کو لے آئیں، ان کے ساتھ ہی حضرت اسماء ﷺ بھی چلی آئیں، جب قُبا میں پہونچیں تو حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ پیدا ہوئے اور ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش ان کی ہوئی۔ اس زمانہ کی عام غربت، تنگ دستی، فقر و فاقہ مشہور و معروف ہے اور اس کے ساتھ ہی اس زمانہ کی ہمت، جفاکشی[2]، بہادری، جرأت ضرب المثل[3] ہیں۔ بخاری میں حضرت اسماء ﷺ کا طرزِ زندگی[4] خود ان کی زبان سے نقل کیا ہے: فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح زبیر ﷺ سے ہوا، تو ان کے پاس نہ مال تھا، نہ جائداد، نہ کوئی خادم کام کرنے والا، نہ کوئی اور چیز، ایک اونٹ پانی لاد کر لانے والا اور ایک گھوڑا، میں ہی اونٹ کے لیے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر دانہ کے طور پر کھلاتی تھی، خود میں پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا، تو اس کو آپ ہی سیتی تھی اور خود ہی گھوڑے کی ساری خدمت، گھاس دانہ وغیرہ کرتی تھی اور گھر کا سارا کاروبار بھی انجام دیتی تھی؛ مگر ان سب کاموں میں گھوڑے کی خبر گیری اور خدمت میرے لیے زیادہ مشقت کی چیز تھی۔ روٹی البتہ مجھے اچھی طرح پکانا نہیں آتی تھی، تو میں آٹا گوندھ کر اپنے پڑوس کی انصار عورتوں کے یہاں لے جاتی، وہ بڑی سچی مخلص عورتیں تھیں، میری روٹی بھی پکا دیتی تھیں۔ حضور اقدس ﷺ نے مدینہ پہونچنے پر زبیر ﷺ کو ایک زمین جاگیر کے طور پر دے دی، جو دو میل کے قریب تھی، میں وہاں سے اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیاں لاد کر لایا کرتی تھی۔ میں ایک مرتبہ اسی طرح آرہی تھی اور گٹھری میرے سر پر تھی، راستہ میں حضور اقدس ﷺ مل گئے، اونٹ پر تشریف لا رہے تھے اور انصار کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر اونٹ ٹھہرایا اور اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا، تاکہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی اور یہ بھی خیال آیا کہ زبیر کو غیرت بہت ہی زیادہ ہے، ان کو بھی یہ ناگوار ہو گا۔ حضور اقدس ﷺ میرے اندازے سے سمجھ گئے کہ مجھے اس پر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے، میں گھر آئی اور زبیر ﷺ کو قصہ سنایا کہ اس طرح حضور ﷺ ملے اور یہ ارشاد فرمایا، مجھے شرم آئی اور تمہاری غیرت کا بھی خیال آیا۔ زبیر ﷺ نے کہا کہ خدا کی قسم! تمہارا گٹھلیاں سر پر رکھ کر لانا میرے لیے اس سے بہت زیادہ گراں[5] ہے۔ (مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ حضرات خود تو زیادہ تر جہاد میں اور دین کے دوسرے اُمور میں مشغول رہتے تھے، اس لیے گھر کے کاروبار عام طور پر عورتوں ہی کو کرنا پڑتے تھے)۔ اس کے بعد میرے باپ حضرت ابوبکر ﷺ نے ایک خادم، جو حضور ﷺ نے ان کو دیا تھا، میرے پاس بھیج دیا، جس کی وجہ سے گھوڑے کی خدمت سے مجھے خلاصی[6] ملی، گویا بڑی قید سے میں آزاد ہو گئی۔ [بخاری، فتح]

فائدہ: عرب کا دستور پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر یا چکّی میں دَل[7] کر پھر پانی میں بھگو کر جانوروں کو دانہ کے طور پر کھلاتے ہیں۔

حل لغات: (۱) گھر والے۔ (۲) محنت۔ (۳) بہت مشہور۔ (۴) زندگی گذارنے کا انداز۔ (۵) ناپسند۔ (۶) چھٹکارا۔ (۷) پیس کر۔

⑱ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ہجرت کے وقت مال لے جانا اور حضرت اسماء ؓ کا اپنے دادا کو اطمینان دلانا

جب حضرت ابوبکر ؓ ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے، تو اس خیال سے کہ نہ معلوم راستہ میں کیا ضرورت درپیش[1] ہو کہ حضور اقدس ﷺ بھی ساتھ تھے، اس لیے جو کچھ مال اس وقت موجود تھا، جس کی مقدار پانچ چھ ہزار درہم تھی، وہ سب ساتھ لے گئے تھے۔ ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکر ؓ کے والد ابوقحافہ جو نابینا ہو گئے تھے، اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، پوتیوں کے پاس تسلّی کے لیے آئے، آ کر افسوس سے کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ ابوبکر نے اپنے جانے کا صدمہ بھی تم کو پہونچایا اور مال بھی شاید سب لے گیا کہ یہ دوسری مشقت تم پر ڈالی۔ اسماء ؓ کہتی ہیں: میں نے کہا: نہیں دادے ابا، وہ تو بہت کچھ چھوڑ کر گئے ہیں، یہ کہہ کر میں نے چھوٹی چھوٹی پتھریاں جمع کر کے گھر کے اس طاق[2] میں بھر دیں، جس میں حضرت ابوبکر ؓ کے درہم پڑے رہتے تھے اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادے کا ہاتھ اس کپڑے پر رکھ دیا، جس سے انھوں نے ہاتھ سے یہ اندازہ کیا کہ یہ درہم بھرے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے: خیر یہ اس نے اچھا کیا، تمہارے گذارہ کی صورت اس میں ہو جائے گی۔ اسماء ؓ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم! کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا، مگر میں نے دادے کی تسلّی کے لیے یہ صورت اختیار کی کہ ان کو اس کا صدمہ نہ ہو۔ [مسند احمد]

فائدہ: یہ دل گردہ[3] کی بات ہے، ورنہ دادے سے زیادہ ان لڑکیوں کو صدمہ ہونا چاہیے تھا اور جتنی بھی شکایت اس وقت دادا کے سامنے کرتیں، درست تھا کہ اس وقت کا ظاہری سہارا ان پر ہی تھا، ان کے متوجہ کرنے کی بظاہر بہت ضرورت تھی کہ ایک تو باپ کی جدائی، دوسرے گذارہ[4] کی کوئی صورت ظاہراً نہیں، پھر مکّہ والے عام طور سے دشمن اور بے تعلق؛ مگر اللہ جلّ شانہٗ نے ایک ایک ادا اُن سب حضرات کو مرد ہوں یا عورت، ایسی عطا فرمائی تھی کہ رشک آنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اوّل میں نہایت مالدار اور بہت بڑے تاجر تھے، لیکن اسلام کی اور اللہ کی راہ میں یہاں تک خرچ فرمایا کہ غزوۂ تبوک میں جو کچھ گھر میں تھا، سب ہی کچھ لا دیا۔ جیسا کہ چھٹے باب کے چوتھے قصے میں مُفصّل گذرا ہے۔ اِسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہونچایا، جتنا ابوبکر کے مال نے، میں ہر شخص کے احسانات کا بدلہ دے چکا ہوں، مگر ابوبکر کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی دیں گے۔

⑲ حضرت اَسماء ؓ کی سخاوت

حضرت اَسماء ؓ بڑی سخی تھیں، اوّل جو کچھ خرچ کرتی تھیں، اندازہ سے ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں، مگر جب حضور اقدس ﷺ

حل لغات: (۱) پیش آنا۔ (۲) الماری۔ (۳) ہمت۔ (۴) خرچ۔

نے ارشاد فرمایا کہ باندھ باندھ کر نہ رکھا کرو اور حساب نہ لگایا کرو، جتنا بھی قدرت[1] میں ہو خرچ کیا کرو، تو پھر خوب خرچ کرنے لگیں۔ اپنی بیٹیوں اور گھر کی عورتوں کو نصیحت کیا کرتی تھیں کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور صدقہ کرنے میں ضرورت سے زیادہ ہونے اور بچنے کا انتظار نہ کیا کرو، کہ اگر ضرورت سے زیادتی کا انتظار کرتی رہو گی، تو ہونے کا ہی نہیں (کہ ضرورت خود بڑھتی رہتی ہے) اور اگر صدقہ کرتی رہو گی، تو صدقہ میں خرچ کر دینے سے نقصان میں نہ رہو گی۔ [طبقات]

فائدہ: ان حضرات کے پاس جتنی تنگی اور ناداری[2] تھی، اتنی ہی صدقہ و خیرات اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گنجائش اور وسعت تھی۔ آج کل مسلمانوں میں افلاس[3] و تنگی کی عام شکایت ہے، مگر شاید ہی کوئی ایسی جماعت نکلے، جو پیٹ پر پتھر باندھ کر گذر کرتی ہو، یا ان پر کئی کئی دن کا مسلسل فاقہ ہو جاتا ہو۔

⑳ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت زینب ؓ کی ہجرت اور انتقال

دو جہان کے سردار حضور اقدس ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب ؓ نبوت کے دس برس پہلے جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف تیس برس کی تھی، پیدا ہوئیں اور خالہ زاد بھائی اُبوالعاص بن رَبیع سے نکاح ہوا۔ ہجرت کے وقت حضور ﷺ کے ساتھ نہ جا سکیں، ان کے خاوند بدر کی لڑائی میں کفار کے ساتھ شریک ہوئے اور قید ہوئے، اہل مکہ نے جب اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیے[4] ارسال[5] کیے، تو حضرت زینب ؓ نے بھی اپنے خاوند کی رہائی کے لیے مال بھیجا، جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ ؓ نے جہیز میں دیا تھا، نبیِ اکرم ﷺ نے اس کو دیکھا، تو حضرت خدیجہ ؓ کی یاد تازہ ہو گئی، آبدیدہ[6] ہوئے اور صحابہ ؓ کے مشورہ سے یہ قرار پایا کہ اُبوالعاص کو بلا فدیہ کے، اس شرط پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ واپس جا کر حضرت زینب ؓ کو مدینہ طیبہ بھیج دیں، حضور ﷺ نے دو آدمی حضرت زینب ؓ کو لینے کے لیے ساتھ کر دیے کہ وہ مکہ سے باہر ٹھہر جائیں اور ان کے پاس تک اُبوالعاص پہونچوا دیں، چنانچہ حضرت زینب ؓ اپنے دیور کِنانہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں۔ کفار کو جب اس کی خبر ہوئی، تو آگ[7] بگولہ ہو گئے اور ایک جماعت مُزاحمت[8] کے لیے پہونچ گئی، جن میں ھبّار بن اسود جو حضرت خدیجہ ؓ کے چچازاد بھائی کا لڑکا تھا اور اس لحاظ سے حضرت زینب ؓ کا بھائی ہوا، وہ اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا، ان دونوں میں سے کسی نے اور اکثروں نے ھبار ہی کو لکھا ہے، حضرت زینب ؓ کے نیزہ مارا، جس سے وہ زخمی ہو کر اونٹ سے گریں، چوں کہ حاملہ تھیں، اس وجہ سے پیٹ سے بچہ بھی ضائع ہوا۔ کِنانہ نے تیروں سے مقابلہ کیا، ابوسفیان نے ان سے کہا کہ محمد (ﷺ) کی بیٹی اور اس طرح علی الاعلان[9] چلی

حل لغات: ① طاقت۔ ② غربت۔ ③ غربت۔ ④ وہ مال یا روپیہ جسے دے کر قیدی کو آزاد کرایا جائے۔ ⑤ بھیجنا۔ ⑥ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ⑦ بہت زیادہ غصہ ہونا۔ ⑧ روکنا۔ ⑨ کھلم کھلا۔

جائے، یہ تو گوارا[1] نہیں، اس وقت واپس چلو پھر چپکے سے بھیج دینا۔ کنانہ نے اس کو قبول کرلیا اور واپس لے آئے، دو ایک روز بعد پھر روانہ کیا۔ حضرت زینب ؓ کا یہ زخم کئی سال تک رہا اور کئی سال اس میں بیمار رہ کر ۸ھ میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھی، جو میری محبت میں ستائی گئی۔ دفن کے وقت نبیٔ اکرم ﷺ خود قبر میں اترے اور دفن فرمایا۔ اُترتے وقت بہت رنجیدہ[2] تھے، جب باہر تشریف لائے تو چہرہ کھلا ہوا تھا۔ صحابہ ؓ نے دریافت کیا، تو ارشاد فرمایا کہ مجھے زینب کے ضعف[3] کا خیال تھا، میں نے دعا کی کہ قبر کی تنگی اور اس کی سختی اُس سے ہٹادی جائے، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔ [خمیس، اُسد الغابہ]

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کی تو صاحبزادی اور دین کی خاطر اتنی مشقت اُٹھائی کہ جان بھی اُسی میں دی، پھر بھی قبر کی تنگی کے لیے حضور ﷺ کی دعا کی ضرورت پیش آئی، تو ہم جیسوں کا کیا پوچھنا، اس لیے آدمی کو اکثر اوقات قبر کے لیے دعا کرنا چاہیے۔ خود نبی اکرم ﷺ تعلیم کی وجہ سے اکثر اوقات عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے: اَللّٰھُمَّ[4] اَحْفَظْنَا مِنْہُ بِمَنِّكَ وَكَرَمِكَ وَفَضْلِكَ.

(۴۱) حضرت رُبَیِّع بنت مُعوِّذ ؓ کی غیرتِ دینی

رُبَیِّع بنت مُعوِّذ ؓ ایک انصاری صحابیہ ہیں۔ اکثر لڑائیوں میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ شریک ہوئی ہیں، زخمیوں کی دوا دارو[5] فرمایا کرتی تھیں اور مقتولین اور شہداء کی نعشیں اُٹھا کر لایا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہوگئی تھیں۔ ہجرت کے بعد شادی ہوئی، حضور اکرم ﷺ بھی شادی کے دن اُن کے گھر تشریف لے گئے تھے، وہاں چند لڑکیاں خوشی میں شعر پڑھ رہی تھیں، جن میں انصار کے اسلامی کارنامے اور ان کے بڑوں کا ذکر تھا، جو بدر کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے یہ مصرع بھی پڑھا: "وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَّعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ" (ہم میں ایک ایسے نبی ہیں، جو آئندہ کی باتوں کو جانتے ہیں) حضور ﷺ نے اس کے پڑھنے کو منع فرمادیا، کیوں کہ آئندہ کے حالات اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ رُبَیِّع کے والد حضرت مُعوِّذ ؓ، ابوجہل کے قتل کرنے والوں میں ہیں، ایک عورت جس کا نام اسماء تھا، عطر بیچا کرتی تھی، وہ ایک مرتبہ چند عورتوں کے ساتھ حضرت رُبَیِّع ؓ کے گھر بھی گئی اور ان سے نام، حال، پتہ وغیرہ جیسے کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے، دریافت[6] کیا۔ انھوں نے بتادیا، اُن کے والد کا نام سُن کر وہ کہنے لگی کہ تُو اپنے سردار کے قاتل کی بیٹی ہے، ابوجہل چوں کہ عرب کا سردار شمار کیا جاتا تھا، اس لیے اپنے سردار کا قاتل کہا۔ یہ سن کر رُبَیِّع ؓ کو غصہ آگیا، کہنے لگیں کہ میں اپنے غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں۔ رُبَیِّع ؓ کو غیرت آئی کہ ابوجہل کو اپنے باپ کا سردار سُنے، اس لیے انھوں نے اپنے غلام کے لفظ سے

حل لغات: (۱) برداشت۔ (۲) اداس۔ (۳) کمزوری۔ (۴) اے اللہ تو اپنے احسان اور فضل وکرم سے عذابِ قبر سے ہماری حفاظت فرما۔ (۵) علاج معالجہ۔ (۶) پوچھنا۔

ذکر کیا۔ اسماء کو ابوجہل کے متعلق غلام کا لفظ سُن کر غصہ آیا اور کہنے لگی کہ مجھ پر حرام ہے کہ تیرے ہاتھ عطر فروخت کروں، رُبَیِّع ؓ نے کہا کہ مجھ پر بھی حرام ہے کہ تجھ سے عطر خریدوں، میں نے تیرے عطر کے سوا کسی عطر میں گندگی اور بدبو نہیں دیکھی۔ [اُسدالغابہ]

فائدہ: رُبَیِّع ؓ کہتی ہیں کہ میں نے بدبو کا لفظ، اس کے جلانے کو کہا تھا۔ یہ حَمِیَّت[1] اور دینی غیرت تھی کہ دین کے اس سخت دشمن کے متعلق وہ سرداری کا لفظ نہ سن سکیں۔ آج کل دین کے بڑے سے بڑے دشمن پر بھی اس سے اونچے اونچے لفظ بولے جاتے ہیں اور کوئی شخص اگر منع کرے تو وہ تنگ[2] نظر بتادیا جاتا ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کو سردار مت کہو، اگر وہ تمہارا سردار ہوگیا، تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ [ابوداؤد]

معلومات: حضور ﷺ کی بیبیاں اور اولاد

اپنے آقا اور دو جہان کے سردار حضور اقدس ﷺ کی بیبیوں اور اولاد کا حال معلوم کرنے کا اشتیاق[3] ہوا کرتا ہے اور ہر مسلمان کو ہونا چاہیے بھی، اس لیے مختصر حال ان کا لکھا جاتا ہے کہ تفصیلی حالات کے لیے تو بڑی ضخیم[4] کتاب چاہیے۔ حضور اقدس ﷺ کا نکاح جن پر مُحدِّثین اور مُؤرِّخین کا اتفاق ہے، گیارہ[11] عورتوں سے ہوا۔ اس سے زیادہ میں اختلاف ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان سب میں پہلا نکاح حضرت خدیجہ ؓ سے ہوا، جو بیوہ تھیں۔ حضور ﷺ کی عمر شریف اس وقت پچیس[25] برس کی تھی اور حضرت خدیجہ ؓ کی عمر چالیس[40] برس کی تھی۔ حضور ﷺ کی اولاد بھی بجز حضرت ابراہیم ؓ کے، سب انہیں سے ہوئی، جن کا بیان بعد میں آئے گا۔

① حضرت خدیجہ ؓ کے حالات

حضرت خدیجہ ؓ کے نکاح کی سب سے اوّل تجویز وَرَقہ ابن نَوفل سے ہوئی تھی، مگر نکاح کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد دو شخصوں سے نکاح ہوا۔ اہلِ تاریخ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس سے ہوا؟ اکثر کی رائے یہ ہے کہ پہلے عَتِیق بن عائذ سے ہوا، جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جن کا نام "ھِنْد" تھا اور وہ بڑی ہوکر مسلمان ہوئیں اور صاحبِ اولاد بھی اور بعضوں نے لکھا ہے کہ عَتِیق سے ایک لڑکا بھی ہوا، جس کا نام عبداللہ یا عبدِ مُناف تھا۔ عَتِیق کے بعد پھر حضرت خدیجہ ؓ کا نکاح ابوہالہ سے ہوا، جن سے ھِند اور ہالہ دو اولاد ہوئیں۔ اکثروں نے کہا ہے کہ دونوں لڑکے تھے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ ھِند لڑکا ہے اور ہالہ لڑکی۔ ہند حضرت علی ؓ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے۔ ابوہالہ کے انتقال کے بعد حضور اقدس ﷺ سے نکاح ہوا، جس وقت کہ حضرت خدیجہ ؓ کی عمر چالیس[40] برس کی تھی۔ نکاح کے بعد پچیس[25] برس حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں اور رمضان ۱۰ھ میں پینسٹھ[65] برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضور اقدس ﷺ کو ان سے بے حد محبت

حل لغات: ① غیرت، شرم۔ ② کم ظرف، کمینہ۔ ③ شوق۔ ④ بہت بڑی۔

تھی اور ان کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ان کا لقب اسلام سے پہلے ہی سے "طاہرہ" تھا، اسی وجہ سے ان کی اولاد جو دوسرے خاوندوں سے ہے وہ بھی "بنُو الطاہرہ" کہلاتی ہے۔ ان کے فضائل حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ہیں۔ ان کے انتقال پر حضور اقدس ﷺ نے خود قبرِ مبارک میں اُتر کر ان کو دفن فرمایا تھا۔ نمازِ جنازہ اس وقت تک مشروع[1] نہیں ہوئی تھی۔ ان کے بعد اسی سال شوال میں حضرت عائشہ ؓ اور حضرت سودہ ؓ سے نکاح ہوا، اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں میں کس کا نکاح پہلے ہوا؟ بعض مؤرخین نے حضرت عائشہ ؓ سے نکاح پہلے ہونا لکھا ہے اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت سودہ ؓ سے پہلے ہوا، بعد میں حضرت عائشہ ؓ سے۔

② حضرت سَوْدَہ ؓ کے حالات

حضرت سَوْدَہ ؓ بھی بیوہ تھیں، ان کے والد کا نام زَمْعَہ بن قیس ہے، پہلے سے اپنے چچازاد بھائی سکران بن عَمرو ؓ کے نکاح میں تھیں، دونوں مسلمان ہوئے اور ہجرت فرما کر حبشہ تشریف لے گئے اور حبشہ میں سکران کا انتقال ہوگیا، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مکّہ واپس آکر انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد ۱۰ھ نبوی میں حضرت خدیجہ ؓ کے انتقال کے کچھ دنوں بعد، ان سے نکاح ہوا اور رخصتی حضرت عائشہ ؓ کی رخصتی سے، سب کے نزدیک پہلے ہی ہوئی۔ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ تو کثرت سے نماز میں مشغول رہنا تھی ہی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے انھوں نے عرض کیا کہ رات آپ نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ مجھے اپنی ناک سے نکسیر[2] نکلنے کا ڈر ہو گیا۔ (یہ بھی حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں، چوں کہ بدن کی بھاری تھیں، اس وجہ سے اور بھی مشقت ہوئی ہوگی) ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے خاوند کی خواہش نہیں، مگر یہ تمنّا ہے کہ جنت میں حضور ﷺ کی بیویوں میں داخل رہوں، اس لیے مجھے آپ طلاق نہ دیں، میں اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں، اس کو حضور ﷺ نے قبول فرمالیا اور اس وجہ سے ان کی باری کا دن حضرت عائشہ ؓ کے حصّہ میں آتا تھا۔ ۵۴ھ یا ۵۵ھ میں اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمر ؓ کے اخیر زمانۂ خلافت میں وفات پائی۔ ان کے علاوہ ایک سودہ اور بھی ہیں، جو قریش ہی کی ہیں، حضور ﷺ نے ان سے نکاح کا ارادہ فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ مجھے ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں، مگر میرے پانچ، چھ بچے ہیں، مجھے یہ بات گراں[3] ہے کہ وہ آپ کے سرہانے روئیں چلائیں۔ حضور ﷺ نے ان کی اس بات کو پسند فرمایا، تعریف کی اور نکاح کا ارادہ ملتوی[4] فرمادیا۔

③ حضرت عائشہ ؓ کے حالات

حضرت عائشہ ؓ سے بھی نکاح مکّہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شوال ۱۰ھ نبوی میں ہوا، جس وقت کہ اُن کی عمر

حل لغات: ① اسلام میں نماز جنازہ کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ ② ناک سے خون بہنا۔ ③ ناپسند۔ ④ ختم کردینا۔

چھ سال کی تھی۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں یہی صرف ایک ایسی ہیں، جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا اور باقی سب سے نکاح بیوگی کی حالت میں ہوا۔ نبوت سے چار سال بعد یہ پیدا ہوئیں اور ہجرت کے بعد جب کہ ان کی عمر کو نواں برس تھا، رخصتی ہوئی اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضور ﷺ کا وصال[1] ہوا اور ۶۶ رسال کی عمر میں ۱۷ رمضان ۵۷ھ کو منگل کی شب میں ان کا وصال ہوا۔ خود ہی وصیت فرمائی تھی کہ مجھے عام قبرستان میں جہاں اور بیبیاں دفن کی گئی ہیں، دفن کیا جائے، حضور ﷺ کے قریب حجرۂ شریفہ میں نہ دفن کیا جائے، چنانچہ بقیع[2] میں دفن کی گئیں۔ عرب میں یہ مشہور تھا کہ شوال کے مہینہ میں نکاح نامبارک ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میرا نکاح بھی شوال میں ہوا، رخصتی بھی شوال میں ہوئی۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں کون سی مجھ سے زیادہ نصیبہ[3] ور اور حضور ﷺ کی محبوبہ تھی؟

حضرت خدیجہ ؓ کے انتقال کے بعد خولہ ؓ، حکیم کی بیٹی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نکاح نہیں کرتے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: کس سے؟ عرض کیا: کنواری بھی ہے، بیوہ بھی ہے، جو منظور ہو، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: تو عرض کیا کہ کنواری تو آپ کے سب سے زیادہ دوست ابوبکر کی لڑکی ''عائشہ'' ہے اور بیوہ ''سودہ بنت زمعہ''۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تذکرہ کر کے دیکھ لو، وہ وہاں سے حضرت ابوبکر ؓ کے گھر آئیں اور حضرت عائشہ ؓ کی والدہ اُمِّ رومان ؓ سے عرض کیا کہ میں ایک بڑی خیر و برکت لے کر آئی ہوں، دریافت کرنے پر کہا کہ حضور ﷺ نے مجھے عائشہ سے منگنی کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اُمِّ رومان ؓ نے کہا: وہ تو ان کی بھتیجی ہے، اس سے کیسے نکاح ہوسکتا ہے؟ اچھا ابوبکر ؓ کو آنے دو۔ حضرت ابوبکر ؓ اس وقت گھر پر موجود نہ تھے، ان کے تشریف لانے پر ان سے بھی یہی ذکر کیا، انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ تو حضور ﷺ کی بھتیجی ہے، حضور ﷺ سے کیسے نکاح ہوسکتا ہے؟ خولہ ؓ نے جا کر حضور ﷺ سے عرض کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے اسلامی بھائی ہیں، ان کی لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے۔ خولہ ؓ واپس ہوئیں اور حضرت ابوبکر ؓ کو جواب سنایا، وہاں کیا دیر تھی؟ کہا: بلا لاؤ، حضور ﷺ تشریف لے گئے اور نکاح ہوگیا۔ ہجرت کے بعد چند مہینے گذر جانے پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے دریافت کیا کہ آپ اپنی بیوی عائشہ ؓ کو کیوں نہیں بلا لیتے؟ حضور ﷺ نے سامان مہیّا[4] نہ ہونے کا عذر فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے نذرانہ[5] پیش کیا، جس سے تیاری ہوئی اور شوال ۱ھ یا ۲ھ میں چاشت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہی کے دولت کدہ[6] پر بنا، یعنی رخصتی ہوئی۔ یہ تین نکاح حضور ﷺ کے ہجرت سے پہلے ہوئے۔ اس کے بعد جتنے نکاح ہوئے وہ ہجرت کے بعد ہوئے۔

حل لغات: ① انتقال۔ ② مدینہ منورہ کا قبرستان۔ ③ خوش قسمت۔ ④ موجود۔ ⑤ تحفہ۔ ⑥ گھر۔

④ حضرت حفصہ ؓ کے حالات

حضرت عائشہ ؓ کے بعد حضرت عمر ؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہ ؓ سے نکاح ہوا۔ حضرت حفصہ ؓ نبوت سے پانچ برس قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح مکہ ہی میں خُنَیس بن حُذَافہ ؓ سے ہوا، یہ بھی پرانے مسلمان ہیں، جنھوں نے اوّل حبشہ کی ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ بدر میں بھی شریک ہوئے اور اسی لڑائی میں یا اُحد کی لڑائی میں، ان کے ایسا زخم آیا جس سے اچھے نہ ہوئے اور ۲ھ یا ۳ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت حفصہ ؓ بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ ہی آ گئی تھیں۔ جب بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمر ؓ نے اوّل حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے درخواست کی کہ میں حفصہ کا نکاح تم سے کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے سکوت[1] فرمایا، اس کے بعد حضرت عثمان ؓ کی اہلیہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ ؓ کا جب انتقال ہوا، تو حضرت عثمان ؓ سے ذکر فرمایا، انہوں نے فرمادیا کہ میرا تو اس وقت نکاح کا ارادہ نہیں، حضور ﷺ سے حضرت عمر ؓ نے اس کی شکایت کی، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حفصہ کے لیے عثمان سے بہتر خاوند اور عثمان کے لیے حفصہ سے بہتر بیوی بتاتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت حفصہ ؓ سے ۲ھ یا ۳ھ میں خود نکاح کیا اور حضرت عثمان ؓ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثوم ؓ سے کردیا۔ ان کے پہلے خاوند کے انتقال میں مُؤرِّخین کا اختلاف ہے کہ بدر کے زخم سے شہید ہوئے یا اُحد کے۔ بدر ۲ھ میں ہے اور اُحد ۳ھ میں، اسی وجہ سے ان کے نکاح میں بھی اختلاف ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت عمر ؓ سے فرمایا کہ جب تم نے حفصہ ؓ کے نکاح کا ذکر کیا تھا اور میں نے سکوت کیا تھا، تمہیں اس وقت ناگواری[2] ہوئی ہوگی، مگر چوں کہ حضور اقدس ﷺ ان سے نکاح کا تذکرہ فرما چکے تھے، اس لیے نہ تو میں قبول کرسکتا تھا اور نہ حضور ﷺ کے راز کو ظاہر کرسکتا تھا، اس لیے سکوت کیا تھا، اگر حضور ﷺ ارادہ ملتوی[3] فرمادیتے، تو میں ضرور کرلیتا۔ حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ابوبکر کے سکوت کا حضرت عثمان ؓ کے انکار سے بھی زیادہ رنج[4] تھا۔

حضرت حفصہ ؓ بڑی عابدہ زاہدہ تھیں، رات کو اکثر جاگتی تھیں اور دن میں کثرت سے روزہ رکھا کرتی تھیں۔ کسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے ان کو ایک طلاق بھی دی تھی، جس کی وجہ سے حضرت عمر ؓ کو بہت رنج ہوا اور ہونا بھی چاہیے تھا۔ حضرت جبرئیل ؑ تشریف لائے اور عرض کیا: اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ حفصہ سے رجوع کرلو، یہ بڑی شب[5] بیدار اور کثرت سے روزہ رکھنے والی ہیں اور عمر کی خاطر[6] بھی منظور ہے، اس لیے حضور ﷺ نے رجوع[7] فرمالیا۔ جمادی الاولیٰ ۴۵ھ میں جب کہ ان کی عمر تقریباً ۶۳ برس کی

حل لغات: ① خاموشی۔ ② بُرا لگنا۔ ③ ختم۔ ④ غم۔ ⑤ رات بھر عبادت کرنے والی۔ ⑥ دلداری۔ ⑦ نکاح میں واپس لے لیا۔

تھی، مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ بعض نے ان کا انتقال ۴۱ھ میں اور عمر ساٹھ برس کی لکھی ہے۔

⑤ حضرت زینب بنتِ خُزَیمہ رضی اللہ عنہا کے حالات

ان کے بعد حضور ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا خُزَیمہ کی بیٹی، جن کے پہلے نکاح میں اختلاف ہے، بعض نے لکھا ہے کہ پہلے عبداللہ بن جَحش رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا تھا، جب وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے، جن کا قصہ باب: ۷ر کی پہلی حدیث میں گذرا، تو حضور ﷺ نے نکاح کیا اور بعض نے لکھا کہ اُن کا پہلا نکاح طُفَیل بن حارث سے ہوا تھا، ان کے طلاق دینے کے بعد ان کے بھائی عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے ہوا، جو بدر میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ سے ہجرت کے اکتیس مہینے بعد رمضان ۳ھ میں ہوا۔ آٹھ مہینے حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا دو ہی بیبیاں ایسی ہیں جن کا وصال حضور ﷺ کے سامنے ہوا، باقی ۹ر حضور ﷺ کے وصال[1] کے وقت تک زندہ تھیں، جن کا بعد میں انتقال ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی سخی[2] تھیں، اسی وجہ سے ان کا نام اسلام سے پہلے بھی ''اُمُّ الْمَسَاکِیْن'' (مسکینوں کی ماں) تھا۔

⑥ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے حالات

ان کے بعد حضور اقدس ﷺ کا نکاح حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا ابو اُمَیّہ کی بیٹی تھیں، جن کا پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، جن کا نام عبداللہ بن عبدالاسد تھا، دونوں میاں بیوی ابتدائی مسلمانوں میں ہیں، کُفّار کے ہاتھ سے تنگ آکر اوّل دونوں نے حبشہ کی ہجرت کی، وہاں جاکر ایک لڑکا پیدا ہوا، جن کا نام سلمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ کی ہجرت کی، جس کا قصہ اسی باب کے ۵ر پر مفصّل گذر چکا ہے۔ مدینہ منورہ پہونچ کر ایک لڑکا عمر اور دو لڑکیاں دُرّہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ دس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ بدر اور اُحد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے تھے۔ اُحد کی لڑائی میں ایک زخم آگیا تھا، جس کی وجہ سے بہت تکلیف اُٹھائی۔ اس کے بعد صفر ۴ھ میں ایک سَرِیَّہ[3] میں تشریف لے گئے، تو واپسی پر وہ زخم پھر ہرا ہوگیا اور اسی میں ۸ر جمادی الاخری ۴ھ میں انتقال کیا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اس وقت حاملہ تھیں اور زینب رضی اللہ عنہا پیٹ میں تھیں، جب وہ پیدا ہوئیں تو عدت[4] پوری ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کی خواہش فرمائی، تو انھوں نے عذر[5] کردیا۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ارادہ فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ میرے بچے بھی ہیں اور میرے مزاج میں

حل لغات: ① انتقال۔ ② بہت خیرات کرنے والی۔ ③ وہ جنگ جس میں حضور ﷺ نے خود شرکت نہ کی ہو، بلکہ کسی صحابی کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجا ہو۔ ④ وہ مدت جس میں عورت نکاح نہیں کرسکتی۔ ⑤ انکار۔

غیرت کا مضمون بہت ہے اور میرا کوئی ولی یہاں[1] ہے نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچوں کا اللہ محافظ ہے اور یہ غیرت بھی ان شاء اللہ جاتی رہے گی اور کوئی ولی اس کو ناپسند نہیں کرے گا؛ تو انھوں نے اپنے بیٹے سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ سے میرا نکاح کردو۔ اخیر شوال ۴ھ میں حضور ﷺ سے نکاح ہوا، بعض نے ۳ھ میں اور بعض نے ۲ھ میں لکھا ہے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا تھا کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہونچے اور وہ یہ دعا کرے: "اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْنِیْ خَیْرًا مِّنْھَا" "اے اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر[2] عطا فرما اور اس کا نعم البدل[3] نصیب فرما" تو اس کو اللہ جلّ شانہٗ بہترین بدل عطا فرماتے ہیں۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے مرنے پر میں یہ دعا تو پڑھ لیتی، مگر یہ سوچتی تھی کہ ابوسلمہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟ اللہ نے حضور ﷺ سے نکاح کرادیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کے حُسن کی بہت شہرت تھی، جب نکاح ہوگیا تو میں نے چھپ کر حجلہ[4] سے جاکر دیکھا، تو جیسا سُنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا، انھوں نے کہا: نہیں ایسی حسین نہیں ہیں، جتنی شہرت ہے۔ اُمہات المؤمنین میں سب سے اخیر میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ھ یا ۶۲ھ میں ہوا۔ اس وقت ۸۴ر سال کی عمر تھی۔ اس لحاظ سے نبوت سے تقریباً ۹ر برس پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت زینب بنت خُزَیمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان سے نکاح ہوا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان میں مُقیم[5] ہوئیں۔ انھوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جَو رکھے ہیں اور ایک چکّی اور ہانڈی بھی۔ انھوں نے جَو خود پیسے اور چکنائی ڈال کر ملیدہ تیار کیا اور پہلے ہی دن حضور ﷺ کو وہ ملیدہ کھلایا، جو نکاح کے دن اپنے ہی ہاتھ سے پکایا تھا۔

⑦ حضرت زَیْنَب بنتِ جَحْش رضی اللہ عنہا کے حالات

ان کے بعد حضور اقدس ﷺ کا نکاح زینب بنت جَحْش رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ یہ حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کا پہلا نکاح حضور ﷺ نے اپنے متبنّیٰ[6] حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ ان کے طلاق دینے کے بعد اللہ جلّ شانہٗ نے خود ان کا نکاح حضور ﷺ سے کردیا، جس کا قصہ سورۂ احزاب میں بھی ہے، اس وقت ان کی عمر پینتیس[7] سال کی تھی۔ مشہور قول کے موافق ذی قعدہ ۵ھ میں نکاح ہوا، بعض نے ۳ھ میں لکھا ہے، مگر صحیح ۵ھ ہے اور اس حساب سے نبوت سے گویا ۱۷ر سال قبل ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کو اس پر فخر تھا کہ سب عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء[8] نے کیا اور ان کا نکاح اللہ جلّ شانہٗ نے کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جب ان کو طلاق دی اور عدّت[9] پوری ہوگئی، تو حضور ﷺ نے ان کے پاس پیام بھیجا۔ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی، جب تک اپنے اللہ سے

حل لغات: ① سرپرست، ذمہ دار۔ ② ثواب۔ ③ اچھا بدل۔ ④ بہانا۔ ⑤ رہنے لگیں۔ ⑥ منہ بولے بیٹے۔ ⑦ سرپرستوں۔ ⑧ وہ مدت جس میں عورت نکاح نہیں کرسکتی۔

مشورہ نہ کرلوں اور یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور یہ دعا کی کہ یا اللہ! تیرے رسول مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، اگر میں ان کے قابل ہوں تو میرا نکاح ان سے فرمادے۔ ادھر حضور ﷺ پر قرآن شریف کی آیت ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ [سورۂ احزاب: ۳۷] نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے خوشخبری بھیجی، حضرت زینب ؓ خوشی کی وجہ سے سجدہ میں گرگئیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کے نکاح کا ولیمہ بڑی شان سے کیا: بکری ذبح کی اور گوشت روٹی کی دعوت فرمائی۔ ایک ایک جماعت کو بلایا جاتا تھا اور جب وہ فارغ ہوجاتی تھی، تو دوسری جماعت اسی طرح بلائی جاتی، حتیٰ کہ سب ہی لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ حضرت زینب ؓ بڑی سخی[1] تھیں اور بڑی محنتی، اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور جو حاصل ہوتا وہ صدقہ کردیتیں۔ ان ہی کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ سے سب سے پہلے مرنے کے بعد وہ ملے گی، جس کا ہاتھ لانبا ہوگا، بیبیاں ظاہری لمبائی سمجھیں اس لیے لکڑی لے کر سب کے ہاتھ ناپنے شروع کردیے، دیکھنے میں حضرت سودہ ؓ کا ہاتھ سب سے لانبا ملا، مگر جب حضرت زینب ؓ کا انتقال سب سے پہلے ہوا؛ جب یہ سمجھیں کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ کی کثرت تھی۔ روزے بھی بہت زیادہ رکھتی تھیں، ۲۰ھ میں انتقال فرمایا، حضرت عمر ؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پچاس ۵۰ برس کی عمر تھی۔ ان کا قصہ اسی باب کے ۱۰ ار پر بھی گذرا ہے۔

⑧ حضرت جُوَیریہ ؓ کے حالات

ان کے بعد آپ ﷺ کا نکاح حضرت جُوَیریہ بنت الحارث بن ابی ضرار ؓ سے ہوا۔ یہ غزوۂ مُرَیسیع میں قید ہوکر آئی تھیں اور غنیمت میں حضرت ثابت بن قیس ؓ کے حصہ میں آئیں۔ قید ہونے سے پہلے مُسافِع ابن صفوان کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ثابت ؓ نے ان کو ۹ اُوقیہ سونے پر مُکاتَب کردیا۔ مُکاتَب اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں: جس سے یہ مقرر کرلیا جاوے کے اتنے دام تم اگر دے دو تو تم آزاد۔ ایک اُوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنے کا، اس حساب سے ۹ اُوقیہ کی قیمت $(\frac{78}{12})$ ہوئی اور چار آنے کا اگر درہم ہو، تو ۹۰ ر ہوئی۔ یہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اپنی قوم کے سردار: حارث کی بیٹی جُوَیریہ ہوں، جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی، آپ کو معلوم ہے۔ اب اتنی مقدار پر میں مُکاتَب ہوئی ہوں اور یہ مقدار میری طاقت سے باہر ہے، آپ کی اُمید پر آئی ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر راستہ بتاؤں کہ تجھے مال ادا کرکے آزاد کرادوں اور تجھ سے نکاح کرلوں؟ ان کے لیے اس سے بہتر کیا تھا؟ بخوشی منظور کرلیا۔ اور ۵ھ میں مشہور قول کے موافق اور بعضوں نے ۶ھ میں اس قصہ کو بتایا ہے؛ نکاح ہوگیا۔ صحابہ ؓ نے جب سنا کہ بنُو المُصْطَلِق حضور ﷺ کی سسرال بن گئی

حل لغات: ① بہت خیرات کرنے والی۔

تو انھوں نے بھی اس رشتہ کے اعزاز[1] میں اپنے اپنے غلام آزاد کر دیے۔ کہتے ہیں کہ ایک حضرت جویریہ ؓ کی وجہ سے سو گھرانے آزاد ہوئے، جن میں تقریباً سات سو آدمی تھے۔ اس قسم کی مصلحتیں حضور ﷺ کے ان سب نکاحوں میں تھیں۔ حضرت جویریہ ؓ نہایت حسین تھیں، چہرے پر ملاحت تھی۔ کہتے ہیں کہ جو نگاہ پڑ جاتی تھی، اٹھتی نہ تھی۔ حضرت جویریہ ؓ نے اس لڑائی سے تین دن پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ یثرب سے ایک چاند چلا اور میری گود میں آ گیا۔ کہتی ہیں کہ جب میں قید ہوئی تو مجھے اپنے خواب کی تعبیر کی اُمید بندھی۔ اس وقت ان کی عمر بیس[20] سال کی تھی اور ربیع الاول ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق پینسٹھ[65] برس کی عمر میں مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا اور بعضوں نے ان کا انتقال ۵۶ھ میں ستر[70] برس کی عمر میں لکھا ہے۔

⑨ حضرت اُمِّ حَبِیبَہ ؓ کے حالات

اُمُّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ ؓ ابوسفیان کی صاحبزادی، ان کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثروں نے ''مرملہ'' اور بعض نے ''ہند'' بتایا ہے۔ ان کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے مکّہ مکرمہ میں ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تھے۔ کفار کی تکالیف کی بدولت[2] وطن چھوڑنا پڑا اور حبشہ کی ہجرت دونوں نے کی۔ وہاں جا کر خاوند نصرانی[3] ہو گیا، یہ اسلام پر باقی رہیں۔ انھوں نے اُسی رات میں اپنے خاوند کو خواب میں نہایت بُری شکل میں دیکھا، صبح کو معلوم ہوا کہ وہ نصرانی ہو گیا ہے، اِس تنہائی میں اِس حالت میں ان پر کیا گزری ہوگی، اللہ ہی کو معلوم ہے؛ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا نعم البدل[4] یہ عطا فرمایا کہ حضور ﷺ کے نکاح میں آ گئیں۔ حضور ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پیام بھیجا کہ ان کا نکاح مجھ سے کر دو، چنانچہ نجاشی نے ایک عورت ابرہہ کو ان کے پاس اس کی خبر کے لیے بھیجا، انھوں نے خوشی میں اپنے دونوں کنگن جو پہن رہی تھیں، اس کو عطا کر دیے اور پاؤں کے چھلّے کڑے وغیرہ متعدد[5] چیزیں دیں۔ نجاشی نے نکاح کیا اور اپنے پاس سے چار سو دینار مہر کے ادا کیے اور بہت کچھ سامان دیا، جو لوگ مجلسِ نکاح میں موجود تھے، ان کو بھی دینار دیے اور کھانا کھلایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا، جیسا کہ اکثر کا قول ہے، یا ۶ھ میں جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ صاحبِ تاریخ خمیس نے لکھا ہے کہ ان کا نکاح ۶ھ میں ہوا اور رخصتی ۷ھ میں، جب یہ مدینہ طیبہ پہونچیں۔ نجاشی نے بہت سی خوشبو اور سامانِ جہیز وغیرہ دے کر ان کو نکاح کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ بعض کتب و تواریخ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ نے نکاح کیا، مگر یہ صحیح نہیں؛ اس لیے کہ ان کے باپ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ اس قصہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کا ایک قصہ اسی باب کے ۹ر پر گذر چکا ہے۔ ان کے انتقال میں بہت اختلاف ہے، اکثر نے ۴۴ھ بتایا ہے اور اس کے علاوہ ۴۲ھ اور ۵۵ھ اور ۵۰ھ وغیرہ اقوال بھی ہیں۔

حل لغات: (۱) عزت۔ (۲) وجہ سے۔ (۳) عیسائی۔ (۴) اچھا بدل۔ (۵) بہت سی۔

⑩ حضرت صَفِیَّہ رضی اللہ عنہا کے حالات

اُمُّ المومنین حضرت صَفِیَّہ رضی اللہ عنہا، حُیَیّ کی بیٹی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ اوّل سَلّام ابن مشکم کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد کِنانہ بن اَبِی حُقَیق کے نکاح میں آئیں۔ اس سے نکاح اُس زمانہ میں ہوا تھا کہ خیبر کی لڑائی شروع ہوگئی تھی اور ان کا خاوند قتل ہوگیا تھا، خیبر کی لڑائی کے بعد دِحیہ کَلبی ایک صحابی تھے، انھوں نے حضور ﷺ سے ایک باندی مانگی، حضور ﷺ نے ان کو مَرحَمت[1] فرما دیا چوں کہ مدینہ میں بھی دو قبیلے قُریظہ اور نضیر، آباد تھے اور یہ سردار کی بیٹی تھیں، اس لیے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار[2] ہوگی، صفیہ کو اگر حضور ﷺ اپنے نکاح میں لے لیں، تو بہت سے لوگوں کی دِلداری[3] ہے؛ اس لیے حضور ﷺ نے دِحیہ رضی اللہ عنہ کو خاطر خواہ عوض دے کر ان کو لے لیا اور ان کو آزاد فرما کر نکاح کر لیا اور خیبر سے واپسی میں ایک منزل پر ان کی رُخصتی ہوئی۔ صبح کو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس جو چیز کھانے کی ہو وہ لے آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس مُتفرِّق[4] چیزیں کھجور، پنیر، گھی وغیرہ جو تھا، وہ لے آئے۔ ایک چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا اور اس پر وہ سب ڈال دیا گیا اور سب نے شریک ہو کر کھا لیا، یہی ولیمہ تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا تھا کہ اگر تم اپنی قوم اور اپنے ملک میں رہنا چاہو، تو آزاد ہو، چلی جاؤ اور میرے پاس میرے نکاح میں رہنا چاہو تو رہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں شرک کی حالت میں حضور کی تمنا کرتی تھی، اب مسلمان ہو کر کیسے جا سکتی ہوں؟ اس سے مراد غالباً ان کا وہ خواب ہے، جو انھوں نے مسلمان ہونے سے پہلے دیکھا تھا کہ ایک چاند کا ٹکڑا میری گود میں ہے۔ اس خواب کو انھوں نے اپنے خاوند[5] کِنانہ سے کہا۔ اس نے ایک طمانچہ اس زور سے منہ پر مارا کہ آنکھ پر اس کا نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ تو یثرِب[6] کے بادشاہ کے نکاح کی تمنا کرتی ہے۔ ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ آفتاب ان کے سینہ پر ہے۔ خاوند سے اس کو بھی ذکر کیا، اس نے اس پر بھی یہی کہا کہ تُو یہ چاہتی ہے کہ یثرِب کے بادشاہ کے نکاح میں جائے۔ ایک مرتبہ انھوں نے چاند کو گود میں دیکھا تو اپنے باپ سے ذکر کیا۔ اس نے بھی ایک طمانچہ مارا اور یہ کہا کہ تیری نگاہ یثرِب کے بادشاہ پر جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ چاند کا وہی ایک خواب خاوند اور باپ دونوں سے کہا ہو یا چاند دو[2] مرتبہ دیکھا ہو۔ رمضان ۵۰ھ ہجری میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور تقریباً ۶۰ ربرس کی عمر پائی۔ خود کہتی ہیں کہ میں جب حضور ﷺ کے نکاح میں آئی، تو میری عمر ۱۷ سال کی نہیں ہوئی تھی۔

⑪ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حالات

اُمُّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حارث بن حَزَن کی بیٹی، ان کا اصل نام بَرّہ تھا۔ حضور ﷺ نے بدل کر میمونہ رکھا۔ پہلے

حل لغات: ① دے دیا۔ ② ناپسند۔ ③ تسلّی۔ ④ الگ الگ۔ ⑤ شوہر۔ ⑥ مدینہ منورہ کا پرانا نام۔

سے ابورحم بن عبدالعُزّیٰ کے نکاح میں تھیں، اکثر مُؤرِّخین کا یہی قول ہے اور بھی بہت سے اقوال ان کے پہلے خاوند کے نام میں ہیں، بعض نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے بھی دو۲ نکاح ہوئے تھے، بیوہ ہوجانے کے بعد ذی قعدہ ۷ھ میں جب حضور اقدس ﷺ عمرہ کے لیے مکّہ مکرمہ تشریف لے جارہے تھے، موضع سَرِف میں نکاح ہوا۔ حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ عمرہ سے فراغت کے بعد مکہ میں رخصتی ہوجائے؛ مگر مکہ والوں نے قیام کی اجازت نہ دی؛ اس لیے واپسی میں سرف ہی میں رخصتی ہوئی اور سرف ہی میں خاص اسی جگہ جہاں رخصتی کا خیمہ تھا، ۵۱ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور بعض نے ۶۱ھ میں لکھا ہے، اس وقت ان کی عمر اکیاسی۸۱ برس کی تھی اور اسی جگہ قبر بنی، یہ بھی عبرت کا مقام ہے اور تاریخ کا عجوبہ ہے کہ ایک سفر میں وہاں نکاح ہوا اور دوسرے سفر میں وہاں رخصتی اور عرصہ کے بعد اسی جگہ قبر بنی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میمونہ رضی اللہ عنہا ہم سب میں زیادہ متقی۱ اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔ یزید بن اصمؒ کہتے ہیں کہ ان کا مشغلہ۲ ہر وقت نماز تھا یا گھر کا کام، اگر دونوں سے فراغت ہوتی تو مسواک کرتی رہتی تھیں۔ جن عورتوں کے نکاح پر مُحدِّثین و مُؤرِّخین کا اتفاق ہے ان میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سب سے آخری نکاح ہے۔ ان کی درمیانی ترتیب میں البتہ اختلاف ہے؛ جس کی وجہ سے ان نکاحوں کی تاریخ کا اختلاف ہے، جیسا کہ مختصر طور پر معلوم ہوا۔ ان گیارہ۱۱ بیویوں میں سے دو۲ کا وصال حضور ﷺ کے سامنے ہوچکا تھا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اور حضرت زینب بنت خُزَیمہ رضی اللہ عنہا کا، باقی ۹ بیبیاں حضور ﷺ کے وصال کے وقت موجود تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض نکاح، بعض مُحدِّثین اور مُؤرِّخین نے لکھے ہیں، جن کے ہونے میں اختلاف ہے؛ اس لیے انہیں بیبیوں کا ذکر لکھا ہے جن پر اتفاق ہے۔

معلومات: حضور ﷺ کی اولاد

مُؤرِّخین۳ اور مُحدِّثین۴ کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کے چار۴ لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں، پھر حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا، پھر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ لڑکوں میں البتہ بہت اختلاف ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب حضرات بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور عرب میں اس زمانہ میں تاریخ کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے جاں نثار۵ بھی اس وقت تک کثرت سے نہیں ہوئے تھے، جو ہر بات پوری پوری محفوظ رہتی۔ اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ تین لڑکے: حضرت قاسم رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہوئے۔ بعضوں نے کہا کہ چوتھے صاحبزادے حضرت طیب رضی اللہ عنہ اور پانچویں حضرت طاہر رضی اللہ عنہ تھے، اس طرح پانچ۵ ہوئے۔ بعض کہتے

حل لغات: (۱) پرہیزگار۔ (۲) کام۔ (۳) تاریخ لکھنے والے۔ (۴) علم حدیث جاننے والے۔ (۵) جان قربان کرنے والے۔

ہیں کہ طیّب اور طاہر دونوں ایک ہی صاحبزادہ کے نام ہیں، اس طرح چار[۴] ہوئے اور بعض نے کہا کہ حضرت عبداللہ ہی کا نام طیّب اور طاہر تھا، اس طرح تین[۳] ہی لڑکے ہوئے اور بعضوں نے دو[۲] لڑکے اور بھی بتائے: مُطیّب رضی اللہ عنہ اور مُطہّر رضی اللہ عنہ، اور لکھا ہے کہ طیّب رضی اللہ عنہ اور مُطیّب رضی اللہ عنہ ایک ساتھ پیدا ہوئے اور طاہر اور مُطہّر ایک ساتھ پیدا ہوئے اس طرح سات[۷] لڑکے ہوئے؛ لیکن اکثر کی تحقیق تین[۳] لڑکوں کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی سے پیدا ہوئی۔

① حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

لڑکوں میں حضرت قاسم رضی اللہ عنہ سب سے پہلے پیدا ہوئے؛ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اُن سے بڑی تھیں یا چھوٹی؟ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا۔ دو[۲] سال کی عمر اکثر نے لکھی ہے اور بعضوں نے اس سے کم یا زیادہ بھی لکھی ہے۔

② حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے ان کا نام طیب رضی اللہ عنہ اور طاہر رضی اللہ عنہ بھی پڑا اور بچپن ہی میں انتقال ہوا۔ اُن کے انتقال پر اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے انتقال پر کفار بہت خوش ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل منقطع[۱] ہوگئی، جس پر سورۂ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ نازل ہوئی اور کفار کے اس کہنے کا کہ جب نسل ختم ہوگئی تو کچھ دنوں میں نام مبارک بھی مٹ جائے گا، یہ جواب ملا کہ آج ساڑھے[۱۳۵۰] تیرہ سو برس بعد تک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے فدائی کروڑوں موجود ہیں۔

③ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تھے، جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بالاتفاق ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور دو[۲] مینڈھے ذبح کیے اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بالوں کو دفن کرایا۔ ابوہند بیاضی رضی اللہ عنہ نے سر کے بال اتارے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر نام رکھا ہے۔ اور سولہ[۱۶] مہینے کی عمر میں ان صاحبزادہ نے بھی ۱۰ ربیع الاوّل ۱۰ھ میں انتقال فرمایا۔ بعضوں نے اٹھارہ مہینے کی عمر بتلائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابراہیم کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی تجویز[۲] ہوگئی۔

④ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں اور جن مؤرخین نے اس کے خلاف لکھا ہے، غلط ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے پانچ[۵] برس بعد جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تیس[۳۰] برس کی تھی، پیدا ہوئیں اور اپنے والدین کے آغوش[۹۳] میں جوان

حل لغات: ① ختم۔ ② متعین۔ ③ گود۔

ہوئیں، مسلمان ہوئیں اور اپنے خالہ زاد بھائی اَبوالعاص بن رَبیع سے نکاح ہوا۔ غزوۂ بدر کے بعد ہجرت کی، جس میں مشرکین کی ناپاک حرکتوں سے زخمی ہوئیں۔ جس کا قصہ اسی باب کے ۲۰ر پر گذر چکا ہے اور اسی بیماری کا سلسلہ اخیر تک چلتا رہا، یہاں تک کہ ۸ھ کے شروع میں انتقال فرمایا۔ ان کے خاوند بھی ۶ھ یا ۷ھ میں مسلمان ہوکر مدینہ منورہ پہونچ گئے تھے اور انہی کے نکاح میں رہیں، ان سے دو بچے ہوئے: ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام حضرت علی ؓ تھا، جنھوں نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد بلوغ کے قریب حضور ﷺ کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا۔ فتح مکہ میں حضور ﷺ کے ساتھ اونٹنی پر جو سوار تھے، وہ یہی حضرت علی ؓ تھے۔ لڑکی کا نام حضرت اُمامہ ؓ تھا، جن کے متعلق حدیث کی کتابوں میں کثرت سے قصہ آتا ہے کہ جب حضور ﷺ نماز میں سجدہ کرتے تو یہ کمر پر سوار ہو جاتیں، یہ حضور ﷺ کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ ؓ کے وصال کے بعد جو اُن کی خالہ تھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ان سے نکاح کیا اور ان کے وصال کے بعد مُغیرہ بن نوفلؒ سے نکاح ہوا، حضرت علی ؓ کے کوئی اولاد ان سے نہیں ہوئی؛ البتہ مغیرہؒ سے بعضوں نے ایک لڑکا یحییٰ لکھا ہے اور بعضوں نے انکار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ ؓ نے خود وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت علی ؓ کا نکاح بھانجی سے کر دیا جائے۔ ان کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا۔

⑤ حضرت رُقیّہ ؓ

حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت رُقیّہ ؓ تھیں، جو اپنی بہن حضرت زینب ؓ سے تین برس بعد پیدا ہوئیں، جبکہ حضور ﷺ کی عمر شریف ۳۳ر برس کی تھی اور بعضوں نے حضرت رقیہ ؓ کو حضرت زینب ؓ سے بڑا بتایا ہے؛ لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ حضرت زینب ؓ سے چھوٹی تھیں۔ حضور ﷺ کے چچا اَبولہَب کے بیٹے عُتبہ سے نکاح ہوا تھا، جب سورۂ تَبَّت نازل ہوئی، تو اَبولہَب نے ان سے اور ان کے دوسرے بھائی عُتَیبہ سے، جس کے نکاح میں حضور ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم ؓ تھیں؛ یہ کہا کہ میری ملاقات تم دونوں سے حرام ہے، اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دے دو، اس پر دونوں نے طلاق دے دی۔ یہ دونوں نکاح بچپن میں ہوئے تھے، رخصتی کی نوبت بھی نہیں آئی تھی، اس کے بعد فتح مکہ پر حضرت رُقیّہ ؓ کے خاوند عُتبہ مسلمان ہوگئے تھے؛ مگر بیوی کو پہلے ہی طلاق دے چکے تھے اور حضرت رقیہ ؓ کا نکاح حضرت عثمان ؓ سے عرصہ ہوا ہو چکا تھا، حضرت عثمان ؓ اور حضرت رقیہ ؓ نے دونوں مرتبہ حبشہ کی ہجرت کی تھی، جس کا بیان پہلے باب کے ۱۰ر پر گذر چکا، اس کے بعد جب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہونے والا ہے اور مدینہ منورہ میری ہجرت کی جگہ ہوگی، تو صحابہ ؓ نے مدینہ طیبہ کی ہجرت شروع کر دی، اسی سلسلہ میں حضور ﷺ سے پہلے ہی یہ دونوں حضرات بھی مدینہ طیبہ پہونچ گئے تھے۔ حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد

جب حضور ﷺ بدر کی لڑائی میں تشریف لے جانے لگے، تو حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں: اسی لیے حضور ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری[1] کے واسطے مدینہ چھوڑ گئے، بدر کی فتح کی خوشخبری مدینہ طیبہ میں اس وقت پہونچی جب یہ حضرات حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے آرہے تھے، اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ ان کے دفن میں شرکت نہ فرما سکے، حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند کے یہاں رخصتی بھی نہیں ہوسکی تو اولاد کا کیا ذکر؛ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک صاحبزادہ جن کا نام ''عبداللہ'' تھا، حبشہ میں پیدا ہوئے تھے، جو اپنی والدہ کے انتقال کے بعد تک زندہ رہے اور ۶ رسال کی عمر میں ۴ھ میں انتقال فرمایا اور بعض نے لکھا ہے کہ اپنی والدہ سے ایک سال پہلے انتقال کیا، ان کے علاوہ کوئی اور اولاد حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوئی۔

⑥ حضرت اُمِّ کُلثوم رضی اللہ عنہا

حضور اقدس ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، اس میں اختلاف ہے کہ ان میں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سے کون سی بڑی تھیں، اکثر کی رائے یہ ہے کہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا بڑی تھیں، اوّل عُتَیْبَہ بن اَبی لہب سے نکاح ہوا، مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ سورۂ تَبَّت کے نازل ہونے پر طلاق کی نوبت آئی، جیسا کہ حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں گذرا؛ لیکن ان کے خاوند تو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے، جیسا کہ گذر چکا اور اِن کے خاوند عُتَیْبَہ نے طلاق دی اور حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آکر نہایت گستاخی، بے ادبی اور نامناسب الفاظ بھی زبان سے نکالے، حضور ﷺ نے بددعا دی کہ ''یا اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتّا اس پر مُسَلَّط[2] فرما''۔ ابوطالب اس وقت موجود تھے باوجود مسلمان نہ ہونے کے سہم[3] گئے اور کہا کہ اس کی بددعا سے تجھے خلاصی[4] نہیں، چنانچہ عُتَیْبَہ ایک مرتبہ شام کے سفر میں جارہا تھا، اس کا باپ ابولہب باوجود ساری عداوت اور دشمنی کے کہنے لگا: مجھے محمد کی بددعا کا فکر ہے، قافلہ کے سب لوگ ہماری خبر رکھیں، ایک منزل پر پہونچے، وہاں شیر زیادہ تھے، رات کو تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کیا اور اس کا ٹیلہ سا بنا کر اس پر عُتَیْبَہ کو سلایا اور قافلہ کے تمام آدمی چاروں طرف سوئے، رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے، اس کے بعد ایک زقند[5] لگائی اور اس ٹیلے پر پہونچ کر عُتَیْبَہ کا سر بدن سے جدا کر دیا، اس نے ایک آواز دی، مگر ساتھ ہی کام تمام ہو چکا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ مسلمان ہوگیا تھا اور یہ قصہ پہلے بھائی کے ساتھ پیش آیا۔ بہر حال حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہروں میں سے ایک مسلمان ہوئے، دوسرے کے ساتھ یہ عبرت کا واقعہ پیش آیا؛ اسی واسطے اللہ والوں کی دشمنی سے ڈرایا جاتا ہے، خود اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے ﴿مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ﴾ (جو میرے کسی ولی کو ستائے، اس کو میری طرف سے لڑائی کا اعلان ہے)۔

حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حل لغات: ① بیمار کی دیکھ بھال۔ ② مقرر۔ ③ ڈر۔ ④ چھٹکارا۔ ⑤ چھلانگ۔

سے ہوا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے اُم کلثوم کا نکاح آسمانی وحی کے حکم سے عثمان سے کیا۔ بعض روایات میں حضرت رقیہ ؓ اور حضرت اُم کلثوم ؓ دونوں کے متعلق یہی ارشاد فرمایا، پہلے خاوند کے یہاں تو رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی، اولاد کوئی حضرت عثمان ؓ سے بھی نہیں ہوئی اور شعبان ۹ھ میں انتقال فرمایا، حضور ﷺ نے ان کے انتقال کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر میرے سو لڑکیاں ہوتیں اور انتقال کرتیں، تو اسی طرح ایک دوسری کے بعد سب کا نکاح عثمان ؓ سے کرتا۔

⑦ حضرت فاطمہ ؓ

حضور ﷺ کی چوتھی صاحبزادی، جنّتی عورتوں کی سردار، حضرت فاطمہ ؓ جو عمر میں اکثر مؤرخین کے نزدیک سب سے چھوٹی ہیں، نبوت کے ایک سال بعد جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف ۴۱ ربرس کی تھی، پیدا ہوئیں اور بعض نے نبوت سے ۵ رسال پہلے ۳۵ رسال کی عمر میں لکھا ہے، کہتے ہیں کے ان کا نام ''فاطمہ'' الہام یا وحی سے رکھا گیا، فَطْمٌ کے معنیٰ روکنے کے ہیں یعنی یہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں، ۲ھ محرم یا صفر یا رجب یا رمضان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے نکاح ہوا اور نکاح سے ۷ رماہ اور ۱۵ ردن بعد رخصتی ہوئی، یہ نکاح بھی اللہ جلّ شانہٗ کے حکم سے ہوا۔ کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت آپ کی عمر ۱۵ رسال ۵ رماہ کی تھی، اس سے بھی ۴۱ رویں سال میں پیدائش یعنی پہلے قول کی تائید ہوتی ہے اور حضرت علی ؓ کی عمر ۲۱ رسال ۵ رماہ یا ۲۴ رسال ڈیڑھ ماہ کی تھی۔ حضور ﷺ کو اپنی تمام صاحبزادیوں میں ان سے زیادہ محبت تھی، جب حضور ﷺ سفر کو تشریف لے جاتے، تو سب سے اخیر میں ان سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ابوجہل کی لڑکی سے دوسرے نکاح کا ارادہ فرمایا، تو ان کو رنج ہوا، حضور ﷺ سے شکایت کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو رنج پہونچایا؛ اس نے مجھے رنج پہونچایا، اس لیے حضرت علی ؓ نے ان کی زندگی میں کوئی نکاح نہیں کیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی بھانجی اُمامہ ؓ سے نکاح کیا؛ جس کا ذکر حضرت زینب ؓ کے بیان میں گذرا۔ نبیٔ اکرم ﷺ کے وصال کے ۶ رمہینے بعد حضرت فاطمہ ؓ بیمار ہوئیں اور ایک روز خادمہ سے فرمایا کہ میں غسل کروں گی، پانی رکھ دو، غسل فرمایا، نئے کپڑے پہنے، پھر فرمایا کہ میرا بستر گھر کے بیچ میں کردو، اس پر تشریف لے گئیں اور قبلہ رُخ لیٹ کر داہنا ہاتھ رُخسار کے نیچے رکھا اور فرمایا کہ بس اب میں مَرتی ہوں، یہ فرما کر وصال فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ کی اولاد کا سلسلہ انہیں سے چلا اور ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا، ان کی چھ اولاد: تین لڑکے، تین لڑکیاں ہوئیں۔ سب سے اول حضرت حسن ؓ نکاح سے دوسرے سال میں پیدا ہوئے، پھر حضرت حسین ؓ تیسرے سال میں یعنی ۴ھ میں، پھر حضرت محسّن ؓ (یہ بس کی تشدید کے ساتھ ہے) پیدا ہوئے؛ جن کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا۔ صاحبزادیوں میں سے حضرت رُقیّہ ؓ کا

انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا؛ اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے ان کو لکھا بھی نہیں، دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم ﷺ کا پہلا نکاح حضرت عمر امیر المؤمنین ﷺ سے ہوا، جن سے ایک صاحبزادے زیدؒ اور صاحبزادی رُقیّہؒ پیدا ہوئیں۔ حضرت عمر ﷺ کے وصال کے بعد اُم کلثوم ﷺ کا نکاح عَوْن بن جعفر ﷺ سے ہوا، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر ﷺ سے ہوا، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو بچپن ہی میں انتقال کر گئی، ان کے انتقال کے بعد ان کے تیسرے بھائی عبداللہ ابن جعفر ﷺ سے ہوا، ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور انہیں کے نکاح میں حضرت اُم کلثوم ﷺ کا انتقال ہوا اور اسی دن ان کے صاحبزادے زیدؒ کا بھی انتقال ہوا، دونوں جنازے ساتھ ہی اُٹھے اور کوئی سلسلہ اولاد کا ان سے نہیں چلا۔ یہ تینوں[3] بھائی وہی عبداللہ اور عَوْن اور محمد ﷺ ہیں جن کا قصہ چھٹے باب کے ۱۱ر پر گذرا ہے، یہ حضرت علی ﷺ کے بھتیجے اور جعفر طیّار ﷺ کے صاحبزادے ہیں، حضرت فاطمہ ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت زینب ﷺ تھیں، جن کا نکاح عبداللہ بن جعفر ﷺ سے ہوا اور دو صاحبزادے عبداللہ اور عَوْن پیدا ہوئے اور ان کے ہی نکاح میں انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد عبداللہ بن جعفر کا نکاح ان کی ہمشیرہ[4] حضرت اُم کلثوم ﷺ سے ہوا تھا، یہ اولاد حضرت فاطمہ ﷺ سے ہے، ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی دوسری بیویوں سے جو بعد میں ہوئیں؛ اور بھی اولاد ہے۔ مؤرخین نے حضرت علی ﷺ کی تمام اولاد ۳۲ر لکھی ہے، جن میں ۱۶ر لڑکے، ۱۶ر لڑکیاں اور حضرت امام حسن ﷺ کے ۱۵ر لڑکے، ۸ر لڑکیاں اور حضرت امام حسین ﷺ کے ۶ر لڑکے، ۳ر لڑکیاں۔ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ أَجْمَعِيْنَ، وَجَعَلَنَا بِهَدْيِهِمْ مُتَّبِعِيْنَ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ أَتَمُّ. ملخص من الخميس والزرقاني على المواهب والتلقيح والإصابه وأسد الغابة.

گیارہواں باب: بچوں کا دینی جذبہ

کمسن[3] اور نوعمر بچوں میں جو دین کا جذبہ تھا؛ وہ حقیقت میں بڑوں کی پرورش کا ثمرہ[4] تھا، اگر ماں باپ اور دوسرے اولیا[5]، اولاد کو شفقت میں کھو دینے اور ضائع کر دینے کے بجائے شروع ہی سے ان کی دینی حالت کی خبر گیری[6] اور اس پر تنبیہ رکھیں، تو دین کے اُمور بچوں کے دلوں میں جگہ پکڑیں اور بڑی عمر میں جا کر وہ چیزیں ان کے لئے بمنزلۂ عادت کے ہو جائیں؛ لیکن ہم لوگ اس کے برخلاف بچے کی ہر بُری بات پر بچہ سمجھ کر چشم پوشی[7] کرتے ہیں؛ بلکہ زیادہ محبت کا جوش ہوتا ہے، تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور دین میں جتنی کوتاہی دیکھتے ہیں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ بڑے ہو کر سب درست ہو جاوے گا، حالانکہ بڑے

حل لغات: (۱) بہن۔ (۲) اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہووے اور ان سب کو خوش کرے۔ اے اللہ ہمیں انکے راستے کی پیروی کرنے والا بنادے۔ (۳) چھوٹی عمر۔ (۴) نتیجہ۔ (۵) سرپرست، ذمے دار۔ (۶) دیکھ بھال۔ (۷) معاف کرنا۔

ہوکر وہی عادات پکتی ہیں جن کا شروع میں بیج بویا جاچکا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ بیج چنے کا ڈالا جائے اور اس سے گیہوں پیدا ہو، یہ مشکل ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے میں اچھی عادتیں پیدا ہوں، دین کا اہتمام ہو، دین پر عمل کرنے والا ہو، تو بچپن ہی سے اس کو دین کے اہتمام کا عادی بنائیں۔ صحابۂ کرام ؓ بچپن سے ہی اپنی اولاد کی نگہداشت فرماتے تھے اور دینی امور کا اہتمام کراتے تھے۔ حضرت عمر ؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص پکڑ کر لایا گیا، جس نے رمضان میں شراب پی رکھی تھی اور روزہ سے نہیں تھا، حضرت عمر ؓ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ناس ہو، ہمارے تو بچے بھی روزہ دار ہیں۔

فائدہ: یعنی تُو اتنا بڑا ہوکر بھی روزہ نہیں رکھتا، اس کے بعد ۸۰ کوڑے شراب کی سزا میں مارے اور مدینہ منورہ سے نکل جانے کا حکم فرما کر ملک شام کو چلتا کردیا۔ [بخاری]

① بچوں کو روزہ رکھوانا

رُبَیِّع بنت مُعَوِّذ ؓ جن کا قصہ پہلے باب کے اخیر میں گذرا ہے۔ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اعلان کرایا کہ آج عاشورہ کا دن ہے سب کے سب روزہ رکھیں، ہم لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ روزہ رکھتے رہے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے۔ جب وہ بھوک کی وجہ سے رونے لگتے، تو روئی کے گالے کے کھلونے بنا کر ان کو بہلایا کرتے تھے اور افطار کے وقت تک اسی طرح ان کو کھیل میں لگائے رکھتے تھے۔ [بخاری]

فائدہ: بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مائیں دودھ پیتے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں، اگرچہ اس وقت قُویٰ نہایت قوی تھے اور اب بہت ضعیف، وہ لوگ اور وہ بچے اس کے متحمل تھے؛ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جتنے کا اب تحمل ہے وہی کہاں کیا جاتا ہے تحمل کا دیکھنا تو نہایت ضروری ہے؛ مگر اب جس کا تحمل ہے، اس میں کوتاہی یقیناً نامناسب ہے۔

② حضرت عائشہ ؓ کی احادیث اور ان کا علمی ذوق

حضرت عائشہ ؓ چھ سال کی عمر میں حضور اقدس ﷺ کے نکاح میں آئیں، مکہ مکرمہ میں نکاح ہوا اور نویں سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں رخصتی ہوئی، اٹھارہ سال کی عمر میں حضور ﷺ کا وصال ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے؛ جس میں اس قدر دینی مسائل اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات اور افعال اُن سے نقل کیے جاتے ہیں کہ حد نہیں۔ مسروقؒ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ کو میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ ؓ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ عطاءؒ کہتے ہیں کہ مردوں سے زیادہ مسائل سے واقف اور عالم تھیں۔ ابوموسیٰ ؓ کہتے ہیں کہ جو علمی مشکل ہمیں درپیش آتی تھی؛ حضرت عائشہ ؓ کے پاس اس کے متعلق تحقیق ملتی تھی۔ [اصابہ] دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) حدیثیں کتب حدیث میں ان کی

حل لغات: ① نگرانی۔ ② برا۔ ③ یعنی بدن کے اعضاء۔ ④ برداشت کرنے والے۔ ⑤ کیے ہوئے کام۔

ملتی ہیں۔ [تلقیح] خود فرماتی ہیں کہ ''میں مکہ مکرمہ میں بچپن میں کھیل رہی تھی، اس وقت حضور اقدس ﷺ پر سورۂ قمر کی آیت ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ ۝٤٦﴾ نازل ہوئی۔ [بخاری] مکہ مکرمہ میں آٹھ برس کی عمر تک حضرت عائشہ ؓ رہی ہیں، اس کم عمری میں اس آیت کے نازل ہونے کی خبر ہونا اور پھر اس کا یاد بھی رکھنا، دین کے ساتھ خاص ہی لگاؤ سے ہوسکتا ہے، ورنہ آٹھ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے؟

③ حضرت عُمیر ؓ کا شوقِ جہاد

حضرت عُمیر ؓ آبی اللّحم کے غلام اور کم عمر بچے تھے، جہاد میں شرکت کا شوق اس وقت ہر بڑے چھوٹے کی جان تھا۔ خیبر کی لڑائی میں شرکت کی خواہش کی، ان کے سرداروں نے بھی حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں سفارش کی کہ اجازت فرمادی جائے، چنانچہ حضور ﷺ نے اجازت فرمادی اور ایک تلوار مرحمت فرمائی؛ جو گلے میں لٹکالی، مگر تلوار بڑی تھی اور قد چھوٹا تھا، اس لیے وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی، اسی حال میں خیبر کی لڑائی میں شرکت کی، چونکہ بچے بھی تھے اور غلام بھی، اس لیے غنیمت کا پورا حصہ تو ملا نہیں، البتہ بطور عطا کے کچھ سامان حصہ میں آیا۔ [ابوداؤد]

فائدہ: ان جیسے حضرات کو یہ بھی معلوم تھا کہ غنیمت میں ہمارا پورا حصہ بھی نہیں، اس کے باوجود پھر یہ شوق کہ دوسرے حضرات سے سفارشیں کرائی جاتی تھیں، اس کی وجہ دینی جذبہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول ﷺ کے وعدوں پر اطمینان کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟

④ حضرت عُمَیر ؓ کا جنگِ بدر میں چھپ کر شریک ہونے کی کوشش

حضرت عُمَیر بن ابی وقّاص ؓ ایک نوعمر صحابی ہیں، شروع ہی میں مسلمان ہوگئے تھے، سعد بن ابی وقاص ؓ مشہور صحابی کے بھائی ہیں۔ سعد ؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی عمیر کو بدر کی لڑائی کے وقت دیکھا کہ لشکر کی روانگی کی تیاری ہورہی تھی اور وہ ادھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے کہ کوئی دیکھے نہیں۔ مجھے یہ بات دیکھ کر تعجب ہوا، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا، چھپتے کیوں پھر رہے ہو؟ کہنے لگے: مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں حضور اقدس ﷺ مجھے نہ دیکھ لیں اور بچہ سمجھ کر جانے کی ممانعت کردیں کہ پھر نہ جاسکوں گا اور مجھے تمنا ہے کہ لڑائی میں ضرور شریک ہوں، کیا بعید ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھی کسی طرح شہادت نصیب فرمائیں۔ آخر جب لشکر پیش ہوا، تو جو خطرہ تھا وہ پیش آیا اور حضور اقدس ﷺ نے ان کے کم عمر ہونے کی وجہ سے انکار فرمادیا اور جو خطرہ تھا وہ سامنے آگیا؛ مگر شوق کا غلبہ تھا تحمل نہ کرسکے اور رونے لگے۔ حضور اقدس ﷺ کو شوق کا اور رونے کا حال معلوم ہوا، تو اجازت عطا فرمادی۔ لڑائی میں شریک ہوئے اور دوسری تمنا بھی پوری ہوئی کہ اسی لڑائی میں شہید ہوئے۔ ان کے بھائی سعد ؓ کہتے ہیں

حل لغات: ① بخشش، انعام۔ ② برداشت۔

کہ ان کے چھوٹے ہونے اور تلوار کے بڑے ہونے کی وجہ سے میں اس کے تسموں[1] میں گرہیں لگاتا تھا تاکہ اونچی ہوجائے۔ [اصابہ]

⑤ دو انصاری بچوں کا ابوجہل کو قتل کرنا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مشہور اور بڑے صحابہ میں ہیں، فرماتے ہیں کہ میں بدر کی لڑائی میں میدان میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا، میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو[2] کم عمر لڑکے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ میں اگر قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو اچھا تھا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرسکتے، میرے دونوں جانب بچے ہیں، یہ کیا مدد کرسکیں گے؟ اتنے میں ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: چچا جان! تم ابوجہل کو بھی پہچانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں پہچانتا ہوں، تمہاری کیا غرض ہے؟ اس نے کہا: مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گالیاں بکتا ہے، اُس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں گا کہ وہ مرجائے یا میں مرجاؤں۔ مجھے اس کے سوال اور جواب پر تعجب ہوا۔ اتنے میں دوسرے نے یہی سوال کیا اور جو پہلے نے کہا تھا، وہی اس نے بھی کہا۔ اتفاقاً میدان میں ابوجہل دوڑتا ہوا مجھے نظر پڑگیا۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا مطلوب جس کے بارہ میں تم مجھ سے سوال کررہے تھے، وہ جارہا ہے۔ دونوں یہ سن کر تلواریں ہاتھ میں لیے ہوئے ایک دم بھاگے چلے گئے اور جاکر اس پر تلوار چلانی شروع کردی، یہاں تک کہ اس کو گرادیا۔ [بخاری]

فائدہ: یہ دونوں صاحبزادے مُعاذ بن عَمرو بن جَمُوح رضی اللہ عنہ اور مُعاذ بن عَفرا رضی اللہ عنہما ہیں۔ مُعاذ بن عَمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں لوگوں سے سنتا تھا کہ ابوجہل کو کوئی نہیں مارسکتا، وہ بڑی حفاظت میں رہتا ہے، مجھے اسی وقت سے خیال تھا کہ میں اس کو ماروں گا۔ یہ دونوں صاحبزادے پیدل تھے اور ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا، صفوں کو درست کررہا تھا، جس وقت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور یہ دونوں دوڑے تو گھوڑے سوار پر براہِ راست[3] حملہ مشکل تھا، اس لیے ایک نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابوجہل کی ٹانگ پر حملہ کیا، جس سے گھوڑا بھی گرا اور ابوجہل بھی گرا اور اُٹھ نہ سکا۔ یہ دونوں حضرات اس کو ایسا کرکے چھوڑ آئے تھے کہ اُٹھ نہ سکے، وہیں پڑا تڑپتا رہے؛ مگر مُعوِّذ بن عَفراء رضی اللہ عنہ ان کے بھائی نے اور ذرا ٹھنڈا کردیا، کہ مبادا[4] اُٹھ کر چلا جائے، لیکن بالکل انھوں نے بھی نہ نمٹایا، اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بالکل ہی سر جُدا کردیا۔ مُعاذ بن عَمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے اس کی ٹانگ پر حملہ کیا، تو اس کا لڑکا عکرمہ ساتھ تھا، اُس نے میرے مونڈھے پر حملہ کیا، جس سے میرا ہاتھ کٹ گیا اور صرف کھال میں لٹکا ہوا رہ گیا۔ [اُسد الغابہ]

حل لغات: ① چمڑے کا ٹکڑا۔ ② ڈائریکٹ، سیدھا۔ ③ ایسا نہ ہو کہ۔

میں نے اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور دن بھر دوسرے ہاتھ سے لڑتا رہا، لیکن جب اس کے لٹکے رہنے سے دِقّت[1] ہوئی، تو میں نے اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا، وہ کھال بھی ٹوٹ گئی؛ جس سے وہ اٹک رہا تھا اور میں نے اس کو پھینک دیا۔ [خمیس]

⑥ حضرت رافع رضی اللہ عنہ اور حضرت سَمُرہ بن جُنْدُب رضی اللہ عنہ کا مقابلہ

نبیِ اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب لڑائی کے لیے تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ سے باہر جانے کے بعد لشکر کا معائنہ[2] فرماتے، ان کے احوال کو، ان کی ضرورتوں کو دیکھتے اور لشکر کی اصلاح فرماتے، کم عمر بچوں کو واپس فرما دیتے۔ یہ حضرات شوق میں نکل پڑتے۔ چنانچہ اُحد کی لڑائی کے لیے جب تشریف لے جانا ہوا تو ایک موقع پر جا کر لشکر کا معائنہ فرمایا اور نوعمروں کو لڑکپن کی وجہ سے واپس فرما دیا؛ جن میں حضراتِ ذَیل[3] بھی تھے: عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اُسامہ بن زید، زید بن اَرْقَم، براء بن عازِب، عَمرو بن حَزم، اُسید بن ظُہَیر، عَرَابَہ بن اَوس، ابوسعید خُدری، سَمُرَہ بن جُنْدُب، رافع بن خَدِیج رضی اللہ عنہم کہ ان کی عمریں تقریباً تیرہ[14]، چودہ[14] برس کی تھیں۔ جب ان کو واپسی کا حکم ہوا تو حضرت خَدِیج رضی اللہ عنہ نے سفارش کی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا لڑکا رافع تیر چلانا بہت اچھا جانتا ہے اور خود رافع بھی اجازت کے اشتیاق میں اُبھر اُبھر کر کھڑے ہوتے تھے کہ قد لانبا معلوم ہو۔ حضور ﷺ نے اجازت عطا فرما دی تو سَمُرَہ بن جُنْدُب رضی اللہ عنہ نے اپنے سوتیلے باپ مُرَّہ بن سِنَان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ نے رافع کو تو اجازت مرحمت فرما دی اور مجھے اجازت نہیں عطا فرمائی، حالانکہ میں رافع رضی اللہ عنہ سے قوی ہوں، اگر میرا اور اس کا مقابلہ ہو تو میں اس کو پچھاڑ لونگا۔ حضور ﷺ نے دونوں کا مقابلہ کرایا تو سَمُرہ رضی اللہ عنہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو واقعی پچھاڑ لیا، اس لیے حضور ﷺ نے سَمُرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت عطا فرما دی، اس کے بعد اور بچوں نے بھی کوشش کی اور بعضوں کو اور بھی اجازت مل گئی، اسی سلسلے میں رات ہوگئی۔ حضور ﷺ نے تمام لشکر کی حفاظت کا انتظام فرمایا اور پچاس[50] آدمیوں کو پورے لشکر کی حفاظت کے واسطے متعین فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہماری حفاظت کون کرے گا؟ ایک صاحب اُٹھے، حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ انھوں نے کہا: ذَکوان، حضور ﷺ نے فرمایا: اچھا بیٹھ جاؤ، پھر فرمایا: ہماری حفاظت کون کرے گا؟ ایک صاحب اُٹھے، حضور ﷺ نے نام دریافت کیا، عرض کیا: ابوسَبُع (سبع کا باپ)، حضور ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، تیسری مرتبہ پھر ارشاد ہوا کہ ہماری حفاظت کون کرے گا؟ پھر ایک صاحب کھڑے ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے نام دریافت کیا، انھوں نے عرض کیا ابنُ عبدِ القَیس (عبدِ قیس کا بیٹا)، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا بیٹھ جاؤ۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ارشاد ہوا کہ تینوں آدمی آجاؤ، تو ایک صاحب حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے فرمایا

حل لغات: ① تکلیف۔ ② نظر ڈالنا، دیکھنا۔ ③ نیچے لکھے ہوئے لوگ۔

کہ تمہارے دونوں ساتھی کہاں گئے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! تینوں دفعہ میں ہی اٹھا تھا، حضور ﷺ نے دعا دی اور حفاظت کا حکم فرمایا۔ رات بھر یہ حضور ﷺ کے خیمہ کی حفاظت فرماتے رہے۔ [خمیس]

فائدہ: یہ شوق اور وَلولے تھے ان حضرات کے کہ بچہ ہو یا بڑا، ہر شخص کچھ ایسا مست تھا کہ جان دینا مستقل مقصود تھا، اسی وجہ سے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ رافع بن خَدِیج ؓ نے بدر کی لڑائی میں بھی اپنے آپ کو پیش کیا تھا، مگر اس وقت اجازت نہ مل سکی تھی، پھر اُحد میں پیش کیا، جس کا قصہ ابھی گذرا، اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ اُحد کی لڑائی میں سینے میں ایک تیر لگا، جب اس کو کھینچا گیا تو سارا نکل آیا، مگر بھال[1] کا حصہ اندر بدن میں رہ گیا، جس نے زخم کی صورت اختیار کی اور آخیر زمانہ میں بڑھاپے کے قریب یہی زخم ہرا[2] ہو کر موت کا سبب بنا۔ [اُسد الغابہ]

⑦ حضرت زید ؓ کا حافظِ قرآن ہونے کی وجہ سے اعزاز[3]

حضرت زید بن ثابت ؓ کی عمر ہجرت کے وقت گیارہ[11] سال کی تھی اور چھ[6] سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ بدر کی لڑائی میں اپنے آپ کو پیش کیا، اجازت نہ ملی، پھر اُحد کی لڑائی میں نکلے، مگر واپس کر دیے گئے، جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ چوں کہ سَمُرہ ؓ اور رافع ؓ دونوں کو اجازت ہو چکی تھی، جیسا کہ اس سے پہلے قصہ میں گذرا، اس لیے ان کو بھی اجازت ہو گئی تھی۔ اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ تبوک کی لڑائی میں بنو مالک کا جھنڈا حضرت عُمَارہ ؓ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور ﷺ نے عُمَارہ ؓ سے لے کر حضرت زید ؓ کو دے دیا۔ عُمَارہ ؓ کو فکر ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی یا کوئی وجہِ ناراضی پیش آئی۔ دریافت کیا: یارسول اللہ! میری کوئی شکایت حضور تک پہونچی ہے؟ ارشاد فرمایا: یہ بات نہیں، بلکہ زید قرآن شریف تم سے زیادہ پڑھا ہوا ہے، قرآن نے اس کو جھنڈا اُٹھانے میں مقدم کر دیا۔ [اُسد الغابہ]

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا عام معمول تھا کہ فضائل میں دین کے اعتبار سے ترجیح[4] فرماتے تھے، یہاں اگرچہ لڑائی کا موقع تھا اور قرآن شریف کے زیادہ پڑھے ہوئے ہونے کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا، اس کے باوجود حضور ﷺ نے قرآن پاک کی زیادتی کی وجہ سے جھنڈے کے اُٹھانے میں ان کو مُقَدَّم فرمایا۔ اکثر چیزوں میں حضور اقدس ﷺ اس کا لحاظ فرماتے تھے، حتّٰی کہ اگر کئی آدمیوں کو کسی ضرورت سے ایک قبر میں دفن فرمانے کی نوبت آتی، تو جس کا قرآن شریف زیادہ پڑھا ہوا ہوتا تھا، اس کو مُقَدَّم فرماتے، جیسا کہ غزوۂ اُحد میں کیا۔

حل لغات: ① تیر کی نوک۔ ② زخم کا تازہ ہو جانا۔ ③ عزت، مرتبہ۔ ④ آگے بڑھانا۔

⑧ حضرت ابوسعید خُدری ؓ کے بچپن میں ان کے والد کی شہادت

حضرت ابوسعید خُدری ؓ فرماتے ہیں کہ میں اُحد کی لڑائی میں پیش کیا گیا، تیرہ[۱۳] سال کی میری عمر تھی، حضور ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔ میرے والد نے سفارش بھی کی کہ اس کے قُویٰ[۱] اچھے ہیں، ہڈیاں بھی موٹی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نگاہ میری طرف اوپر کو اٹھاتے تھے، پھر نیچے کر لیتے تھے، بالآخر کم عمر ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔ میرے والد اس لڑائی میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے۔ کوئی مال وغیرہ کچھ نہ تھا، میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا، حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو صبر مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا فرماتے ہیں اور جو پاکبازی اللہ سے مانگتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو پاکباز بنا دیتے ہیں اور جو غِنا[۲] چاہتا ہے، اس کو غِنا عطا فرماتے ہیں۔ میں نے یہ مضمون حضور ﷺ سے سنا، پھر کچھ نہ مانگا، چپکے ہی واپس آ گیا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے اُن کو وہ رتبہ عطا فرمایا کہ نو عمر صحابہ میں اس بڑے درجہ کا عالم دوسرا مشکل سے ملے گا۔ [اِصابہ، اِستیعاب]

فائدہ: بچپن کی عمر اور باپ کے صدمہ کے علاوہ ضرورت کا وقت، لیکن نبیٔ اکرم ﷺ کی ایک عام نصیحت کو سُن کر چُپ چاپ چلے آنا اور اپنی پریشانی کا اظہار تک نہ کرنا، کیا آج کل کوئی بڑی عمر والا بھی کر سکتا ہے؟ سچ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے رسول ﷺ کی مُصاحَبت[۳] کے لیے ایسے ہی لوگ چُنے تھے، جو اس کے اہل[۴] تھے، اسی لیے حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو خاتمہ میں آتا ہے کہ ”اللہ نے سارے آدمیوں میں میرے صحابہ کو چُنا ہے“۔

⑨ حضرت سَلَمہ بن اَکْوَع ؓ کا تنِ تنہا ایک جماعت سے مقابلہ

”غابہ“ مدینہ طیبہ سے چار[۴] پانچ[۵] میل پر ایک آبادی تھی، وہاں حضور اقدس ﷺ کے کچھ اونٹ چرا کرتے تھے۔ کافروں کے ایک مجمع کے ساتھ عبدالرحمٰن فَزَاری نے ان کو لوٹ لیا، جو صاحب چَراتے تھے ان کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو لے کر چل دیے۔ یہ لُٹیرے لوگ گھوڑوں پر سوار تھے اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اتفاقاً حضرت سلمہ بن اَکْوَع ؓ صبح کے وقت پیدل، تیر کمان لیے ہوئے غابہ کی طرف چلے جا رہے تھے کہ اچانک ان لٹیروں پر نگاہ پڑی، بچے تھے، دوڑتے بہت تھے، کہتے ہیں کہ ان کی دوڑ ضَرْبُ المَثَل[۵] اور مشہور تھی، یہ اپنی دوڑ میں گھوڑے کو پکڑ لیتے تھے اور گھوڑا ان کو نہیں پکڑ سکتا تھا، اس کے ساتھ ہی تیر اندازی میں بھی مشہور تھے۔ حضرت سَلَمہ بن اَکْوَع ؓ نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے ایک پہاڑی پر چڑھ کر لُوٹ کا اعلان کیا اور خود تیر کمان ساتھ تھی ہی، ان لٹیروں کے پیچھے دوڑ لیے، حتیٰ کہ ان کے پاس تک پہونچ گئے اور تیر مارنے شروع کیے اور اس پھُرتی سے دَمادَم[۶] تیر برسائے کہ وہ لوگ بڑا

حل لغات: ① یعنی بدن کے اعضاء۔ ② مالداری۔ ③ ساتھ رہنا۔ ④ لائق۔ ⑤ بہت مشہور۔ ⑥ لگاتار۔

مجمع سمجھے اور چوں کہ خود تنہا تھے اور پیدل بھی تھے، اس لیے جب کوئی گھوڑا لوٹا کر پیچھا کرتا تو کسی درخت کی آڑ میں چھپ جاتے اور آڑ میں سے اس کے گھوڑے کو تیر مارتے جس سے وہ زخمی ہوتا اور وہ اس خیال سے واپس جاتا کہ گھوڑا اگر گیا تو میں پکڑا جاؤں گا۔ حضرت سلمہ ﷺ فرماتے ہیں: غرض وہ بھاگتے رہے اور میں پیچھا کرتا رہا، حتیٰ کہ جتنے اونٹ انھوں نے حضور ﷺ کے لُوٹے تھے، وہ میرے پیچھے ہو گئے اور اس کے علاوہ تیس[۳۰] بَرچھے[۱] اور تیس[۳۰] چادریں وہ اپنی چھوڑ گئے۔ اتنے میں عُیَیْنَہ بن حِصن کی ایک جماعت مدد کے طور پر ان کے پاس پہونچ گئی اور ان لٹیروں کو قوت حاصل ہو گئی، یہ بھی ان کو معلوم ہو گیا کہ میں اکیلا ہوں۔ انھوں نے کئی آدمیوں نے مل کر میرا پیچھا کیا، میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا وہ بھی چڑھ گئے، جب میرے قریب ہو گئے تو میں نے زور سے کہا کہ ذرا ٹھیرو پہلے میری ایک بات سنو، تم مجھے جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ انھوں نے کہا کہ بتا کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں اِبنُ الاَکْوَع ہوں، اُس ذات پاک کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت دی! تم میں سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور تم میں سے جس کو میں پکڑنا چاہوں، وہ مجھ سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتا۔ ان کے متعلق چوں کہ عام طور سے یہ شہرت تھی کہ بہت زیادہ دوڑتے ہیں حتیٰ کہ عربی گھوڑا بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہ دعویٰ کچھ عجیب نہیں تھا۔ سلمہ ﷺ کہتے ہیں کہ میں اسی طرح ان سے بات چیت کرتا رہا اور میرا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کے پاس تو مدد پہونچ گئی ہے، مسلمانوں کی طرف سے میری مدد بھی آجائے کہ میں بھی مدینہ میں اعلان کر کے آیا تھا، غرض ان سے اسی طرح میں بات کرتا رہا اور درختوں کے درمیان سے مدینہ منورہ کی طرف غور سے دیکھتا تھا کہ مجھے ایک جماعت گھوڑے سواروں کی دوڑ کر آتی ہوئی نظر آئی، ان میں سب سے آگے اَخْرَم اَسَدِی ﷺ تھے، انھوں نے آتے ہی عبدالرحمٰن فَزاری پر حملہ کیا اور عبدالرحمٰن بھی ان پر متوجہ ہوا، انھوں نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے پر حملہ کیا اور پاؤں کاٹ دیے، جس سے وہ گھوڑا گرا اور عبدالرحمٰن نے گرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا، جس سے وہ شہید ہو گئے اور عبدالرحمٰن فوراً ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، ان کے پیچھے ابوقتادہ ﷺ تھے، فوراً انھوں نے حملہ شروع کر دیا، عبدالرحمٰن نے ابوقتادہ ﷺ کے گھوڑے کے پاؤں پر حملہ کیا، جس سے وہ گرے اور گرتے ہوئے انھوں نے عبدالرحمٰن پر حملہ کیا، جس سے وہ قتل ہو گیا اور ابوقتادہ ﷺ فوراً اس گھوڑے پر جو اَخْرَم اَسَدِی ﷺ کا تھا اور اب اس پر عبدالرحمٰن سوار ہو رہا تھا، سوار ہو گئے۔ [ابوداؤد]

فائدہ: بعض تواریخ میں لکھا ہے کہ حضرت سلمہ ﷺ نے اَخْرَم اَسَدِی ﷺ کو حملہ سے روکا بھی تھا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ اپنا مجمع اَور آنے دو، مگر انھوں نے فرمایا کہ مجھے شہید ہونے دو۔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں صرف یہی شہید ہوئے اور کفار کے بہت سے آدمی اس لڑائی میں مارے گئے، اس کے بعد بڑا مجمع مسلمانوں کا پہونچ

حل لغات: ① نیزے۔

گیا اور وہ لوگ بھاگ گئے تو حضرت سلمہ ؓ نے حضورِ اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ میرے ساتھ سو[۱۰] آدمی کر دیں، میں اُن کا پیچھا کروں، مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنی جماعتوں میں پہونچ گئے۔ اکثر تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہ ؓ کی عمر اس وقت بارہ[۱۲] یا تیرہ[۱۳] برس کی تھی، بارہ[۱۲] تیرہ[۱۳] برس کا لڑکا گھوڑے سواروں کی ایک بڑی جماعت کو اس طرح بھگا دے کہ ہوش و حواس گم ہو جائیں، جو لوٹا تھا وہ بھی چھوڑ دیں اور اپنا بھی سامان چھوڑ جائیں، یہ اسی اخلاص کی برکت تھی، جو اللہ جلّ شانہٗ نے اس جماعت کو نصیب فرمایا تھا۔

⑩ بدر کا مقابلہ اور حضرت براء ؓ کا شوق

بدر کی لڑائی سب سے افضل اور سب سے زیادہ مُہتَم[۱] بالشّان[۱] لڑائی ہے، اس لیے کہ اس میں مقابلہ نہایت سخت تھا، مسلمانوں کی جماعت نہایت قلیل[۲] کل تین سو پندرہ[۳۱۵] آدمی تھے، جن کے پاس صرف ۳/ گھوڑے، ۶ یا ۹ زِرہ[۳] ہیں اور آٹھ[۸] تلواریں تھیں اور ۷۰ اونٹ تھے، ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے، اور کفار کی جماعت ایک ہزار[۱۰۰۰] کے قریب تھی، جن میں سو[۱۰۰] گھوڑے اور سات سو[۷۰۰] اونٹ اور لڑائی کا کافی سامان تھا؛ اسی وجہ سے وہ لوگ نہایت اطمینان کے ساتھ باجوں اور گانے والی عورتوں کے ساتھ میدان میں آئے۔ اِدھر نبی اکرم ﷺ نہایت مُتفکِّر[۴] کہ مسلمان نہایت کمزوری کی حالت میں تھے، جب حضور ﷺ نے دونوں جماعتوں کا اندازہ فرمایا تو دعا مانگی: یا اللہ! یہ مسلمان ننگے پاؤں ہیں، تُو ہی ان کو سواری دینے والا ہے؛ یہ ننگے بدن ہیں، تُو ہی ان کو کپڑا پہنانے والا ہے؛ یہ بھوکے ہیں، تو ہی ان کا پیٹ بھرنے والا ہے؛ یہ فقیر ہیں، تُو ہی ان کو غنی کرنے والا ہے، چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔ ان سب باتوں کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اور حضرت براء بن عازب ؓ دونوں حضرات لڑائی میں شرکت کے شوق میں گھر سے چل دیے، نبیِ اکرم ﷺ نے بچہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں سے لوٹا دیا۔ [خمیس]

یہ دونوں حضرات اُحد کی لڑائی میں سے بھی واپس کیے گئے تھے، جیسا کہ پہلے قصہ میں گذر چکا ہے۔ اُحد کی لڑائی بدر کی لڑائی سے ایک سال بعد ہوئی، جب اس میں بھی یہ بچوں میں شمار کیے گئے تو بدر میں بطریقِ[۵] اَوْلیٰ بچے تھے، مگر ان حضرات کا شوق تھا کہ بچپن ہی سے یہ ولولہ اور شوق دل میں جوش مارتا تھا اور ہر لڑائی میں شریک ہونے اور اجازت ملنے کی کوشش کرتے تھے۔

⑪ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن اُبَی ؓ کا اپنے باپ سے معاملہ

۵ ھ میں بنو المُصْطَلِق کی مشہور جنگ ہوئی، اس میں ایک مُہاجِری اور انصاری کی باہم[۶] لڑائی ہوگئی، معمولی بات تھی مگر بڑھ گئی، ہر ایک نے اپنی اپنی قوم سے دوسرے کے خلاف مدد چاہی اور دونوں طرف جماعتیں پیدا ہوگئیں اور قریب تھا کہ آپس میں لڑائی کا معرکہ[۷] گرم ہو جائے کہ

حل لغات: (۱) اہم، عظیم الشان۔ (۲) تھوڑی۔ (۳) لوہے کا لباس۔ (۴) فکرمند۔ (۵) یقیناً۔ (۶) آپس میں۔ (۷) ہنگامہ۔

درمیان میں بعض لوگوں نے پڑ کر صلح کرادی۔ عبداللہ بن اُبَی منافقوں کا سردار اور نہایت مشہور منافق اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا؛ مگر چوں کہ اسلام ظاہر کرتا تھا، اس لیے اس کے ساتھ خلاف کا برتاؤ نہ کیا جاتا تھا اور یہی اس وقت منافقوں کے ساتھ عام برتاؤ تھا۔ اس کو جب اس قصے کی خبر ہوئی، تو اس نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخانہ لفظ کہے اور اپنے دوستوں سے خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا ہوا ہے، تم نے ان لوگوں کو اپنے شہروں میں ٹھکانا دیا، اپنے مالوں کو ان کے درمیان آدھوں آدھ بانٹ لیا، اگر تم ان لوگوں کی مدد کرنا چھوڑ دو، تو اب بھی سب چلے جاویں اور یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ اگر مدینہ پہونچ گئے، تو ہم عزت والے مل کر ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نوعمر بچے تھے، وہاں موجود تھے، یہ سن کر تاب[1] نہ لا سکے، کہنے لگے کہ خدا کی قسم! تُو ذلیل ہے، تُو اپنی قوم میں بھی ترچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، تیرا کوئی حمایتی نہیں ہے اور محمد ﷺ عزت والے ہیں، رحمٰن کی طرف سے بھی عزت دیے گئے ہیں اور اپنی قوم میں بھی عزت والے ہیں۔ عبداللہ بن اُبی نے کہا کہ اچھا چُپکا رہ، میں تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہا تھا؛ مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جا کر حضور اقدس ﷺ سے نقل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست بھی کی کہ اس کافر کی گردن اڑا دی جائے، مگر حضور ﷺ نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ عبداللہ بن اُبی کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضور ﷺ تک یہ قصہ پہونچ گیا ہے، تو حاضر خدمت ہو کر جھوٹی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے کوئی لفظ ایسا نہیں کہا، زید نے جھوٹ نقل کر دیا، انصار کے بھی کچھ لوگ حاضر خدمت تھے، انھوں نے بھی سفارش کی کہ یارسول اللہ! عبداللہ قوم کا سردار ہے، بڑا آدمی شمار ہوتا ہے، ایک بچہ کی بات اس کے مقابلہ میں قابلِ قبول نہیں، ممکن ہے کہ سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہو یا سمجھنے میں۔ حضور ﷺ نے اس کا عذر[2] قبول فرمالیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اس نے جھوٹی قسموں سے اپنے آپ کو سچا ثابت کر دیا اور زید کو جھٹلا دیا، تو شرم کی وجہ سے باہر نکلنا چھوڑ دیا، حضور ﷺ کی مجلس میں بھی ندامت[3] کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے؛ بالآخر سورۂ منافقون نازل ہوئی، جس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سچائی اور عبداللہ بن اُبی کی جھوٹی قسموں کا حال ظاہر ہوا، حضرت زید رضی اللہ عنہ کی وَقعت[4]، موافق مخالف سب کی نظروں میں بڑھ گئی اور عبداللہ بن اُبَی کا قصہ بھی سب پر ظاہر ہو گیا۔ جب مدینہ منورہ قریب آیا، تو عبداللہ بن اُبی کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا اور بڑے پکے مسلمانوں میں تھے، مدینہ منورہ سے باہر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باپ سے کہنے لگے کہ اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا، جب تک اس کا اقرار نہ کرے کہ تُو ذلیل ہے اور محمد ﷺ عزیز ہیں۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ صاحبزادہ ہمیشہ سے باپ کے ساتھ بہت احترام اور نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے؛ مگر حضور ﷺ کے

حل لغات: ① برداشت نہ کرسکنا۔ ② بہانہ۔ ③ شرمندگی۔ ④ عزت۔

مقابلہ میں تحمل[1] نہ کر سکے، آخر اُس نے مجبور ہو کر اس کا اقرار کیا کہ واللہ! میں ذلیل ہوں اور محمد (ﷺ) عزیز ہیں، اس کے بعد مدینہ میں داخل ہو سکا۔ [خمیس]

⑫ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حَمراءُ الاسَد میں شرکت

اُحد کی لڑائی سے فراغت پر مسلمان مدینہ طیبہ پہونچے، سفر اور لڑائی کی تکان خوب تھی، مگر مدینہ منورہ پہونچتے ہی یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان نے لڑائی سے واپسی پر حَمراءُ الاسَد (ایک جگہ کا نام ہے) پہونچ کر ساتھیوں سے مشورہ کیا اور یہ رائے قائم کی کہ اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے، ایسے موقع کو غنیمت[2] سمجھنا چاہیے تھا کہ نہ معلوم پھر ایسا وقت آسکے یا نہ آسکے، اس لیے حضور اقدس ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کر کے لوٹنا چاہیے تھا، اس ارادہ سے اس نے واپسی کا مشورہ کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ اُحد میں ساتھ تھے، وہی صرف ساتھ ہوں اور دوبارہ حملہ کے لیے چلنا چاہیے؛ اگرچہ مسلمان اس وقت تھکے ہوئے تھے، مگر اس کے باوجود سب کے سب تیار ہو گئے، چونکہ حضور ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا کہ صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جو اُحد میں ساتھ تھے، اس لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! میری تمنا اُحد میں بھی شرکت کی تھی، مگر والد نے یہ کہہ کر اجازت نہ دی کہ میری سات بہنیں ہیں، کوئی مرد اور ہے نہیں، انھوں نے فرمایا تھا کہ ہم دونوں میں سے ایک کا رہنا ضروری ہے اور وہ خود جانے کا ارادہ فرما چکے تھے، اس لیے مجھے اجازت نہ دی تھی، اُحد کی لڑائی میں ان کی شہادت ہو گئی، اب حضور ﷺ مجھے اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں بھی ہمرکاب[3] چلوں۔ حضور ﷺ نے اجازت عطا فرما دی ان کے علاوہ کوئی اور ایسا شخص نہیں گیا جو اُحد میں شریک نہ ہو۔ [خمیس]

فائدہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اس شوق و تمنا سے اجازت مانگنا کس قدر قابلِ رشک[4] ہے کہ والد کا ابھی انتقال ہوا ہے، قرضہ بھی باپ کے ذمہ بہت سا ہے، وہ بھی یہود کا، جو سختی کا برتاؤ کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ خاص طور سے سختی کا معاملہ کر رہے تھے، اس سب کے علاوہ بہنوں کے گذران کا فکر کہ سات بہنیں بھی باپ نے چھوڑی ہیں، جن کی وجہ سے ان کو اُحد کی لڑائی میں شرکت کی باپ نے اجازت بھی نہ دی تھی؛ لیکن جہاد کا شوق ان سب پر غالب ہے۔

⑬ روم کی لڑائی میں حضرت عبداللہ بن زُبیر رضی اللہ عنہما کی بہادری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۲۶ھ میں مصر کے پہلے حاکم حضرت عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بجائے جب عبداللہ بن اَبی سَرح رضی اللہ عنہ حاکم بنائے گئے، تو وہ رُوم کی لڑائی کے واسطے بیس ہزار[2000] کے مجمع کے ساتھ نکلے، رومیوں کا لشکر دو لاکھ[200000] کے قریب تھا، بڑے گھمسان[5] کی لڑائی ہوئی،

حل لغات: (۱) برداشت۔ (۲) مناسب، بہتر۔ (۳) ساتھ۔ (۴) تمنا کرنے کے لائق۔ (۵) زبردست، بھاری۔

رومیوں کے امیر جُرجیر نے اعلان کیا کہ جو شخص عبداللہ بن ابی سَرح کو قتل کردے گا، اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کردوں گا اور ایک لاکھ دینار انعام بھی دوں گا۔ اس اعلان سے بعض مسلمانوں کو فکر ہوا، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو معلوم ہوا، انھوں نے کہا: یہ فکر کی بات نہیں، ہماری طرف سے بھی اعلان کیا جائے کہ جو جُرجیر کو قتل کرے گا، اس کی بیٹی سے اُس کا نکاح کیا جائے گا اور ایک لاکھ دینار انعام، اور مزید یہ کہ اسی کو ان شہروں کا امیر بھی بنادیا جائے گا۔ الغرض دیر تک مقابلہ ہوتا رہا، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے دیکھا کہ جُرجیر سارے لشکر کے پیچھے ہے اور لشکر اس سے آگے بڑھا ہوا ہے، دو باندیاں مور کے پَروں سے اس پر سایہ کیے ہوئے ہیں، انھوں نے غفلت کی حالت میں لشکر سے ہٹ کر اس پر تنہا جا کر حملہ کیا، وہ یہ سمجھتا رہا کہ یہ تنہا اس طرح بڑھے آرہے ہیں، کوئی پیغامِ صلح لے کر آئے ہیں، مگر انھوں نے سیدھے پہونچ کر اس پر حملہ کردیا اور تلوار سے سر کاٹ کر برچھے پر اُٹھا کر لے آئے اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نو عمر ہی تھے، ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش مہاجرین میں ان کی ہی ہے، مسلمانوں کو ان کی پیدائش سے بہت خوشی ہوئی تھی؛ اس لیے کہ ایک سال تک کسی مہاجری کے کوئی لڑکا نہ ہوا تھا، تو یہود نے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم نے ان مہاجرین پر جادو کر رکھا ہے، ان کے لڑکا نہیں ہوسکتا۔ حضور ﷺ کا معمول بچوں کو بیعت فرمانے کا نہیں تھا؛ لیکن حضرت ابن زُبیر ؓ کو ساتھ برس کی عمر میں بیعت فرمالیا تھا، اس لڑائی کے وقت ان کی عمر چوبیس پچیس سال کی تھی، اس عمر میں دو لاکھ کے مجمع کو پھلانگ کر اس طرح سے بادشاہ کا سر کاٹ لانا معمولی چیز نہیں۔

⑭ حضرت عَمرو بن سَلَمہ ؓ کا کُفر کی حالت میں قرآن پاک یاد کرنا

عمرو بن سَلَمہ ؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ طیبہ کے راستے میں ایک جگہ رہا کرتے تھے، وہاں کے آنے جانے والے ہمارے پاس سے گذرتے تھے، جو لوگ مدینہ منورہ سے واپس آتے، ہم اُن سے حالات پوچھا کرتے، کہ لوگوں کا کیا حال چال ہے؟ جو صاحب نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اُن کی کیا خبر ہے؟ وہ لوگ حالات بیان کرتے کہ وہ کہتے ہیں: مجھ پر وحی آتی ہے، یہ یہ آیتیں نازل ہوئیں، میں کم عمر بچہ تھا، وہ جو بیان کرتے، میں اس کو یاد کرلیا کرتا، اسی طرح مسلمان ہونے سے پہلے ہی مجھے بہت سا قرآن شریف یاد ہوگیا تھا۔ عرب کے سب لوگ مسلمان ہونے کے لیے مکہ والوں کا انتظار کررہے تھے، جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو ہر جماعت اسلام میں داخل ہونے کے لیے حاضرِ خدمت ہوئی، میرے باپ بھی اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ ساری قوم کی طرف سے قاصد بن کر حاضرِ خدمت ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے ان کو شریعت کے احکام بتائے اور نماز سکھائی، جماعت کا طریقہ بتایا اور ارشاد فرمایا کہ جس کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو، وہ امامت کے لیے افضل ہے، میں چونکہ آنے والوں

حل لغات: ① خلاصۂ کلام یہ کہ، قصہ مختصر۔ ② چلانگ لگا کر، کود کر۔

سے آیتیں سن کر ہمیشہ یاد کرلیا کرتا تھا، اس لیے سب سے زیادہ حافظِ قرآن میں ہی تھا، سب نے تلاش کیا، تو مجھ سے زیادہ حافظِ قرآن کوئی بھی قوم میں نہ نکلا، تو مجھ ہی کو انھوں نے امام بنایا، میری عمر اس وقت چھ[6] سات برس کی تھی، جب کوئی مجمع ہوتا، یا جنازہ کی نماز کی نوبت آتی، تو مجھ ہی کو امام بنایا جاتا۔ [بخاری، ابوداؤد]

فائدہ: یہ دین کی طرف طبعی[1] میلان اور رُجحان کا اثر تھا، کہ اس عمر میں بغیر مسلمان ہوئے قرآن شریف کا حصہ بہت سا یاد کرلیا، رہا بچہ کی امامت کا قصہ، یہ مسئلہ کی بحث ہے، جن کے نزدیک جائز ہے ان کے نزدیک تو اشکال نہیں، اور جن کے نزدیک جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان ہی لوگوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں جس کو قرآن زیادہ یاد ہو، بچے اس سے مراد نہیں تھے۔

⑮ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنے غلام کے پاؤں میں بیڑی[2] ڈالنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت عِکْرِمہؒ مشہور علماء میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے آقا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن اور حدیث اور شریعت کے احکام پڑھانے کے لیے میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی تھی کہ کہیں آؤں جاؤں نہیں، وہ مجھے قرآن شریف پڑھاتے اور حدیث شریف پڑھاتے۔ [بخاری، ابن سعد]

فائدہ: حقیقت میں پڑھنا اسی صورت سے ہوسکتا ہے، جو لوگ پڑھنے کے زمانہ میں سَیر وسفر اور بازار کی تفریح کے شوق میں رہتے ہیں، وہ بے کار اپنی عمر ضائع کرتے ہیں۔ اسی چیز کا اثر تھا کہ پھر عکرمہ غلام، حضرت عکرمہؒ بن گئے، کہ "بَحْرُ الْاُمَّۃ" اور "حِبْرُ[3] الْاُمَّۃ" کے القاب سے یاد کیے جانے لگے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ تمام تابعین میں زیادہ عالم چار[4] ہیں، جن میں سے ایک عِکْرِمہؒ ہیں۔

⑯ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا بچپن میں حفظِ قرآن

خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ سے تفسیر پوچھو، میں نے بچپن میں قرآن شریف حفظ کیا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے دس[10] برس کی عمر میں اخیر کی مُنزّل[5] پڑھ لی تھی۔ [بخاری، فتح]

فائدہ: اُس زمانہ کا پڑھنا ایسا نہیں تھا، جیسا کہ اس زمانہ میں ہم لوگ غیر زبان والوں کا، بلکہ جو کچھ پڑھتے تھے وہ مع[5] تفسیر کے پڑھتے تھے؛ اسی واسطے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر کے بہت بڑے امام ہیں کہ بچپن کا یاد کیا ہوا بہت محفوظ ہوتا ہے؛ چنانچہ تفسیر کی حدیثیں جتنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہیں، بہت کم دوسرے حضرات سے اتنی نقل ہوں گی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن کے بہترین مُفَسِّر ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ ابوعبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم کو قرآن شریف پڑھاتے تھے، وہ کہتے

حل لغات: ① ذاتی توجہ۔ ② لوہے کی زنجیر۔ ③ امت کے بہت بڑے عالم۔ ④ قرآن شریف کے سات حصوں میں سے ایک حصہ کو منزل کہا جاتا ہے۔ ⑤ تفسیر اور قرآن کے مطلب سمجھنے کے ساتھ۔

تھے کہ صحابہ حضور ﷺ سے دس[۱۰] آیتیں قرآن کی سیکھتے تھے، اس کے بعد دوسری دس[۱۰] آیتیں اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے، جب تک پہلی دس[۱۰] آیتوں کے موافق علم اور عمل نہیں ہوجاتا تھا۔ [منتخب کنز] تیرہ[۱۳] سال کی عمر تھی جس وقت کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا، اس عمر میں جو درجہ تفسیر و حدیث میں حاصل کیا، وہ کھلی کرامت اور قابلِ رشک[۱۵] ہے کہ امام تفسیر ہیں اور بڑے بڑے صحابہ ؓ تفسیر اُن سے دریافت کرتے ہیں، اگرچہ یہ حضور ﷺ ہی کی دعا کا ثمرہ[۲] تھا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ استنجے تشریف لے گئے، باہر تشریف لائے تو لوٹا بھرا ہوا رکھا تھا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کس نے رکھا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ابن عباس نے، حضور اقدس ﷺ کو یہ خدمت پسند آئی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دین کا فہم[۳] اور کتاب اللہ کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نوافل پڑھ رہے تھے، یہ بھی نیت باندھ کر پیچھے کھڑے ہوگئے، حضور ﷺ نے ہاتھ سے کھینچ کر برابر کھڑا کرلیا، کہ ایک مقتدی اگر ہو تو اس کو برابر کھڑا ہونا چاہیے، اس کے بعد حضور ﷺ تو نماز میں مشغول ہوگئے، یہ ذرا سا پیچھے کو ہٹ گئے۔ حضور ﷺ نے نماز کے بعد دریافت فرمایا، عرض کیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، آپ کے برابر کس طرح کھڑا ہوسکتا ہوں؟ حضور نے علم و فہم کے زیادہ ہونے کی دعا دی۔ [اِصابہ]

⑰ حضرت عبداللہ بن عَمرو ابن العاص ؓ کا حفظِ حدیث

حضرت عبداللہ بن عَمرو بن العاص ؓ ان عابد اور زاہد صحابہ میں تھے کہ روزانہ ایک کلام مجید ختم کرتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے اور دن کو ہمیشہ روزہ دار رہتے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کثیر[۴] محنت پر تنبیہ[۵] بھی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں بدن ضعیف ہوجائے گا، آنکھیں رات بھر جاگنے سے پتھرا[۶] جائیں گی، بدن کا بھی حق ہے، اہل و عیال[۷] کا بھی حق ہے، آنے جانے والوں کا بھی حق ہے۔ کہتے ہیں میرا معمول تھا کہ روزانہ ایک ختم کرتا تھا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مہینے میں ایک قرآن پڑھا کرو، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اپنی قوت اور جوانی سے مُنتفع[۸] ہونے کی اجازت فرما دیجیے، حضور ﷺ نے فرمایا: اچھا بیس[۲۰] روز میں ایک ختم کرلیا کرو، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بہت کم ہے، مجھے اپنی جوانی اور قوت سے مُتمتع[۹] ہونے کی اجازت دیجیے، غرض اسی طرح عرض کرتا رہا، اخیر میں تین[۳] دن میں ایک ختم کی اجازت ہوئی۔ ان کا معمول تھا کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے ارشادات کو تحریر[۱۰] کیا کرتے تھے، تاکہ یاد رہیں؛ چنانچہ ان کے پاس ایک مجموعہ حضور ﷺ کی احادیث کا لکھا ہوا تھا، جس کا نام انھوں نے صادِقہ رکھا تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ سے جو سنتا، اس کو لکھ لیا کرتا، تاکہ یاد رہے، مجھے لوگوں نے منع کیا

حل لغات: ① آزمودہ کیے جانے کے لائق۔ ② نتیجہ۔ ③ علم۔ ④ بہت زیادہ۔ ⑤ نصیحت۔ ⑥ روشنی کا ختم ہوجانا۔ ⑦ گھر والے۔ ⑧ فائدہ اُٹھانا۔ ⑨ فائدہ اٹھانا۔ ⑩ لکھ لیتے تھے۔

کہ حضور ﷺ بہر حال آدمی ہیں، کبھی غصہ اور ناراضی میں کسی کو کچھ فرماتے ہیں، کبھی خوشی اور مزاح میں کچھ ارشاد ہوتا ہے، ہر بات نہ لکھا کرو، میں نے چھوڑ دیا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے میں نے اس کا ذکر کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لکھا کرو، اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اِس منہ سے غصہ میں یا خوشی میں حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔ [مسند احمد، ابن سعد]

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ باوجود اس قدر زاہد عابد ہونے کے کہ کثرتِ عبادت میں ممتاز شمار کیے جاتے ہیں، پھر بھی ابوہریرہ ﷺ کہتے ہیں کہ صحابہ ﷺ میں مجھ سے زیادہ روایت کرنے والا کوئی نہیں، بجز عبداللہ ابن عمرو ﷺ کے کہ وہ لکھتے تھے، میں لکھتا نہیں تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روایات ابوہریرہ ﷺ سے بھی بہت زیادہ ہیں، اگرچہ ہمارے زمانے میں ابوہریرہ ﷺ کی روایات ان سے کہیں زیادہ ملتی ہیں، جس کی بہت سی وجوہ ہیں؛ لیکن اس زمانہ میں اتنی عبادت پر بھی کثرت سے ان کی احادیث موجود تھیں۔

⑱ حضرت زید بن ثابت ﷺ کا حفظِ قرآن

حضرت زید بن ثابت ﷺ ان جلیل القدر صحابہ میں ہیں، جو اپنے زمانے میں بڑے عالم اور بڑے مفتی شمار ہوتے تھے؛ بالخصوص فرائض کے ماہر تھے، کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں فتویٰ، قضاء، فرائض، قرأت میں ان کا شمار چوٹی کے لوگوں میں تھا، جب حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے، تو اس وقت کم عمر بچے تھے، گیارہ برس کی عمر تھی، اسی وجہ سے باوجود خواہش کے ابتدائی لڑائیوں یعنی بدر وغیرہ میں شرکت کی اجازت نہیں ہوئی، ہجرت سے پانچ برس پہلے چھ سال کی عمر میں یتیم بھی ہوگئے تھے، حضور ﷺ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہونچے، تو جیسے اور لوگ حاضرِ خدمت ہو رہے تھے اور حصولِ برکت کے واسطے بچوں کو بھی لا رہے تھے، زید ﷺ بھی خدمت میں حاضر کیے گئے، زید ﷺ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں جب پیش کیا گیا، تو عرض کیا گیا کہ یہ قبیلۂ نجار کا ایک لڑکا ہے، آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی اس نے ۱۷ سورتیں قرآن پاک کی حفظ کرلیں، حضور ﷺ نے امتحان کے طور پر مجھے پڑھنے کو ارشاد فرمایا، میں نے سورۂ قٓ حضور ﷺ کو سنائی، حضور ﷺ کو میرا پڑھنا پسند آیا۔ حضور اقدس ﷺ کو جو خطوط یہود کے پاس بھیجنا ہوتے تھے، وہ یہود ہی لکھتے تھے، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی جو خط وکتابت ہوتی ہے، اس پر مجھے اطمینان نہیں کہ گڑبڑ نہ کردیتے ہوں، تو یہود کی زبان سیکھ لے، زید ﷺ کہتے ہیں کہ میں پندرہ دن میں ان کی زبان عبرانی میں کامل ہوگیا تھا، اس کے بعد سے جو تحریر اُن کو جاتی وہ میں ہی لکھتا اور جو تحریر یہود کے پاس سے آتی وہ میں ہی پڑھتا۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بعض لوگوں کو سُریانی زبان میں خط

حل لغات: ① ہنسی۔ ② بڑے درجہ پر، افضل۔ ③ سوائے۔ ④ اسباب۔ ⑤ تشریف لانا۔ ⑥ یہودیوں کی زبان۔ ⑦ ماہر۔ ⑧ ملک شام کی پرانی زبان۔

لکھنا پڑتے ہیں؛ اس لیے مجھ کو سُریانی زبان سیکھنے کے لیے ارشاد فرمایا، میں نے سترہ دن میں سریانی زبان سیکھ لی تھی۔ [فتح، اصابہ]

⑲ حضرت حسن ﷺ کا بچپن میں علمی مشغلہ

سیّد السّادات حضرت حسن ﷺ کی پیدائش جمہور کے قول کے موافق رمضان ۳ھ میں ہے، اس اعتبار سے حضور اقدس ﷺ کے وِصال کے وقت ان کی عمر سات برس اور کچھ مہینوں کی ہوئی، سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے، جس میں کوئی علمی کمال حاصل کیا جاسکتا ہو؛ لیکن اس کے باوجود حدیث کی کئی روایتیں ان سے نقل کی جاتی ہیں۔ اَبُوالحُوراءؒ ایک شخص ہیں، انھوں نے حضرت حسن ﷺ سے پوچھا کہ تمہیں حضور ﷺ کی کوئی بات یاد ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ جارہا تھا، راستہ میں صدقہ کی کھجوروں کا ایک ڈھیر لگ رہا تھا، میں نے اس میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی، حضور اقدس ﷺ نے ''کِخ کِخ'' (ہاہا) فرمایا اور میرے منہ سے نکال دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے اور میں نے پانچوں نمازیں حضور ﷺ سے سمجھی ہیں۔ [مسند احمد] حضرت حسن ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے وتر میں پڑھنے کے لیے حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا بتائی تھی: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ. ترجمہ: اے اللہ! تو مجھے ہدایت فرما، منجملہ اُن کے جن کو تو نے ہدایت فرمائی اور مجھے عافیت عطا فرما، ان لوگوں کے ذیل[1] میں جن کو تُو نے عافیت بخشی اور تُو میرے کاموں کا متولّی[2] بن جا جنہاں اور بہت سے لوگوں کا مُتولّی ہے اور جو کچھ تُو نے مجھے عطا فرمایا، اس میں برکت عطا فرما اور جو کچھ تُو نے مقدر فرمایا ہے، اس کی بُرائی سے مجھے بچا کہ تُو تو جو چاہے طے فرما سکتا ہے، تیرے خلاف کوئی شخص کچھ بھی فیصلہ نہیں کرسکتا اور جس کا تُو والی[3] ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوسکتا، تیری ذات بابرکت ہے اور سب سے بلند ہے۔ امام حسن ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب[4] تک اسی جگہ بیٹھا رہے، وہ جہنم کی آگ سے نجات پائے گا۔ حضرت حسن ﷺ نے کئی حج پیدل کیے اور ارشاد فرماتے تھے: مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ مرنے کے بعد اللہ سے ملوں اور اس کے گھر پاؤں چل کر نہ گیا ہوں، نہایت حلیم[5] مزاج تھے اور پرہیزگار۔ مُسند احمد میں متعدد روایات ان سے نقل کی گئی ہیں اور صاحبِ تلقیح نے ان صحابہ ﷺ میں ان کو ذکر کیا ہے، جن سے تیرہ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں، سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے، اس وقت کی اتنی احادیث کا یاد رکھنا اور نقل کرنا حافظہ کا کمال ہے اور شوق کی انتہا، افسوس ہے کہ ہم لوگ اپنے بچوں کو سات برس تک دین کی معمولی سی باتیں بھی نہیں بتاتے۔

حل لغات: ① واسطے سے۔ ② انتظام کرنے والا۔ ③ مددگار۔ ④ سورج کا نکلنا۔ ⑤ نرم۔

⑳ حضرت حُسَین ؓ کا علمی مشغلہ

سیّد السّادات حضرت حسین ؓ اپنے بھائی حضرت حسن ؓ سے بھی ایک سال چھوٹے تھے، اس لیے ان کی عمر حضورِ اقدس ﷺ کے وصال کے وقت اور بھی کم تھی، یعنی چھ برس اور چند مہینے کی تھی، چھ برس کا بچہ کیا دین کی باتوں کو محفوظ کرسکتا ہے؟ لیکن امام حسین ؓ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں اور محدثین نے اس جماعت میں ان کا شمار کیا ہے، جن سے آٹھ حدیثیں منقول[1] ہیں۔ امام حسین ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ سے سنا کہ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت، اس کو کوئی مصیبت پہونچی ہو، پھر وہ عرصہ کے بعد یاد آئے اور یاد آنے پر پھر وہ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھے، تو اس کو اس وقت بھی اتنا ہی ثواب پہونچے گا، جتنا کہ مصیبت کے وقت پہونچا تھا۔ یہ بھی حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت جب دریا پر سوار ہو اور سوار ہوتے وقت ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا[2] إِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [سورۂ ھود] پڑھے، تو یہ ڈوبنے سے امن کا ذریعہ ہے۔ حضرت حسین ؓ نے پچیس حج پیدل کیے ہیں، نماز اور روزہ کی بھی بہت کثرت فرماتے تھے اور صدقہ اور دین کے ہر کام میں کثرت کا اہتمام تھا۔ ربیعہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسین ؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کی کوئی بات آپ کو یاد ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! میں ایک کھڑکی پر چڑھا، جس میں کھجوریں رکھی تھیں، اس میں سے ایک کھجور میں نے منہ میں رکھ لی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دو، ہم کو صدقہ جائز نہیں۔ حضرت حسین ؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار کاموں میں مشغول نہ ہو، [أسد الغابہ، استیعاب] ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات آپ سے منقول ہیں۔

فائدہ: اس قسم کے واقعات صحابۂ کرام ؓ کے بکثرت ہیں کہ بچپن کے واقعات حضور ﷺ سے نقل کیے اور یاد رکھے۔ محمود بن الرَّبیع ؓ ایک صحابی ہیں، جن کی عمر حضورِ اکرم ﷺ کے وصال کے وقت پانچ برس کی تھی، وہ کہتے ہیں کہ میں عمر بھر اس بات کو نہیں بھولوں گا کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، ہمارے یہاں ایک کنواں تھا، اس کے پانی سے ایک کُلّی میرے منہ پر کی۔ [إصابہ]

ہم لوگ بچوں کو واہی تباہی[3] فضول باتوں میں لگاتے ہیں، جھوٹے جھوٹے قصے ان کو سنا کر لغویات[4] میں دماغ کو پریشان کرتے ہیں، اگر اللہ والوں کے قصے تلاش کر کے ان کو سنائے جائیں اور بجائے جن بھوت سے ڈرانے کے، اللہ سے اور اس کے عذاب سے ڈرائیں اور اللہ کی ناراضی کی اہمیت اور ہیبت[5] دل میں پیدا کریں، تو دنیا میں بھی ان کے کارآمد[6] ہو اور آخرت میں تو مفید ہے ہی۔ بچپن کا زمانہ حافظہ کی قوت کا زمانہ ہوتا ہے، اس وقت کا یاد کیا ہوا کبھی بھی نہیں بھولتا، ایسے وقت میں اگر قرآن پاک حفظ کرا دیا جائے،

حل لغات: ① نقل کی گئی ہیں۔ ② اس کا چلنا بھی اللہ ہی کے نام سے ہے اور لنگر ڈالنا بھی یقین رکھو کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ ③ بیکار۔ ④ بیکار باتیں۔ ⑤ ڈر۔ ⑥ فائدہ دینے والا۔

تو نہ کوئی دِقّت[1] ہو، نہ وقت خرچ ہو، میں نے اپنے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ سے بھی بارہا سنا اور اپنے گھر کی بوڑھیوں سے بھی سنا ہے کہ میرے والد صاحبؒ کا جب دودھ چھڑایا گیا ہے، تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا اور ساتویں برس کی عمر میں قرآن شریف پورا حفظ ہو چکا تھا اور وہ اپنے والد یعنی میرے دادے صاحب سے مخفی[2] فارسی کا بھی مُعتَدبِہ[3] حصہ بوستان، سکندر نامہ وغیرہ پڑھ چکے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد صاحب نے قرآن شریف ختم ہونے کے بعد یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ایک قرآن شریف روزانہ پڑھ لیا کرو، باقی تمام دن چھٹی، مَیں گرمی کے موسم میں صبح کی نماز کے بعد مکان کی چھت پر بیٹھا کرتا تھا اور چھ سات گھنٹہ میں قرآن شریف پورا کر کے دوپہر کو روٹی کھاتا تھا اور شام کو اپنی خوشی سے فارسی پڑھا کرتا تھا، چھ ماہ تک مسلسل یہی معمول رہا، چھ ماہ تک روزانہ ایک کلام مجید پڑھنا اور پھر اس کے ساتھ ہی دوسرے اسباق بھی پڑھتے رہنا اور وہ بھی سات برس کی عمر میں کوئی معمولی بات نہیں، اسی کا یہ ثمرہ تھا کہ قرآن شریف میں مُتَشابِہ[4] لگنا یا بھولنا جانتے ہی نہ تھے؛ چونکہ ظاہری معاش[5] کتابوں کی تجارت پر تھی اور کتب خانہ کا اکثر کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے، اس لیے ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا تھا کہ ہاتھ سے کام کرتے وقت زبان سے تلاوت نہ فرماتے رہتے ہوں اور کبھی کبھی اسی کے ساتھ ہم لوگوں کو جو مدرسہ سے الگ پڑھتے تھے اسباق بھی پڑھا دیا کرتے تھے، اس طرح تین کام ایک وقت میں کر لیا کرتے تھے؛ مگر ان کا طریقۂ تعلیم ہم لوگوں کے ساتھ وہ نہیں تھا، جو مدرسہ کے اسباق کا تھا اور عام مدارس کا مُروَّجہ[6] طریقہ ہے کہ سارا بوجھ استاد ہی کے ذمہ رہے، بلکہ مخصوص طلبہ کے ساتھ یہ طریقہ تھا کہ شاگرد عبارت پڑھے، ترجمہ کرے، مطلب بیان کرے، اگر وہ مطلب صحیح ہوتا تو ''آگے چلو'' فرما دیتے اور غلط ہوتا تو اگر غلطی قابلِ تنبیہ ہوتی، تو تنبیہ فرماتے اور قابل بتانے کے ہوتی تو بتا دیتے۔ یہ پُرانے زمانے کا قصہ نہیں ہے، اسی صدی کا واقعہ ہے؛ لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے قُویٰ اور ہمتیں اب کہاں سے لائی جائیں۔

بارھواں باب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کے واقعات میں

اگرچہ جتنے قصے اب تک نقل کیے گئے ہیں، وہ سب ہی محبت کے کرشمے تھے کہ محبت ہی ان حضرات کی والہانہ[7] زندگی کا سبب تھی، جس کی وجہ سے نہ جان کی پرواہ تھی، نہ زندگی کی تمنا، نہ مال کا خیال تھا، نہ تکلیف کا خوف، نہ موت سے ڈر، اس کے علاوہ محبت حکایت کی چیز بھی نہیں، وہ ایک کیفیت[8] ہے جو الفاظ

حل لغات: (۱) تکلیف، پریشانی۔ (۲) چھپ کر۔ (۳) بہت سا، اچھا خاصا۔ (۴) ایک آیت کا دوسری آیت جیسا لگنا۔ (۵) کاروبار، گذارہ کا ذریعہ۔ (۶) جاری۔ (۷) عاشقانہ۔ (۸) حالت۔

وعبارات سے بالاتر[1] ہے، محبت ہی ایک ایسی چیز ہے، جو دل میں بس جانے کے بعد محبوب کو ہر چیز پر غالب کر دیتی ہے، نہ اس کے سامنے ننگ[2] و ناموس کوئی چیز ہے، نہ عزت و شرافت کوئی شے[3]، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لُطف سے اور اپنے محبوب کے وسیلہ سے، اپنی اور اپنے پاک رسول ﷺ کی محبت عطا فرمائیں، تو ہر عبادت میں لذت ہے اور دین کی ہر تکلیف میں راحت۔

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعلانِ اسلام اور تکلیف

ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ اپنے اسلام کو حتی الوسع[4] مخفی[5] رکھتا تھا، حضور اقدس ﷺ کی طرف سے بھی اس وجہ سے کہ ان کو کفار سے اذیت[6] نہ پہونچے اخفاء[7] کی تلقین[8] ہوتی تھی، جب مسلمانوں کی مقدار انتالیس تک پہونچی، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اظہار کی درخواست کی کہ کھلم کھلا عَلَی الْاِعْلَان تبلیغ کی جائے، حضور اقدس ﷺ نے اوّل[9] انکار فرمایا، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اِصرار[10] پر قبول فرمالیا اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر مسجدِ کعبہ میں تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبلیغی خطبہ شروع کیا، یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا اور حضور اقدس ﷺ کے چچا سَیِّدُ الشُّہَداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی دن اسلام لائے ہیں اور اس کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مُشَرَّف[11] بِاسلام ہوئے ہیں، خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے کفار و مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی باوجودیکہ مکہ مکرمہ میں ان کی عظمت و شرافت مُسَلَّم[12] تھی، اس قدر مارا کہ تمام چہرۂ مبارک خون میں بھر گیا، ناک، کان سب لہولہان[13] ہو گئے تھے، پہچانے نہ جاتے تھے، جوتوں سے لاتوں سے مارا، پاؤں میں روندا اور جو نہ کرنا تھا سب ہی کچھ کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے، بنو تیم یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی، وہ وہاں سے اٹھا کر لائے، کسی کو بھی اس میں تردّد[14] نہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وحشیانہ[15] حملہ سے زندہ بچ سکیں گے، بنو تیم مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اگر اس حادثہ میں وفات ہو گئی، تو ہم لوگ ان کے بدلہ میں عُتبہ ابن ربیعہ کو قتل کریں گے، عُتبہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مارنے میں بہت زیادہ بدبختی[16] کا اظہار کیا تھا، شام تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بے ہوشی رہی، باوجود آوازیں دینے کے بولنے یا بات کرنے کی نوبت نہ آتی تھی، شام کو آوازیں دینے پر وہ بولے، تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے اس پر بہت ملامت[17] کی کہ ان ہی کے ساتھ کی بدولت[18] یہ مصیبت آئی اور دن بھر موت کے منہ میں رہنے پر بات کی تو وہ بھی حضور ﷺ ہی کا جذبہ اور ان ہی کی لے[19]، لوگ پاس سے اٹھ کر چلے گئے کہ بددلی[20] بھی

حل لغات: (۱) بہت اونچی۔ (۲) شرم ولحاظ۔ (۳) چیز۔ (۴) کوشش بھر، جہاں تک ہو سکے۔ (۵) چھپا ہوا۔ (۶) تکلیف۔ (۷) چھپانے۔ (۸) ہدایت۔ (۹) پہلے۔ (۱۰) بار بار کہنا۔ (۱۱) اسلام قبول کرنا۔ (۱۲) ثابت، مانی ہوئی تھی۔ (۱۳) خون میں لَت پَت۔ (۱۴) شک۔ (۱۵) بھیانک، خطرناک۔ (۱۶) کمینہ پن۔ (۱۷) بُرا بھلا کہنا۔ (۱۸) وجہ سے۔ (۱۹) دھن۔ (۲۰) ناراضگی۔

تھی اور یہ بھی کہ آخر کچھ جان باقی ہے کہ بولنے کی نوبت آئی اور آپ ﷺ کی والدہ اُمِّ خیر ؓ سے کہہ گئے کہ ان کے کھانے پینے کے لیے کسی چیز کا انتظام کردیں، وہ کچھ تیار کرکے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا، مگر حضرت ابوبکر ؓ کی وہی ایک صدا تھی کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ حضور ﷺ پر کیا گذری؟ ان کی والدہ نے فرمایا: مجھے تو خبر نہیں کہ کیا حال ہے، آپ ؓ نے فرمایا کہ اُمِّ جمیل ؓ (حضرت عمر ؓ کی بہن) کے پاس جاکر دریافت کرلو کہ کیا حال ہے۔ وہ بیچاری بیٹے کی اس مظلومانہ حالت کی بیتابانہ[1] درخواست کو پورا کرنے کے واسطے اُمِّ جمیل ؓ کے پاس گئیں اور محمد ﷺ کا حال دریافت کیا، وہ بھی عام دستور[2] کے موافق اس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں فرمانے لگیں: میں کیا جانوں؟ کون محمد (ﷺ) اور کون ابوبکر (ؓ)، تیرے بیٹے کی حالت سن کر رنج ہوا، اگر تُو کہے تو میں چل کر اس کی حالت دیکھوں، اُمِّ خیر ؓ نے قبول کرلیا، ان کے ساتھ گئیں اور حضرت ابوبکر ؓ کی حالت دیکھ کر تحمل[3] نہ کرسکیں، بے تحاشا[4] رونا شروع کردیا کہ بدکردار[5] داروں نے کیا حال کردیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کیے کی سزا دے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے پھر پوچھا کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ اُمِّ جمیل ؓ نے حضرت ابوبکر ؓ کی والدہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ سن رہی ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان سے خوف نہ کرو، تو اُمِّ جمیل ؓ نے خیریت سنائی اور عرض کیا کہ بالکل صحیح سالم ہیں، آپ نے پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ارقم ؓ کے گھر تشریف رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا، نہ پیوں گا، جب تک حضور ﷺ کی زیارت[6] نہ کرلوں، ان کی والدہ کو تو بیقراری[7] تھی کہ وہ کچھ کھالیں اور انھوں نے قسم کھالی کہ جب تک زیارت نہ کرلوں کچھ نہ کھاؤں گا؛ اس لیے والدہ نے اس کا انتظار کیا کہ لوگوں کی آمد و رفت[8] بند ہوجائے، مبادا[9] کوئی دیکھ لے اور کچھ اذیت[10] پہونچائے، جب رات کا بہت سا حصہ گذر گیا، تو حضرت ابوبکر ؓ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں ارقم ؓ کے گھر پہونچیں، حضرت ابوبکر ؓ حضور ﷺ سے لپٹ گئے، حضور اقدس ﷺ بھی لپٹ کر روئے اور مسلمان بھی سب رونے لگے کہ حضرت ابوبکر ؓ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں، آپ ﷺ ان کے لیے ہدایت کی دعا بھی فرمادیں اور ان کو اسلام کی تبلیغ بھی فرمائیں، حضور اقدس ﷺ نے اوّل دعا فرمائی، اس کے بعد ان کو اسلام کی ترغیب دی، وہ بھی اسی وقت مسلمان ہوگئیں۔ [خمیس]

فائدہ: عیش و عشرت، نشاط و فرحت[10] کے وقت محبت کے دعوے کرنے والے سینکڑوں ہوتے ہیں، محبت و عشق وہی ہے جو مصیبت اور تکلیف کے وقت بھی باقی رہے۔

حل لغات: (۱) گھبرائی ہوئی، فوری۔ (۲) حالت، عادت۔ (۳) برداشت۔ (۴) بہت زیادہ۔ (۵) بدمعاشوں۔ (۶) ملاقات۔ (۷) بے چینی۔ (۸) آنا جانا۔ (۹) ایسا نہ ہو کہ۔ (۱۰) خوشی۔

② حضرت عمر ؓ کا حضور ﷺ کے وِصال پر رنج

حضرت عمر ؓ باوجود اپنی اس ضربُ المثل قوت، شجاعت، دلیری اور بہادری کے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی شُہرۂ آفاق ہے اور باوجودیکہ اسلام کا ظہور حضرت عمر ؓ کے اسلام لانے ہی سے ہوا کہ اسلام لانے کے بعد اپنے اسلام کا اِخفا گوارا نہ ہوا، حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ یہ ہے کہ اپنی اس بہادری کے باوجود حضور اقدس ﷺ کے وصال کی حالت کا تحمل نہ فرما سکے، سخت حیرانی اور پریشانی کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوگئے، کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہوگیا ہے، تو اس کی گردن اڑا دوں گا، حضور اقدس ﷺ تو اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام "طُور" پر تشریف لے گئے تھے، عنقریب حضور ﷺ واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے، جو حضور ﷺ کے انتقال کی جھوٹی خبر اُڑا رہے ہیں، حضرت عثمان ؓ بالکل گم صُم تھے کہ دوسرے دن تک بالکل آواز نہیں نکلی، چلتے پھرتے تھے مگر بولا نہیں جاتا تھا، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ چپ چاپ بیٹھے رہ گئے کہ حرکت بھی بدن کو نہ ہوتی تھی، صرف ایک حضرت ابوبکر ؓ کا دم تھا کہ اس وقت کے پہاڑ جیسے وقت کو برداشت کیا اور اپنی اس محبت کے باوجود جو پہلے قصہ میں گذری، اس وقت نہایت سکون سے تشریف لا کر اوّل حضور اقدس ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور باہر تشریف لا کر حضرت عمر ؓ کو ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، اس کے بعد خطبہ پڑھا، جس کا حاصل یہ تھا کہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہو، وہ جان لے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو چکا؛ لیکن جو شخص اللہ کی پرستش کرتا ہو، وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ زندہ ہیں اور ہمیشہ رہنے والے ہیں، اس کے بعد کلام پاک کی آیت: ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾ [سورۂ آل عمران: ۱۴۴] اخیر تک تلاوت فرمائی، [خمیس] ترجمہ: محمد (ﷺ) نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں جس پر موت وغیرہ نہ آسکے) سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید بھی ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص اُلٹا پھر جائے گا تو خدا تعالیٰ کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا (اپنا ہی کچھ کھووے گا) اور خدا تعالیٰ شانہٗ جلد ہی جزا دے گا حق شناس لوگوں کو۔ [بیان القرآن]

فائدہ: چونکہ اللہ جلّ شانہٗ کو حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے خلافت کا اہم کام لینا تھا، اس لیے ان کی شایانِ شان اس وقت یہی حالت تھی؛ اسی وجہ سے اس وقت جس قدر اِستقلال اور تحمّل حضرت صدیق اکبر ؓ میں تھا، کسی میں بھی نہ تھا اور اس کے ساتھ ہی جس قدر مسائل دفن و میراث وغیرہ کے اس وقت کے مناسب حضرت صدیق اکبر ؓ کو معلوم تھے، مجموعی طور پر کسی کو بھی معلوم نہ تھے؛ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے دفن

حل لغات: (۱) مشہور۔ (۲) پوری دنیا میں مشہور۔ (۳) چھپانا۔ (۴) انتقال۔ (۵) برداشت۔ (۶) خاموش۔ (۷) عبادت۔ (۸) صرف۔ (۹) شکر کرنے والے، اللہ کو پہچاننے والے۔ (۱۰) مضبوطی۔ (۱۱) مکمل۔

میں اختلاف ہوا کہ مکہ مکرمہ میں دفن کیا جائے یا مدینہ منورہ میں یا بیتُ المقدس میں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ نبی کی قبر اسی جگہ ہوتی ہے، جہاں اس کی وفات ہو؛ لہٰذا جس جگہ وفات ہوئی ہے اُسی جگہ قبر کھودی جائے۔ آپ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ ہم لوگوں (یعنی انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا، میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا مُتَوَلّی[1] بنے اور وہ لاپرواہی سے کوتاہی کرتے ہوئے کسی دوسرے کو امیر بنائے اس پر لعنت ہے، نیز حضور ﷺ کا ارشاد کہ قریش اس اَمر یعنی سَلْطَنَت کے مُتَوَلّی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

③ ایک عورت کا حضور ﷺ کی خبر کے لیے بیقرار ہونا

اُحُد کی لڑائی میں مسلمانوں کو اذیت بھی بہت پہونچی اور شہید بھی بہت سے ہوئے، مدینہ طیبہ میں یہ وحشت[2] اثر خبر پہونچی تو عورتیں پریشان ہوکر تحقیقِ حال کے لیے گھر سے نکل پڑیں، ایک انصاری عورت نے مجمع[3] کو دیکھا تو بیتاب[4] ہوکر پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ اس مجمع میں سے کسی نے کہا کہ تمہارے والد کا انتقال ہوگیا، انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور پھر بے قراری سے حضور ﷺ کی خیریت دریافت کی، اتنے میں کسی نے خاوند کے انتقال کی خبر سنائی اور کسی نے بیٹے کی اور کسی نے بھائی کی کہ یہ سب ہی شہید ہوگئے تھے؛ مگر انھوں نے پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ حضور ﷺ بخیریت ہیں تشریف لا رہے ہیں، اس سے اطمینان نہ ہوا، کہنے لگیں کہ مجھے بتادو کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارہ کرکے بتایا اُس مجمع میں ہیں، یہ دوڑی ہوئی گئیں اور اپنی آنکھوں کو حضور ﷺ کی زیارت سے ٹھنڈا کرکے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) آپ کی زیارت ہوجانے کے بعد ہر مصیبت ہلکی اور معمولی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! (ﷺ) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جب آپ زندہ وسلامت ہیں، تو مجھے کسی کی ہلاکت کی پرواہ نہیں۔ [خمیس]

فائدہ: اس قسم کے مُتَعَدِّد قصّے اس موقع پر پیش آئے ہیں؛ اسی وجہ سے مؤرخین میں ناموں میں اختلاف بھی ہوا ہے؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس نوع[5] کا واقعہ کئی عورتوں کو پیش آیا ہے۔

④ حُدَیبیہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور مُغیرہ رضی اللہ عنہما کا فعل اور عام صحابہ کا طرزِ عمل

حُدَیبیہ کی مشہور لڑائی ذی قعدہ ۶ھ میں ہوئی، جب کہ حضور اقدس ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لا رہے تھے، کفارِ مکہ کو جب اس کی خبر پہونچی تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ مسلمانوں کو مکہ آنے

حل لغات: ① ذمہ دار۔ ② گھبرا دینے والی۔ ③ بے چین اور بے قراری میں، گھبرائے ہوئے، فوراً۔ ④ قسم۔

سے روکا جائے، اس کے لیے بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کی اور مکہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دی اور بڑے مجمع کے ساتھ مقابلہ کی تیاری کی۔ ذُوالحُلَیفہ سے حضور اقدس ﷺ نے ایک صاحب کو حالات کی خبر لانے کے لیے بھیجا، جو مکہ سے حالات کی تحقیق کر کے عُسفان پر حضور ﷺ سے ملے، انھوں نے عرض کیا کہ مکہ والوں نے مقابلہ کی بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کر رکھی ہے اور باہر سے بھی بہت سے لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلا رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ ﷺ سے مشورہ فرمایا کہ اس وقت کیا کرنا چاہیے؟ ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے مدد کو گئے ہیں ان کے گھروں پر حملہ کیا جائے، جب وہ خبر سنیں گے، تو مکہ سے واپس آجائیں گے، دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے چلے چلیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں، لڑائی کا ارادہ تو تھا ہی نہیں؛ اس لیے آگے بڑھے چلیں اگر وہ ہمیں روکیں گے تو مقابلہ کریں گے ورنہ نہیں۔ حضور ﷺ نے اس کو قبول فرمایا اور آگے بڑھے۔ حُدَیبیہ میں پہونچ کر بُدَیل بن وَرقا خُزاعی ایک جماعت کو ساتھ لے کر آئے اور حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا کہ کفار آپ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، وہ تو لڑائی پر تُلے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے واسطے نہیں آئے ہیں، ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے اور قریش کو روز[1] مرّہ کی لڑائی نے بہت نقصان پہونچا رکھا ہے، بالکل ہلاک کر دیا ہے، اگر وہ راضی ہوں تو میں ان سے مُصالَحت[2] کرنے کو تیار ہوں کہ میرے اور ان کے درمیان اس پر معاہدہ ہو جائے کہ وہ مجھ سے تعرُّض[3] نہ کریں، میں ان سے تعرُّض نہ کروں، مجھے اَوروں سے نمٹنے دیں اور اگر وہ کسی چیز پر بھی راضی نہ ہوں تو اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اس وقت تک ان سے لڑوں گا جب تک کہ اسلام غالب ہو جائے یا میری گردن جُدا ہو جائے۔ بُدَیل نے عرض کیا کہ اچھا میں آپ کا پیام ان تک پہونچائے دیتا ہوں۔ وہ لوٹے اور جا کر پیام پہونچایا، مگر کفار راضی نہ ہوئے، اسی طرح طَرَفَینْ[4] سے آمد و رفت کا سلسلہ رہا، جن میں ایک مرتبہ عُروہ بن مسعود ثَقَفی کفار کی جانب سے آئے کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں مسلمان ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان سے بھی وہی گفتگو فرمائی جو بُدَیل سے کی تھی۔ عُروہ نے عرض کیا: اے محمد (ﷺ) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کر دو تو یہ ممکن نہیں، تم نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گزرا ہو، جس نے عرب کو بالکل فنا[6] کر دیا ہو اور اگر دوسری صورت ہوئی کہ وہ تم پر غالب ہو گئے تو یاد رکھو کہ میں تمہارے ساتھ اَشراف[7] کی جماعت نہیں دیکھتا، یہ اطراف[8] کے کم ظَرف[9] لوگ تمہارے ساتھ ہیں، مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ پاس کھڑے ہوئے تھے یہ جملہ سن کر غصہ میں بھر گئے اور ارشاد فرمایا

حل لغات: (۱) روز روز۔ (۲) صلح۔ (۳) روک ٹوک، مجھے نہ چھیڑیں۔ (۴) دونوں جانب۔ (۵) آنے جانے۔ (۶) ختم۔ (۷) شریف لوگ۔ (۸) آس پاس۔ (۹) کم درجہ کے۔

کہ تو اپنے معبودلات کی پیشاب گاہ کو چاٹ، کیا ہم حضور ﷺ سے بھاگ جائیں گے اور آپ ﷺ کو اکیلا چھوڑ دیں گے؟ عُرْوَہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر ہیں۔ انھوں نے حضرت ابوبکر ؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا ایک قدیمی[1] احسان مجھ پر ہے جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا، اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا۔ یہ کہہ کر عُروہ پھر حضور ﷺ سے بات میں مشغول ہو گئے اور عرب کے عام دستور[2] کے موافق بات کرتے ہوئے حضور ﷺ کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتے کہ خوشامد کے موقع پر داڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے۔ صحابہ ؓ کو یہ بات کب گوارا[3] ہو سکتی تھی، عُروہ کے بھتیجے حضرت مُغیرہ بن شُعبہ ؓ سر پر خود[4] اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے، انھوں نے تلوار کا قبضہ[5] عُروہ کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پرے[6] کو رکھو۔ عُروہ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مُغیرہ۔ عُروہ نے کہا: او غدّار[7]! تیری غدّاری کو میں اب تک بھگت رہا ہوں اور تیرا یہ برتاؤ؟ (حضرت مُغیرہ بن شُعبہ ؓ نے اسلام سے قبل چند کافروں کو قتل کر دیا تھا جن کی دیت[8] عُروہ نے ادا کی تھی اس کی طرف یہ اشارہ تھا) غرض عُروہ طویل[9] گفتگو حضور ﷺ سے کرتے رہے اور نظریں بچا کر صحابۂ کرام ؓ کے حالات کا اندازہ بھی کرتے جاتے تھے؛ چنانچہ واپس جا کر کفار سے کہا کہ اے قریش! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں، قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور ان کے آداب بھی دیکھے ہیں، خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (ﷺ) کی جماعت اُن کی تعظیم کرتی ہے، اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس کو بدن اور منہ پر مَل لیتا ہے، جو بات محمد (ﷺ) کے منہ سے نکلتی ہے اس کے پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں، ان کی وضو کا پانی آپس میں لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں، زمین پر نہیں گرنے دیتے اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے تر[10] ہاتھ کو ہاتھ سے مَل کر اپنے منہ پر مَل لیتا ہے، اُن کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نیچی آواز سے، ان کے سامنے زور سے نہیں بولتے، ان کی طرف نگاہ اٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے، اگر ان کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اُس کو تبرّکاً[11] اٹھا لیتے ہیں اور اس کی تعظیم اور احترام کرتے ہیں، غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔ اسی دوران میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کو اپنی طرف سے قاصد[12] بنا کر سردارانِ مکہ کے پاس بھیجا۔ حضرت عثمان ؓ کی باوجود مسلمان ہو جانے کے مکہ میں بہت عزت تھی اور ان کے متعلق زیادہ اندیشہ[13] نہ تھا

حل لغات: (۱) پرانا۔ (۲) رواج، عادت۔ (۳) برداشت۔ (۴) لوہے کی ٹوپی جو لڑائی میں پہنتے ہیں۔ (۵) تلوار پکڑنے کی جگہ، دستہ۔ (۶) دور۔ (۷) بے وفا، نمک حرام۔ (۸) وہ مال جو قاتل، مقتول کے وارثوں کو دے۔ (۹) لمبی۔ (۱۰) گیلا۔ (۱۱) برکت حاصل کرنے کے واسطے۔ (۱۲) پیغام لے جانے والا۔ (۱۳) ڈر۔

اس لیے ان کو تجویز[1] فرمایا تھا۔ وہ تشریف لے گئے تو صحابہ ﷺ کو رشک ہوا کہ عثمان تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے امید نہیں ہے کہ وہ میرے بغیر طواف کریں؛ چنانچہ حضرت عثمان ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اَبان بن سعید نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان سے کہا کہ جہاں دل چاہے چلو پھرو، تم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت عثمان ﷺ ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور ﷺ کا پیام پہونچاتے رہے، جب واپس ہونے لگے تو کفار نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہو، تم طواف کرتے جاؤ۔ انھوں نے جواب دے دیا کہ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ حضور اقدس ﷺ تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کرلوں۔ قریش کو اس جواب پر غصہ آیا جس کی وجہ سے انھوں نے حضرت عثمان ﷺ کو روک لیا۔ مسلمانوں کو یہ خبر پہونچی کہ ان کو شہید کردیا۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے صحابہ ﷺ سے اخیر دم تک لڑنے پر بیعت لی۔ جب کفار کو اس کی خبر پہونچی تو گھبرا گئے اور حضرت عثمان ﷺ کو فوراً چھوڑ دیا۔ [خمیس]

فائدہ: اس قصہ میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا ارشاد، حضرت مُغیرہ ﷺ کا مارنا، صحابۂ کرام ﷺ کا عام برتاؤ، جس کو عروہ نے بہت غور سے دیکھا، حضرت عثمان ﷺ کا طواف سے انکار، ہر واقعہ ایسا ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ بے انتہا عشق ومحبت کی خبر دیتا ہے۔ یہ بیعت جس کا اس قصہ میں ذکر ہے ''بیعۃ[2] الشجرہ'' کہلاتی ہے، قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سورۂ فتح:۱۸] الآیۃ میں اس کا ذکر فرمایا ہے، پوری آیت مع ترجمہ کے عنقریب خاتمہ میں آرہی ہے۔

⑤ حضرت ابنِ زُبَیر ﷺ کا خون پینا

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگیاں[3] لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ کو دیا کہ اس کو کہیں دبا دیں۔ وہ گئے اور آکر عرض کیا کہ دبا دیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کہاں؟ عرض کیا: میں نے پی لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی، مگر تیرے لیے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے۔

فائدہ: حضور ﷺ کے فُضلات: پاخانہ پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں، اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب کہ ''ہلاکت ہے'' علماء نے لکھا ہے کہ سلطنت اور امارت کی طرف اشارہ ہے کہ امارت ہوگی اور لوگ اس میں مُزاحِم[4] ہوں گے۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر ﷺ جب پیدا ہوئے تھے، اس وقت بھی حضور ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا تھا کہ ایک مینڈھا ہے بھیڑیوں کے درمیان، ایسے بھیڑیئے جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے؛ چنانچہ یزید اور عبدالملک دونوں کے ساتھ حضرت ابنِ زُبَیر ﷺ کی مشہور لڑائی ہوئی اور آخر شہید ہوئے۔

حل لغات: ① طے فرمایا۔ ② جس درخت کے نیچے صحابہ نے بیعت کی عہد کیا کہ کافروں سے لڑیں گے، جان دے دیں گے، بھاگیں گے نہیں۔ ③ پچھنا لگوانا۔ ④ روکنے والے۔

⑥ حضرت مالک بن سِنان ﷺ کا خون پینا

اُحد کی لڑائی میں جب نبیٔ اکرم ﷺ کے چہرۂ انور پر سرِ مبارک میں خَود[1] کے دو حلقے گھس گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابُوعُبَیدَہ ﷺ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کیے، ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابوعبیدہ ﷺ کا ٹوٹ گیا، اس کی پرواہ نہ کی، دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا، لیکن حلقہ وہ بھی کھینچ ہی لیا، ان حلقوں کے نکلنے سے حضور ﷺ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا، تو حضرت ابوسعید خدری ﷺ کے والد ماجد مالک بن سِنان ﷺ نے اپنے لبوں سے اُس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ [قُرَّۃ العیون]

⑦ حضرت زَید بن حَارِثَہ ﷺ کا اپنے باپ کو انکار

حضرت زید بن حارثہ ﷺ زمانۂ جاہلیت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جارہے تھے، بنوقیس نے قافلہ کو لُوٹا جس میں زید ﷺ بھی تھے ان کو مکہ کے بازار میں لاکر بیچا، حکیم بن حزام ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ ﷺ کے لیے ان کو خرید لیا۔ جب حضور ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ ﷺ سے ہوا تو انھوں نے زید ﷺ کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کردیا۔ زید ﷺ کے والد کو ان کے فِراق[2] کا بہت صدمہ تھا اور ہونا ہی چاہیے تھا کہ اولاد کی محبت فطری چیز ہے۔ وہ زید ﷺ کے فراق میں روتے اور اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے، اکثر جو اشعار پڑھتے تھے ان کا مختصر ترجمہ یہ ہے:

''میں زید کی یاد میں روتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے، تاکہ اس کی اُمید کی جائے یا موت نے اس کو نمٹا دیا۔ خدا کی قسم! مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تجھے اے زید! نرم زمین نے ہلاک کیا یا کسی پہاڑ نے ہلاک کیا، کاش مجھے یہ معلوم ہوجاتا کہ تُو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں، ساری دنیا میں میری انتہائی غرض تیری واپسی ہے، جب آفتاب طلوع ہوتا ہے جب بھی مجھے زید ہی یاد آتا ہے اور جب بارش ہونے کو ہوتی ہے جب بھی اُسی کی یاد مجھے ستاتی ہے اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں، ہائے میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہوگیا، میں اس کی تلاش اور کوشش میں ساری دنیا میں اونٹ کی تیز رفتاری کو کام میں لاؤں گا اور دنیا کا چکر لگانے سے نہیں اُکتاؤں گا، اونٹ چلنے سے اُکتا جائیں تو اُکتا جائیں، لیکن میں کبھی بھی نہیں اُکتاؤں گا، اپنی ساری زندگی اسی میں گزار دوں گا، ہاں! میری موت ہی آگئی تو خیر کہ موت ہر چیز کو فنا کردینے والی ہے، آدمی خواہ کتنی ہی امیدیں لگاوے، مگر میں اپنے بعد فلاں فلاں رشتہ داروں اور آل اولاد کو وصیت کرجاؤں گا کہ وہ بھی اسی طرح زید کو ڈھونڈتے رہیں''۔

حل لغات: ① لوہے کی ٹوپی۔ ② جدائی۔

غرض یہ اشعار وہ پڑھتے تھے اور روتے ہوئے ڈھونڈتے پھرا کرتے تھے، اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگوں کا حج کو جانا ہوا اور انھوں نے زید کو پہچانا، باپ کا حال سنایا، شعر سنائے، اُن کی یاد و فراق کی داستان سنائی۔ حضرت زید ﷺ نے ان کے ہاتھ تین شعر کہہ کر بھیجے، جن کا مطلب یہ تھا کہ میں یہاں مکہ میں ہوں، خیریت سے ہوں، تم غم اور صدمہ نہ کرو، میں بڑے کریم لوگوں کی غلامی میں ہوں۔ ان لوگوں نے جا کر زید ﷺ کی خیر و خبر ان کے باپ کو سنائی اور وہ اشعار سنائے جو زید ﷺ نے کہہ کر بھیجے تھے اور پتہ بتایا۔ زید ﷺ کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کو غلامی سے چھڑانے کی نیت سے مکہ مکرمہ پہونچے، تحقیق کی، پتہ چلایا، حضور ﷺ کی خدمت میں پہونچے اور عرض کیا: اے ہاشم کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار! تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو اور اللہ کے گھر کے پڑوسی، تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا دیتے ہو، ہم اپنے بیٹے کی طلب[1] میں تمہارے پاس پہونچے ہیں، ہم پر احسان کرو اور کرم فرماؤ اور فدیہ قبول کر لو اور اس کو رہا کر دو، بلکہ جو فدیہ ہو اس سے زیادہ لے لو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: زید کی طلب میں ہم لوگ آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بس اتنی سی بات ہے؟ عرض کیا کہ حضور! بس یہی غرض ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کو بلا لو اور اس سے پوچھ لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے وہ تمہاری نذر ہے اور اگر نہ جانا چاہے تو میں ایسے شخص پر جبر[2] نہیں کر سکتا، جو خود نہ جانا چاہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ آپ نے استحقاق[3] سے بھی زیادہ احسان فرمایا، یہ بات خوشی سے منظور ہے۔ حضرت زید ﷺ بلائے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کو پہچانتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! پہچانتا ہوں، یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو، ان کے ساتھ جانا چاہو تو اجازت ہے۔ حضرت زید ﷺ نے عرض کیا کہ حضور! میں آپ کے مقابلہ میں بھلا کس کو پسند کر سکتا ہوں؟ آپ میرے لیے باپ کی جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی۔ ان دونوں باپ چچا نے کہا کہ زید! غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو اور باپ، چچا اور سب گھر والوں کے مقابلہ میں غلام رہنے کو پسند کرتے ہو؟ زید ﷺ نے کہا کہ ہاں میں نے ان میں (حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے) ایسی بات دیکھی ہے جس کے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی پسند نہیں کر سکتا۔ حضور ﷺ نے جب یہ جواب سنا تو ان کو گود میں لے لیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ زید ﷺ کے باپ اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ [خمیس] حضرت زید ﷺ اُس وقت بچے تھے۔ بچپن کی حالت میں سارے گھر کو، عزیز[4] و اقارب کو غلامی پر قربان کر دینا، جس محبت کا پتہ دیتا ہے وہ ظاہر ہے۔

حل لغات: ① تلاش۔ ② زبردستی۔ ③ حق۔ ④ رشتہ دار۔

⑧ حضرت اَنس بن نَضر ؓ کا عمل اُحد کی لڑائی میں

اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو جب شکست ہو رہی تھی تو کسی نے یہ خبر اُڑادی کہ حضور ﷺ بھی شہید ہوگئے۔ اس وحشت ناک خبر سے جو اثر صحابہ ؓ پر ہونا چاہیے تھا وہ ظاہر ہے، اسی وجہ سے اور بھی زیادہ گھٹنے ٹوٹ[1] گئے۔ حضرت انس بن نَضر ؓ چلے جا رہے تھے کہ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت میں حضرت عمر ؓ اور حضرت طلحہ ؓ نظر پڑے کہ سب حضرات پریشان حال تھے۔ حضرت انس ؓ نے پوچھا: یہ کیا ہو رہا ہے کہ مسلمان پریشان سے نظر آرہے ہیں۔ ان حضرات نے کہا کہ حضور ﷺ شہید ہوگئے۔ حضرت انس ؓ نے کہا: پھر حضور ﷺ کے بعد تمہیں زندہ رہ کر کیا کرو گے، تلوار ہاتھ میں لو اور چل کر مر جاؤ۔ چنانچہ حضرت انس ؓ نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور کفار کے جمگھٹے[2] میں گھس گئے اور اس وقت تک لڑتے رہے کہ شہید ہوگئے۔ [خمیس]

فائدہ: ان کا مطلب یہ تھا کہ جس ذات کے دیدار کے لیے جینا تھا جب وہی نہیں رہی تو پھر گویا جی کر ہی کیا کرنا ہے؛ چنانچہ اسی میں اپنی جان[3] نثار کردی۔

⑨ سَعد بن رَبیع ؓ کا پیام اُحد میں

اسی اُحد کی لڑائی میں حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سَعد بن رَبیع کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کیا گزری۔ ایک صحابی کو تلاش کے لیے بھیجا وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے، آوازیں بھی دے رہے تھے کہ شاید وہ زندہ ہوں پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضور ﷺ نے بھیجا ہے کہ سَعد بن رَبیع کی خبر لاؤں، تو ایک جگہ سے بہت ضعیف[4] سی آواز آئی، یہ اس طرف بڑھے جا کر دیکھا کہ سات مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے، جب یہ قریب پہونچے تو حضرت سعد ؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کو میرا اسلام عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ میری جانب سے آپ کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں، جو کسی نبی کو اس کے اُمتی کی طرف سے بہتر سے بہتر عطا کیا ہو اور مسلمانوں کو میرا یہ پیام پہونچا دینا کہ اگر کافر حضور ﷺ تک پہونچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی ہوئی رہے یعنی وہ زندہ رہا، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عُذر[5] بھی تمہارا نہ چلے گا اور یہ کہہ کر جان[6] سجق ہوگئے۔ [خمیس]

فائدہ: فَجَزَاہُ اللّٰہُ عَنَّا أَفْضَلَ مَا جَزَی صَحَابِیًّا عَنْ[7] أُمَّۃِ نَبِیِّہٖ. درحقیقت ان جاں نثاروں نے (اللہ تعالیٰ اپنے لُطف سے اُن کی قبروں کو نور سے بھر دے) اپنی جاں نثاری کا پورا ثبوت دے دیا کہ زخموں پر زخم لگے ہوئے ہیں، دم توڑ رہے ہیں، مگر کیا مجال ہے کہ کوئی شِکوہ[8]، کوئی گھبراہٹ، کوئی پریشانی لاحق ہوجائے۔ ولولہ[9] ہے تو حضور ﷺ کی حفاظت کا، حضور ﷺ پر جاں نثاری کا، حضور ﷺ پر قربانی کا، کاش مجھ جیسے نااہل کو بھی کوئی حصہ اس محبت کا نصیب ہوجاتا۔

حل لغات: (۱) ہمت ٹوٹ گئی۔ (۲) مجمع۔ (۳) قربان۔ (۴) کمزور۔ (۵) بہانہ۔ (۶) شہید۔ (۷) اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے ان کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائے جو کسی صحابی کو اسکے نبی کی امت سے عطا کیا گیا ہو۔ (۸) شکایت۔ (۹) جذبہ۔

⑩ حضور ﷺ کی قبر دیکھ کر ایک عورت کی موت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں اور آکر عرض کیا کہ مجھے حضورِ اقدس ﷺ کی قبرِ مبارک کی زیارت کرادو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرۂ شریفہ کھولا۔ انھوں نے زیارت کی اور زیارت کرکے روتی رہیں اور روتے روتے انتقال فرما گئیں۔ رضی اللہ عنہما۔ [شفا]

فائدہ: کیا اس عشق کی نظیر[1] بھی کہیں ملے گی کہ قبر کی زیارت کی تاب[2] نہ لاسکیں اور وہیں جان دے دی۔

⑪ صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کے متفرق قصے

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضورِ اقدس ﷺ سے کتنی محبت تھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے پاک کی قسم! حضور ﷺ ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔ [شفا]

فائدہ: سچ فرمایا۔ درحقیقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی حالت تھی اور کیوں نہ ہوتی جبکہ وہ حضرات کامل[3] الایمان تھے اور اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾ [سورۂ توبہ] ترجمہ: ”آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں زکاسی[4] نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ سب چیزیں) تم کو اللہ سے اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں، تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہونچاتا“۔ [بیان القرآن]

اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ان سب چیزوں سے کم ہونے پر وعید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہوجائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا گیا ہے۔ علماء کا ارشاد ہے کہ ان احادیث میں محبت سے محبتِ اختیاری مراد ہے، غیر اختیاری یعنی طبعی اضطراری مراد نہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر محبتِ طبعی مراد ہو تو پھر ایمان سے مراد کمال درجہ کا ایمان ہو جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص

حل لغات: (۱) مثال۔ (۲) برداشت نہ کرسکیں۔ (۳) مکمل ایمان والے۔ (۴) سامان کا بکنا۔

میں وہ پائی جائیں، ایمان کی حلاوت اور ایمان کا مزہ نصیب ہوجائے، ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ان کے ماسوا[1] سب سے زیادہ ہووے؛ دوسرے یہ کہ جس کسی سے محبت کرے اللہ ہی کے واسطے کرے؛ تیسرے یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا اس کو ایسا ہی گراں اور مشکل ہو جیسا کہ آگ میں گرنا۔ حضرت عمر ﷺ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اپنی جان کے علاوہ اور سب چیزوں سے آپ زیادہ محبوب ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص مومن اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔ حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلآنَ یَاعُمَرُ! (اس وقت اے عمر)۔ علماء نے اس ارشاد کے دو مطلب بتائے ہیں: ایک یہ کہ اس وقت تمہارا ایمان کامل ہوا ہے، دوسرا یہ کہ تنبیہ ہے کہ اس وقت یہ بات پیدا ہوئی کہ میں تمہیں اپنے نفس سے زیادہ محبوب ہوں، حالانکہ یہ بات اوّل ہی سے ہونا چاہیے تھی۔ شہیل تستریؒ کہتے ہیں کہ جو شخص ہر حال میں حضور ﷺ کو اپنا والی نہ جانے اور اپنے نفس کو اپنی مِلک[2] میں سمجھے وہ سنت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ ایک صحابی نے آکر حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے، جس کی وجہ سے انتظار ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں بہت سی نمازیں اور روزے اور صدقے تو تیار کر نہیں رکھے ہیں، البتہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میرے دل میں ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں تم اُسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت رکھتے ہو۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ آدمی کا حشر اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے اُس کو محبت ہے۔ کئی صحابہ نے نقل کیا ہے جن میں عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، صفوان، ابوذر ﷺ وغیرہ حضرات ہیں۔ حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ﷺ کو جس قدر خوشی اس ارشاد مبارک سے ہوئی ہے کسی چیز سے بھی اتنی خوشی نہیں ہوئی۔ اور ظاہر بات ہے ہونا بھی چاہیے تھی کہ حضور ﷺ کی محبت تو ان کے رگ و[3] پے میں تھی، پھر ان کو کیوں نہ خوشی ہوتی؟ حضرت فاطمہ ﷺ کا مکان شروع میں حضور ﷺ سے ذرا دور تھا، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا تمہارا مکان تو قریب ہو جاتا۔ حضرت فاطمہ ﷺ نے عرض کیا کہ حارثہ کا مکان آپ کے قریب ہے، اُن سے فرمادیں کہ میرے مکان سے بدل لیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان سے پہلے بھی تبادلہ ہو چکا ہے اب تو شرم آتی ہے۔ حارثہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی فوراً حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ فاطمہ کا مکان اپنے قریب چاہتے ہیں، یہ میرے مکانات موجود ہیں ان سے زیادہ قریب کوئی مکان بھی نہیں ہے، جو پسند ہو بدل لیں، یارسول اللہ! میں اور میرا مال تو اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے، یارسول اللہ! خدا کی قسم جو مال آپ

حل لغات: ① علاوہ۔ ② ملکیت، قبضہ۔ ③ جسم کا ہر ہر حصہ۔

لے لیں وہ مجھے زیادہ پسند ہے اُس مال سے جو میرے پاس رہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: سچ کہتے ہو اور برکت کی دعا دی اور مکان بدل لیا۔ [طبقات]

ایک صحابی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ کی محبت مجھے میری جان و مال اور اہل وعیال سے زیادہ ہے، میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کا خیال آجاتا ہے تو صبر نہیں آتا، یہاں تک کہ حاضر ہوں اور آکر زیارت نہ کرلوں، مجھے یہ فکر ہے کہ موت تو آپ کو بھی اور مجھے بھی ضرور آنی ہی ہے، اس کے بعد آپ تو انبیاء کے درجہ میں چلے جائیں گے، تو مجھے یہ خوف رہتا ہے کہ پھر میں آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا۔ حضور ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت[1] فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت سنائی:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝﴾ [سورۂ نساء] ترجمہ: جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی جنت میں ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شُہَداء اور صُلَحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں اور ان کے ساتھ رِفاقت[2] محض اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں ہر ایک کے عمل کو۔

اس قسم کے واقعات بہت سے صحابہ ﷺ کو پیش آئے اور آنا ضروری تھے۔ ''عشق[3] است و ہزار بدگمانی'' حضور ﷺ نے جواب میں یہی آیت سنائی۔ چنانچہ ایک صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے آپ سے ایسی محبت ہے کہ جب خیال آجاتا ہے، اگر اس وقت میں آکر زیارت نہ کرلوں تو مجھے غالب گمان ہے کہ میری جان نکل جائے، مگر مجھے یہ خیال ہے کہ اگر میں جنت میں داخل بھی ہوگیا تب بھی آپ سے تو نیچے درجہ میں ہوں گا؛ مجھے تو جنت میں بھی آپ کی زیارت بغیر بڑی مشقت ہوگی، آپ ﷺ نے یہی آیت سنائی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک انصاری حاضرِ خدمت ہوئے اور نہایت غمگین تھے، حضور ﷺ نے فرمایا: غمگین کیوں ہو؟ عرض کیا: یارسول اللہ! ایک سوچ میں ہوں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا سوچ ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! ہم صبح وشام حاضر خدمت ہوتے ہیں، آپ کی زیارت سے محظوظ[4] ہوتے ہیں، آپ کی خدمت میں بیٹھتے ہیں، کل کو آپ تو انبیاء کے درجے پر پہونچ جائیں گے، ہماری وہاں تک رسائی[5] نہیں ہوگی، حضور ﷺ نے سکوت فرمایا اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ان انصاری کو بھی بلایا اور ان کو اس کی بشارت دی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے صحابہ ﷺ نے یہ اشکال کیا، حضور ﷺ نے یہ آیت ان کو سنائی۔ ایک حدیث میں ہے صحابہ ﷺ نے عرض کیا:

حل لغات: (۱) خاموش رہنا۔ (۲) ساتھ، دوستی۔ (۳) عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہوتی ہیں۔ (۴) خوش۔ (۵) پہونچ۔

یارسول اللہ! یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کو امتی پر فضیلت ہے اور جنت میں اس کے درجہ اونچے ہوں گے، تو پھر اکٹھا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر کے درجہ والے نیچے کے درجہ والوں کے پاس آئیں گے، ان کے پاس بیٹھیں گے، بات چیت کریں گے۔ [درمنثور]

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے بہت محبت کرنے والے بعض ایسے لوگ ہوں گے جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور ان کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش اپنے اہل وعیال اور مال کے بدلے میں وہ مجھے دیکھ لیتے۔ خالد ؓ کی بیٹی عَبْدَہ ؒ کہتی ہیں کہ میرے والد جب بھی سونے لیٹتے، تو اتنے آنکھ نہ لگتی اور جاگتے رہتے، حضور ﷺ کی یاد اور شوق واشتیاق میں لگے رہتے اور مہاجرین وانصار صحابہ ؓ کا نام لے کر یاد کرتے رہتے اور یہ کہتے کہ یہی میرے اصول وفروع ہیں (یعنی بڑے اور چھوٹے) اور ان کی طرف میرا دل کھنچا جارہا ہے، یا اللہ! مجھے جلد ہی موت دے دے کہ ان لوگوں سے جا کر ملوں اور یہی کہتے کہتے سو جاتے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے کی بہ نسبت[1] آپ کے چچا ابوطالب کے مسلمان ہوجانے کی زیادہ تمنا ہے، اس لیے کہ اس سے آپ کو زیادہ خوشی ہوگی۔ حضرت عمر ؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس ؓ سے عرض کیا کہ آپ کے اسلام لانے کی مجھے زیادہ خوشی ہے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے، اس لیے کہ آپ کا اسلام حضور ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔

حضرت عمر ؓ ایک مرتبہ رات کو حفاظتی گشت[2] فرمارہے تھے کہ ایک گھر میں سے چراغ کی روشنی محسوس ہوئی اور ایک بڑھیا کی آواز کان میں پڑی جو اون کو دھنتی[3] ہوئی اشعار پڑھ رہی تھیں، جن کا ترجمہ یہ ہے: کہ محمد ﷺ پر نیکوں کا درود پہونچے اور پاک صاف لوگوں کی طرف سے جو برگزیدہ[4] ہوں ان کا درود پہونچے، بے شک یارسول اللہ! آپ راتوں کو عبادت کرنے والے تھے اور اخیر راتوں کو رونے والے تھے، کاش مجھے یہ معلوم ہوجاتا کہ میں اور میرا محبوب کبھی اکٹھا ہوسکتے ہیں یا نہیں، اس لیے کہ موت مختلف حالتوں میں آتی ہے، نہ معلوم میری موت کس حالت میں آئے اور حضور ﷺ سے مرنے کے بعد ملنا ہوسکے یا نہ ہوسکے۔ حضرت عمر ؓ بھی ان اشعار کو سن کر رونے بیٹھ گئے۔ حضرت بلال ؓ کا قصہ مشہور ہے ہی کہ جب ان کے انتقال کا وقت ہوا تو اُن کی بیوی جدائی پر رنجیدہ ہوکر کہنے لگیں کہ ہائے افسوس! وہ کہنے لگے: سبحان اللہ! کیا مزے کی بات ہے کہ کل کو محمد ﷺ کی زیارت کریں گے اور ان کے صحابہ سے ملیں گے۔

حضرت زید ؓ کا قصہ باب ۵/۵ کے قصہ نمبر ۹/ میں گذر چکا ہے کہ جب ان کو سولی دی جانے لگی، تو ابوسفیان نے پوچھا: کیا تجھے یہ گوارا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں اور تیرے بجائے (خدانخواستہ[5]) حضور ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ کریں؟ تو زید ؓ نے کہا: خدا کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور ﷺ اپنے دولت کدہ[6] پر

حل لغات: (۱) مقابلہ، بدلہ۔ (۲) حفاظت کے لیے چکر لگانا۔ (۳) صاف کرتی ہوئی۔ (۴) مقبول، پسندیدہ۔ (۵) خدانہ کرے۔ (۶) گھر۔

تشریف فرما ہوں اور وہاں ان کے کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر آرام سے رہ سکوں۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت کو ان سے ہے۔

تنبیہ: علماء نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کی مختلف علامات لکھی ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کو ماسوٰی[1] پر ترجیح دیتا ہے، یہی معنی محبت کے ہیں ورنہ محبت نہیں محض دعویٰ محبت ہے، پس حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کی علامات میں سب سے مُہتَم بِالشّان[2] یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اقتدا[3] کرے، آپ ﷺ کے طریقہ کو اختیار کرے اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال کی پیروی کرے، آپ ﷺ کے احکامات کی بجا آوری[4] کرے اور آپ ﷺ نے جن چیزوں سے روک دیا ہے اُن سے پرہیز کرے، خوشی میں، رنج میں، تنگی میں، وُسعت میں، ہر حال میں آپ ﷺ کے طریقے پر چلے، قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱﴾ [سورۂ آل عمران] ''آپ اُن لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کردیں گے اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں، بڑے رحم فرمانے والے ہیں''۔

خاتمہ: صحابہ کرام ﷺ کے حقوق اور اُن کے مختصر فضائل

صحابۂ کرام ﷺ کے یہ چند قصے نمونے کے طور پر لکھے گئے ہیں، ورنہ ان کے حالات بڑی ضخیم[5] کتابوں میں بھی پورے نہیں ہوسکتے۔ اردو میں بھی متعدد کتابیں اور رسالے اس مضمون کے ملتے ہیں۔ کئی مہینے ہوئے یہ رسالہ شروع کیا تھا، پھر مدرسہ کے مشاغل[6] اور وقتی عوارض[7] کی وجہ سے تعویق[8] میں پڑ گیا، اس وقت ان اوراق پر خاتمہ کرتا ہوں کہ جتنے لکھے جاچکے ہیں وہ قابلِ انتفاع[9] ہوجائیں۔ اخیر میں ایک ضروری امر پر تنبیہ بھی اشد[10] ضروری ہے، وہ یہ کہ اس آزادی کے زمانہ میں جہاں ہم مسلمانوں میں دین کے اور بہت سے امور میں کوتاہی اور آزادی کا رنگ ہے، وہاں حضرات صحابۂ کرام ﷺ کی حق[11] شناسی اور ان کے ادب واحترام میں بھی حد سے زیادہ کوتاہی[12] ہے؛ بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پرواہ لوگ تو ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں، حالانکہ صحابۂ کرام ﷺ دین کی بنیاد ہیں، دین کے اوّل پھیلانے والے ہیں، ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ[13] برآ نہیں ہوسکتے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے ان

حل لغات: (۱) دوسری چیزوں پر۔ (۲) اہم، ضروری۔ (۳) پیروی۔ (۴) عمل کرنا۔ (۵) لمبی چوڑی۔ (۶) مشغلہ کی جمع، کام۔ (۷) پیش آنے والی چیزیں۔ (۸) ٹال مٹول، دیری۔ (۹) فائدہ اُٹھانے کے لائق۔ (۱۰) سخت۔ (۱۱) قدردانی۔ (۱۲) کمی۔ (۱۳) چھٹکارا پانا۔

پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں کہ انھوں نے حضور اقدس ﷺ سے دین حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہونچایا، اس لیے اس خاتمہ میں قاضی عیاضؒ کی شفا کی ایک فصل کا مختصر ترجمہ جو اس کے مناسب ہے، درج کرتا ہوں اور اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہی کے اعزاز و اکرام میں داخل ہے، حضور ﷺ کے صحابہ کا اعزاز و اکرام کرنا اور ان کے حق کو پہچاننا اور اُن کا اتباع کرنا اور ان کی تعریف کرنا اور ان کے لیے استغفار اور دعائے مغفرت کرنا اور ان کے آپس کے اختلافات میں لَب[1] کُشائی نہ کرنا اور مُؤرِّخین اور شیعہ اور بدعتی اور جاہل راویوں کی ان خبروں سے اِعْراض[2] کرنا، جو ان حضرات کی شان میں نقص[3] پیدا کرنے والی ہوں اور اس نوع[4] کی کوئی روایت اگر سننے میں آئے تو اس کی کوئی اچھی تاویل[5] کرلے اور کوئی اچھا مُحْتَمَل[6] تجویز کرلے کہ وہ اس کے مستحق ہیں اور ان حضرات کو بُرائی سے یاد نہ کرے، بلکہ ان کی خوبیاں اور ان کے فضائل بیان کیا کرے اور عیب کی باتوں سے سکوت کرے، جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میرے صحابہ کا ذکر (یعنی برا ذکر) ہو تو سکوت کیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت[7] وارد ہیں۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ [سورۂ فتح] ترجمہ: ”محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان اور اے مخاطب تُو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کرنے والے ہیں، کبھی سجدہ کرنے والے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو[8] میں لگے ہوئے ہیں، اُن کی عبدیت[9] کے آثار[10] بوجہ تاثیر ان کے سجدہ کے، ان کے چہروں پر نُمایاں[11] ہیں، یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں، اور انجیل میں اُن کی یہ مثال ذکر کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اُس نے اول اپنی سوئی[12] نکالی پھر اُس نے اپنی سوئی کو قوی کیا (یعنی وہ کھیتی موٹی ہوئی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں اول ضُعف تھا، پھر روز افزوں قوت بڑھتی گئی اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس لیے یہ نشو[13] و نُما دیا) تاکہ ان سے

حل لغات: (۱) منہ کھولنا، بات کرنا۔ (۲) بچنا۔ (۳) کمی۔ (۴) قسم، طرح۔ (۵) یعنی اچھا مطلب نکالے۔ (۶) یعنی کوئی اچھا معنی نکالے۔ (۷) بہت زیادہ۔ (۸) کوشش، تلاش۔ (۹) بندگی۔ (۱۰) نشانیاں۔ (۱۱) ظاہر۔ (۱۲) بیج سے نکلی ہوئی پہلی نوک۔ (۱۳) پھلنا، پھولنا۔

کافروں کو حسد میں جلاوے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اُن صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کررہے ہیں، مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کررکھا ہے''۔

یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ تورات پر آیت ہو اور آیت کے فرق سے ترجمہ میں بھی فرق ہوجائے گا۔ جو تفاسیر سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اسی سورۃ میں دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾﴾ [سورۂ فتح] ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے (جو کہ آپ کے ہم سفر ہیں) خوش ہوا، جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (اخلاص اور عزم[1] تھا، اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں اطمینان پیدا کردیا تھا اور ان کو ایک لگتے[2] ہاتھ فتح بھی دے دی۔ (مراد اس سے فتحِ خیبر ہے جو اس کے قریب ہی ہوئی) اور بہت سی غنیمتیں بھی دیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔ یہی وہ بیعت ہے جس کو ''بیعتُ الشَّجرہ'' کہا جاتا ہے، اخیر باب کے قصہ چار میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

صحابہ ﷺ کے بارے میں ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾﴾ [سورۂ احزاب] ''ان مؤمنین میں ایسے لوگ ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اُس میں سچے اُترے پھر اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کرچکے (یعنی شہید ہوچکے) اور بعض ان میں اس کے مُشتاق (مُنتظر ہیں ابھی شہید نہیں ہوئے) اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیُّر و تبدُّل[3] نہیں کیا۔

ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾﴾ [سورۂ توبہ] ''اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب امت سے) مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو[4] ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ایسے باغ تیار کررکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے''۔ اِن آیات میں اللہ جلّ شانہٗ نے صحابہ ﷺ کی تعریف اور اُن سے خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔

اسی طرح احادیث میں بھی بہت کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کا اقتدا[5] کیا کرو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس

حل لغات: (۱) پکا ارادہ۔ (۲) ہاتھوں ہاتھ، ساتھ ہی ساتھ۔ (۳) تبدیلی۔ (۴) اتباع کرنے والے۔ (۵) پیروی۔

کا اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ مُحدّثین کو اس حدیث میں کلام ہے اور اسی وجہ سے قاضی عیاضؒ پر اُس کے ذکر کرنے میں اعتراض ہے۔ مگر ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ تَعَدُّدِ طُرُق کی وجہ سے اُن کے نزدیک قابلِ اعتبار ہو یا فضائل میں ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہو (کیونکہ فضائل میں معمولی ضُعف کی روایتیں ذکر کردی جاتی ہیں)۔ حضرت انس ﷺ کہتے ہیں: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہوسکتا۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، اُن کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ، جو شخص اُن سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت رکھتا ہے اور جو اُن سے بُغض رکھتا ہے وہ میرے بُغض کی وجہ سے بُغض رکھتا ہے، جو شخص اُن کو اذیت دے اُس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اُس نے اللہ کو اذیت دی اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دیا کرو، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے صحابہ کے ایک مُدّ یا آدھے مد کی برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص صحابہ کو گالیاں دے، اس پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت، نہ اس کا فرض مقبول ہے، نہ نفل۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کو چھانٹا ہے اور ان میں سے چار کو ممتاز کیا ہے: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ان کو میرے سب صحابہ سے افضل قرار دیا۔

ایوب سَخْتیانیؒ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ابوبکر ﷺ سے محبت کی، اُس نے دین کو سیدھا کیا اور جس نے عمر ﷺ سے محبت کی، اس نے دین کے واضح راستے کو پالیا اور جس نے عثمان سے محبت کی، وہ اللہ کے نور کے ساتھ منوّر ہوا اور جس نے علی ﷺ سے محبت کی، اُس نے دین کی مضبوط رسّی کو پکڑ لیا، جو صحابہ ﷺ کی تعریف کرتا ہے وہ نفاق سے بَری ہے اور جو صحابہ ﷺ کی بے ادبی کرتا ہے وہ بدعتی، منافق، سنت کا مُخالف ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اُس کا کوئی عمل قبول نہ ہو یہاں تک کہ اُن سب کو محبوب رکھے اور ان کی طرف سے دل صاف ہو۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! میں ابوبکر سے خوش ہوں تم لوگ اُن کا مرتبہ پہچانو، میں عمر سے، علی سے، عثمان سے، طلحہ سے، زُبیر سے، سعد سے، سعید سے، عبدالرحمٰن ابن عَوف سے، ابوعُبیدہ سے خوش ہوں، تم لوگ اُن کا مرتبہ پہچانو، اے لوگو! اللہ جلّ شانہٗ نے بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی اور حُدَیبیہ کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی مغفرت فرما دی، تم میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت کیا کرو اور اُن لوگوں کے بارے میں جن کی بیٹیاں میرے نکاح میں

حل لغات: (۱) بہت ساری سندوں کے ساتھ ذکر کرنا۔ (۲) بُرا بھلا کہنا۔ (۳) تکلیف۔ (۴) وہ وزن جو تقریباً ایک کلو کا ہوتا ہے۔ (۵) بہتر، اچھا۔ (۶) صاف شفاف۔ (۷) آزاد۔

ہیں یا میری بیٹیاں اُن کے نکاح میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ قیامت میں تم سے کسی قسم کے ظلم کا مطالبہ[1] کریں کہ وہ معاف نہیں کیا جائے گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ میرے صحابہ اور میرے دامادوں میں میری رعایت کیا کرو، جو شخص ان کے بارے میں میری رعایت کرے گا اللہ تعالیٰ شانہٗ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت فرمائیں گے اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بَری ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ بَری ہیں کیا بعید ہے کہ کسی گرفت[2] میں آجائے۔ حضور ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہ کے بارے میں میری رعایت کرے گا، میں قیامت کے دن اُس کا محافظ[3] ہوں گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت رکھے گا وہ میرے پاس حوض کوثر پر پہونچ سکے گا اور جو اُن کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا وہ میرے پاس حوضِ تک نہیں پہونچ سکے گا اور مجھے صرف دور ہی سے دیکھے گا۔ سہیل بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ جو شخص حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم نہ کرے، وہ حضور ﷺ ہی پر ایمان نہیں لایا۔

اللہ جلّ شانہٗ اپنے لُطف وفضل سے اپنی گرفت سے اور اپنے محبوب کے عتاب[4] سے مجھ کو اور میرے دوستوں کو، میرے مُحسنوں کو اور ملنے والوں کو، میرے مشائخ کو، تلامذہ[5] کو اور سب مؤمنین کو محفوظ رکھے اور ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دے آمین۔ بِرَحْمَتِكَ[6] يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْأَتَمَّانِ الْأَكْمَلَانِ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَعَلٰى أَتْبَاعِهٖ وَأَتْبَاعِهِمْ جَمْلَةَ الدِّيْنِ الْمَتِيْنِ۔

تمت

زکریا عفی عنہ کاندھلوی
مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۱۲ رشوال ۱۳۵۷ھ دوشنبہ

حل لغات: (۱) دعویٰ۔ (۲) پکڑ۔ (۳) حفاظت کرنے والا۔ (۴) غصہ۔ (۵) شاگردوں۔ (۶) اے ارحم الراحمین ہماری دعا کو اپنے رحم وکرم کے طفیل قبول فرما اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کی ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور کامل ومکمل درود وسلام ہو نبیوں کے سردار محمد ﷺ پر، آپ کی آل اولاد پر، آپ کے پاکباز صحابہ پر، تابعین اور تبع تابعین پر جو دین کو سربلند کرنے والے ہیں۔